بہشتِ نظر

رتن پنڈوروی

بہشتِ نظر

رتن پنڈوروی

سالِ اشاعت : ۱۹۷۴ء

تعداد : ایک ہزار

کتابت : بشیر الدین شیر کوٹی شمس گنج نمبر ۲۹۱۲ لال دروازہ دہلی ۶

مطبع : جمال پرنٹنگ پریس دہلی ۶

قیمت : بارہ روپے

ناشر

پنجاب اُردو اکاڈمی - ۳۳۴۹ - سیکٹر ۲۱ ڈی - چنڈی گڑھ

ملنے کا پتہ

(۱) پنجاب اُردو اکاڈمی - ۳۳۴۹ - سیکٹر ۲۱ ڈی - چنڈی گڑھ

(۲) راجندر ناتھ رہبر - ۱۰۸۵ - سبھاش نگر - پٹھان کوٹ

جوگی شاعر رتن پنڈوروی

خدایا مطلعِ انوارِ رحمت ساز جانم را

کلیدِ مخزنِ اسرارِ دل گرداں زبانم را

انتساب

شری چانن سِنگھ، صاحب شاؔد سری ہرگوبندپوری کے نام

اظہارِ تشکّر

جناب راجندر ناتھ صاحب رہبر۔ ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ پٹھان کوٹ اور حضرت سورج تنویر جنرل سکریٹری انجمن ترقّیِ اُردو (پنجاب) چنڈی گڑھ کی عنایتِ بے غایت اور احسانِ بے پایاں کی سپاس گزاری میرے لئے واجبات سے ہے جن کی سعئ جمیلہ و کوشش جزیلہ کے فیض سے زیرِ نظر مجموعہ کتابت و طباعت کے مراحل طے کر کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہُوا۔

خدائے بزرگ و برتر اِن دونوں مہربانوں پر جزائے خیر کی ارزانیاں فرمائے۔ آمین۔

مِنّت پذیر

رتن پنڈوروی (سری ہرگوبندپور)

فہرستِ مضامین

دیباچہ

تخلیق انسانی کے ساتھ ہی شاعری سحریت و موسیقیت کے پردے میں جلوہ گر ہوئی۔ انسان نے اِن دونوں سے قوتِ عمل و قوتِ تسخیر کا کام لے کر تاثیر و ترغیب کا فرض انجام دیا جس سے انسانی شعور کی گہرائی اور گیرائی میں اضافہ ہُوا۔ اور شاعری اپنی ابدیت و جاویدیت کے باوجود زمان و مکان یا یوں کہیے کہ قواعد و ضوابط کے قفس میں اسیر ہو گئی۔ خیالات۔ تجربات۔ تصورات اور مدرکات کی پابندیوں نے مختلف قطعات ارضی میں ارتقائے شاعری کی مختلف راہیں متعین کیں۔ یہاں پہنچ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دُنیا میں پہلا شاعر کون ہُوا۔ گو یہ بحث لا حاصل ہے تاہم یہ کہنا دلچسپی سے خالی نہیں کہ سامی روایت کے مطابق سب سے پہلے جس نے شعر کہا وہ آدم تھے۔ جب ان کے بیٹے ہابیل کو اُن کے سرکش و باغی بیٹے قابیل نے جذبۂ رقابت سے مغلوب ہو کر قتل کر دیا تو یہی حادثہ ان کی شعر گوئی کا محرک ہُوا۔ خسرو کا یہ شعر اس روایتی عقیدے کی طرف اشارہ کرتا ہے ؎

دل بایں محنت نہ از خود دادہ ایم — ما ہمہ دراصل شاعر زادہ ایم

اور صائب کا شعر تو ضرب المثل ہو گیا ہے ؎

طبعِ موزوں صحتِ فرزندیٔ آدم بود — آں کہ اوّل شعر گفت آدم صفی اللہ بود

یہ سب تخیلی امور صحیح ہوں یا غلط لیکن یہ بات یقینی ہے کہ حیوانِ ناطق میں جس کسی نے بھی سب سے پہلے اپنے ذاتی تاثرات کا بے ساختہ اظہار موزونیت کے ساتھ الفاظ میں کیا وہ دنیا کا پہلا شاعر ہے۔ اور اگر محیّ الدین ابن عربی ایسے صاحبِ بصیرت و ادراک کا یہ خیال صحیح ہے کہ ایک آدم نہیں بلکہ سینکڑوں آدم گزرے ہیں تو بیک وقت کئی شخصیتیں ایسی نکلیں گی جنھوں نے پہلے پہل شعر کہے ہوں گے۔ بہر صورت یہ دعویٰ تو اپنی جگہ ناقابلِ تردید معلوم ہوتا ہے کہ طبعِ موزوں اور شاعری

فرزندئ آدم کی علامتیں ہیں اور جو حکم شاعری کے بارے میں لگایا گیا ہے وہ انسان کے تمام جمالیاتی تجربات واکتسابات پر صادق آتا ہے۔

شاعری کا تعلق ابتدا ہی سے حیاتِ انسانی کی اغراض و مقاصد اور اس کی فلاح وبہبود سے ہے۔ اس کا آغاز تمدّن کے اُس زمانے میں ہوا جس کو خرافیات کا اوّلیں دور کہتے ہیں۔ شاعری جادو ٹونے کے ساتھ وجود میں آئی شعر کے قدیم ترین نمونے منتر یعنی جادو کے وہ بول ہیں جو فوق البشر عناصر اور ناقابلِ تسخیر قوتّوں کو خوش رکھنے یا اُن پر فتح پانے کے لئے بنائے گئے۔ ان اقوال وآراء سے پایا جاتا ہے کہ شاعری کی ترکیب میں دو قسم کے عناصر غالب ہیں۔ داخلی اور خارجی۔

داخلی عناصر میں سچی اور صحت مندانہ انفرادیت ایک اجتماعی حقیقت کی صورت میں جلوہ گر ہے۔ اجتماعی حقیقت انسان کے عامتہ الورود جذبات وافکار کی ترجمانی کرتی ہے۔ خارجی شاعری فن سخن کے ارتقا کی قدیم ترین منازل کی نمائندگی کرتی ہے۔ ہندوستان کی مختلف مقامی بولیوں میں اس کے نمونے بکثرت ملتے ہیں۔ موضوعات کی عمومیت سادگی اور بے تکلفی۔ بیان کی سرعت اور لب ولہجہ کی متانت کے ساتھ ایک معصومانہ انداز اس کے اسلوب کی ممتاز ترین خصوصیات ہیں۔ "شاعری حقیقت نہیں ہے بلکہ حقیقتوں کا اظہار ہے صداقت نہیں ہے بلکہ صداقتوں کی تعبیر ہے چنانچہ مسٹر لے ہنٹ کا قول ہے۔ شاعری صداقت وحسن وقوت کے جذبہ کا اظہار ہے جو تخیل وتصور کی مدد سے اپنے معتقداتِ شعری محسوس کر دکھاتی ہے" ڈبلیو۔ بی۔ ایٹس شاعری کی تعریف کرتا ہے کہ "شاعری مجاز وحقیقت کی تزویج ہے"، فریڈرک رابرٹس کہتے ہیں کہ "جذبات کی زبان کا نام شاعری ہے" یعنی شاعری تخیّل کی تصنیف ہے جس کو قوّت متخیلہ جامۂ ہستی سے آراستہ کرتی ہے۔

مسٹر کیٹس کا قول ہے کہ "شاعر جب کسی منظر یا کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس کے دل میں اس چیز کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ جب شاعر اس نقشے پر بار بار غور کرتا ہے تو اس کے اندر سے

ایک حقیقت آشکار ہوتی ہے جس کو وہ شعر کے لباس میں جلوہ گر کرتا ہے"۔ رچپٹر کی رائے ہے
کہ "بہت سے نازک اور پاکیزہ جذبات جو مثل فرشتوں کے وجود کے ہماری باطنی دنیا میں
پائے جاتے ہیں اور جسمانی لباس میں نمایاں نہیں ہوتے شاعران کو شعر کی صورت دیتا ہے۔
الیسٹر لنگ کا قول ہے کہ "شاعری فی نفسہٖ ایک قوت اور مسرت ہے"۔ کولیسرج کہتا ہے کہ
"سرکارِ شاعری سے مجھے بڑے بڑے انعام ملے۔ شاعری نے میرے زخموں پر مرہم لگایا ہے میری
مسرتوں میں اضافہ کیا ہے۔ گوشۂ تنہائی سے مجھے موانست ہے اور یہ صفت شاعری کی بدولت
حاصل ہوئی ہے کہ جو کچھ بھی اپنے قریب یا دور دیکھتا ہوں اُس میں خوبی۔ بہتری اور خوبصورتی
نظر آتی ہے"۔ شیلے کا قول ہے کہ "شاعری حسن مستور کے چہرے سے نقاب اُٹھاتی ہے اس کی بدولت
ہم اُن خط و خال اور نقش و نگار کو دیکھتے ہیں جو آنکھ سے اوجھل ہوتے ہیں"۔ شکسپیر کا بیان ہے
کہ "دیوانہ - عاشق اور شاعر قوتِ متخیلہ سے مرکب ہیں - ایک اس قدر شیطان نظر آتا ہے جس
کی وسیع دوزخ میں بھی گنجائش نہیں۔ دوسرا ایسا دیوانہ ہے جس کو ہیلن کا حسن ابروئے مصر میں نظر
آتا ہے شاعر کی آنکھ ایک دیوانی گردش میں عرش سے زمین اور زمین سے عرش تک دیکھتی ہے اور
یونہی تخیل اُن اشیا کو پیدا کرتا ہے۔ شاعر کا قلم اُن کو لباسِ ہستی پہناتا ہے اور عدم کو وجود کر دکھاتا ہے"۔
ڈاکٹر جانسن فرماتے ہیں کہ "شاعر کے لئے کوئی شے بے کار نہیں ہے۔ کائنات میں جتنی خوبصورت
مسرت خیز۔ ولولہ انگیز اعلےٰ سے اعلےٰ اور ادنےٰ سے ادنےٰ چیزیں ہیں قوتِ متخیلہ ان سب سے آشنا
ہے۔ باغوں میں درخت۔ جنگلوں میں حیوانات زمین میں معدنیات۔ آسمان کے شہاب شاعر کے دماغ
میں صدہا خیالات جمع کرتے ہیں۔ ہر خیال اخلاقی یا مذہبی صداقت کی تفریح یا زینت ہے اور
اپنی آغوش میں معلومات کی وسیع دنیا لئے ہوئے ہے شاعر ان مختلف مناظر کو مختلف انداز میں
بیان کر سکتا ہے"۔

بیلی کہتا ہے کہ "شاعر خیالات پیدا نہیں کر سکتا بلکہ خیالات کی نشوونما خود بخود ہوتی
ہے جیسے دشت و دمن میں گل خود رَو خود بخود کھلتے ہیں۔ اُس کے صفحۂ دل پر کائنات کے نقوش

سنہری حرف میں منقوش ہیں۔

فلاسفۂ یونان کا قول ہے کہ "دنیا میں دو چیزیں نہایت عجیب و حیرت انگیز ہیں اوّل نیفس انسانی کہ بے گویائی حالِ باطن بیان کرتی ہے۔ دوم شعر کہ انھیں الفاظ کے پس وپیش سے ایک عجیب تاثیر دل پر پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی تاثیر کی بدولت آج تک عظیم ترین نتائج دنیا کی تاریخ میں مترتب ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے"

یورپ میں ملکی مشکلات کے وقت نظم ہی کو قوم کی ترغیب و تحریص کا ایک زبردست آلہ سمجھتے رہے ہیں۔ تاریخ دان حضرات اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ ایتھنز والوں کو چھنا ہوا جزیرہ سیلیس سولن کے پر جوش اشعار نے دلایا۔ شعرائے ویلیز کے ولولہ انگیز اشعار اور غیرت آموز منظومات نے ایڈورڈ شاہ انگلستان کے دانت کھٹے کر دیئے۔

ایشیا کی شاعری میں بھی ایسی مثالیں بکثرت ہیں جن سے شعر کی غیر معمولی تاثیر اور جادو کا کامل ثبوت ملتا ہے اہل عرب معرکہ ہائے قتل میں رجز خوانی کرتے تھے۔ سلاطین ہند کے یہاں صفِ جنگ میں بسور۔ ویر۔ راوت اور بھاٹ وہ وہ کڑا کے کوت کہتے تھے کہ لوگ اپنی جانیں موت کے منہ میں جھونک دیتے تھے۔ اب تک بھی یہ عالم ہے کہ اُن کے سُنتے ہی بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یورپ کے ایک محقق کا قول ہے کہ بوجہ انہماک مشاغلِ دنیوی جو قوتیں سو جاتی ہیں شعر اُن کو بیدار کرتا ہے۔ وہ ہم کو محسوسات کے دائرے سے نکال کر گزشتہ اور آئندہ حالات کو ہمارے موجودہ حال پر غالب کر دیتا ہے شعر کا اثر محض عقل کے ذریعہ سے نہیں بلکہ زیادہ تر ذہن اور ادراک کے ذریعہ اخلاق پر ہوتا ہے۔ ہر قوم اپنے ذہن کی جودت اور ادراک کی بلندی کے موافق شعر سے اخلاق فاضلہ اکتساب کرتی ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات کے مطابق جملہ اقوال اپنی اپنی جگہ دل فریب و دل کش ہیں۔ عام طور پر شاعری کا نمایاں وصف جذبات پر اثر پیدا کرنا ہے یعنی شعر سن کر دل انبساطی یا انقباضی کیفیت سے متاثر ہوتا ہے اور وہ اثر ایک مدت تک باقی رہتا ہے۔ یہ خصوصیت شاعری کو دوسری

علوم و فنون یا فلسفہ سے ممتاز کرتی ہے۔ مرزا عزیز لکھنوی اپنی نظم "ماہیت شاعری،، میں رقم طراز ہیں کہ ؎

شاعری کیا ہے نقط تصویرِ جذبات نہاں
قوّتِ تخیّل کے ہمراہ تاثیر زباں

صورتیں اس نے مجسم کیں اُمید و یاس کی
اس کی خاکستر میں ہیں چنگاریاں احساس کی

واردات قلب کی تفسیرِ طوفانی ہے یہ
اک مجسم ہستیٔ اغراض نفسانی ہے یہ

دل ہے یہ اور عالمِ ارواح اس کا سینہ ہے
شاعری تصویرِ رُوحانی کا اِک آئینہ ہے

رزم کی یہ روح ہے اور بزم کی یہ جان ہے
عشق کا قرآن ہے اور حسن کا ایمان ہے

گویا شاعری کا مدار جذبات پر ہے جب تک جذبات کی نشو و نما کامل طور پر شاعر کے دل و دماغ میں نہ ہو اُس وقت تک شاعری نہیں چمکتی۔ شاعر کے جذبات صادق بلند۔ صالح اور ارجمند ہونے چاہیئں۔ شاعر اگر صحیح معنوں میں شاعر ہے تو اُسے سامعین کے مذاق کی پرواہ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے گرد و پیش سے متاثر ہو کر ایسے ارفع تخیّلات پیش کرتا ہے کہ سامعین پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔

شاعر کی دنیا اس ظاہری دُنیا سے الگ ہے۔ وہ ایک قطرہ میں دریا اور ایک ذرّہ میں آفتاب دیکھتا ہے۔ جزو میں کل کا تماشا کرتا ہے۔ پتھر کو گویا کر دیتا ہے۔ درختانِ پا در گِل کو رواں کر دکھاتا ہے۔ ماضی کو حال اور حال کو استقبال کر دینا اُس کے لئے بازیچۂ طفلاں ہے۔ جہاں اس کی آواز قوم و وطن کے لئے پیامِ زندگی ہے وہاں اُس کی پرواز عرش سے گزر کر حریمِ قدس تک پہنچتی ہے۔ اُس کی دور رس نگاہیں بحرِ ذخار کی تہ سے دُرِّ شاہوار نکال لاتی ہیں۔ زندگی کو موت کے سانچے میں ڈھال کر موت کا خاکا اڑانا۔ بربطِ اندوہ و غم پر وجد کرنا۔ اپنے نغماتِ شیریں سے قالبِ انسانیت میں ایک نئی رُوح پھونک دینا۔ نظامِ زمین و زماں یہاں تک کہ پیغامِ قضا کو بدل دینا۔ ایک نقطۂ موہوم میں عالمِ علوی و سفلی کی سیر کرنا۔ رعنائیِ مستور کو بے نقاب کر دینا۔ زمینِ شعر پر نئی نئی عمارتیں کھڑی کرنا۔ ہر راہِ ناہموار کو ہموار کر دکھانا۔ فلسفی کے خیالات اور منطقی کے دلائل

کو باطل کر دکھانا۔ رموزِ زندگی کی ترجمانی اور جبرئیل کی ہم زبانی کا دعویٰ کرنا۔ تحت الثریٰ سے ثریا پر جلوہ گر ہونا۔ دم زدن میں چرخِ ہفتم کے اچھلتے ڈوبتے تارے توڑ لانا یہاں تک کہ ناممکن کو ممکن کر دکھانا شاعر ہی کا کرشمہ ہے۔ الغرض دونوں جہاں شعر کے دو مصرعوں میں چھپے ہیں جن کی ترازو شاعر کے ہاتھ میں ہے جدھر چاہے جھکا دے شاعر جہاں کانِ جواہر ہے وہاں رہبرِ کامل بھی ہے۔ جہاں خلاقِ معانی ہے وہاں نقاشِ مناظر بھی ہے۔ وہ مذہب و ملت کی حدود سے بالاتر نہ مومن ہے نہ کافر ہے بلکہ ایک حقیقی انسان ہے۔ اور ایک ہی وقت میں وہ معلم بھی ہے اور محقق بھی۔ مفسر بھی ہے مصور بھی۔ فلسفی بھی ہے منطقی بھی۔ خلیق بھی ہے اور شفیق بھی دنیا اُس کے لیے اور وہ دنیا کے لیے ہے۔ سارے جہاں کا درد اس کے دل میں نہاں ہے وہ مصائب و آلام کو راحت و آرام کا پیش خیمہ سمجھتا ہے فنا سے بقا کی تجلی پیدا کرتا ہے نیستی سے ہستی کو وجود میں لاتا ہے حضرت دلؔ شاہجہانپوری مرحوم کیا خوب فرماتے ہیں۔

دلِ سامع کو جو معمور و پُر تنویر کرتا ہے
فنا کو جو حیاتِ عشق سے تعبیر کرتا ہے

جو ہر ذرہ میں پیدا جوہرِ اکسیر کرتا ہے
زمینِ شعر پر خلد و ارم تعمیر کرتا ہے

وہ شاعر شاہدِ معنی کے گیسو کو جو سلجھائے
فرازِ عرش تک پہنچے وہیں سے نور برسائے

حریمِ زہد تک پہنچے بتِ پندار کو توڑے
نظر کی ضرب سے وہ آہنیں دیوار کو توڑے

جو اپنے جامۂ ہستی کے اک اک تار کو توڑے
جو اکثر معرکوں میں تیغِ جوہر دار کو توڑے

رموزِ زندگی سمجھے جو آگاہِ فنا ہو کر
سرِ منزل پہنچ جائے حقیقت آشنا ہو کر

ان حالات میں ہر شاعر پر لازم آتا ہے کہ وہ نفسیاتی تجزیہ و تحلیل کے ذریعہ مسائلِ زندگی کی عقدہ کشائی کرے۔ حیات و کائنات کے اہم ترین پہلو پر تنقید کرتا ہوا تالیفِ قلب کے سامان بہم پہنچائے۔ انسان کی انسانیت کو فضائل اخلاق کے ذریعہ سے آراستہ کرے شعورِ حسن و عشق کی بیداری کے ساتھ ساتھ خلق و رفق اور درد و ایثار کے جذبات جوش زن کرے۔ حبِّ وطن۔ حبِّ قوم۔ حبِّ آدمیت

کی تلقین کرے وہ عاشقِ صادق بھی ہو اور ناصحِ مشفق بھی۔ رندِ پارسا بھی ہو اور زاہد و پرہیزگار بھی۔ وُہ وجدانی شعور کا راز کھولے۔ ناظرین و سامعین کے اندر احساس و لبصیرت پیدا کرے۔ رزم و بزم کی آراستگی کے ساتھ ساتھ تہذیب و تمدن کی چھان بین کرے۔ زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھے۔ فطرت کے گہرے مطالعہ اور دقیقہ سنجی سے اپنی فطری صلاحیتوں میں اضافہ کرے۔ عبادات و فرائض و واجبات کے ساتھ ساتھ حقائق و معارف کا گہرا مطالعہ رکھتا ہو۔ جو شاعری انسان کو انسانیت کی طرف نہیں لے جاتی۔ اخلاق کو جلا عطا نہیں کرتی۔ وطنیت و قومیت کے جذبات پیدا نہیں کر سکتی۔ دماغی۔ عقلی۔ جسمانی اور روحانی اصلاح کی بجائے رذالت و ضلالت کے گڑھے میں دھکیل دیتی ہے اُسے شاعری کا نام دینا فنِ شاعری کی توہین ہے۔

خاک سار نے انھیں خیالات و تاثرات کو شاعری کا مدار المہام سمجھتے ہوئے شعر گوئی شروع کی اعانتِ یزدانی اور احباب کی مہربانی سے پہلا مجموعۂ کلام ۱۹۶۵ء عیسوی میں "فرشِ نظر" کے نام سے منظرِ عام پر آیا۔ اربابِ بصیرت و اہلِ نظر نے فرشِ نظر کو شرفِ نظر سمجھ کر جن الفاظ میں نوازا وہ زیرِ نظر مجموعہ میں ہدیۂ ناظرین ہے۔ جہاں ناقدانِ فن و قدر دانانِ سخن کی لامتناہی نوازشات نے اس زاویہ گیر فقیر حقیر کو سرفرازی عطا کی وہاں دوسرے مجموعہ کی اشاعت کے لئے جرأت بھی دلائی لیکن حالات ناموافق۔ ماحول ناخوش گوار۔ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ تہی دامنی اور مفلوک الحالی تو خیر سے قسامِ ازل نے ازل ہی سے اس کوتاہ نصیب کے حصے میں جلی حروف میں لکھ رکھی ہے۔ اس پر ستم یہ ٹوٹا کہ صحت بھی جواب دے گئی۔ دانت دانت دکھانے لگے۔ آنکھوں نے آنکھیں پھیریں۔ انتہا یہ کہ کان بھی سماعت کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھنے لگے۔ ذیل کی رباعی اس حالِ جبر و صبر کی شہادت پیش کر رہی ہے ؎

تقدیر نے پہلے تو بصارت چھینی
لاغر بدن میں تھی جو طاقت چھینی
اِس پر بھی نہ کم بخت کا ارماں نکلا
اب قہر یہ ڈھایا کہ سماعت چھینی

نہ علاج کا یارا نہ علاج کے سوا کوئی چارا۔ گو اس تباہ حالی میں حضرت معصوم پٹھان کوٹی جناب تعبیر امرتسری۔ اور چرن داس عاقل پنڈوروی نے مریض کی صحت یابی کے لئے لاکھ ہاتھ پاؤں مارے لیکن ؎

ماتھے کی نہ تحریر بدلتی دیکھی
منحوس گھڑی سر سے نہ ٹلتی دیکھی
قسمت سے رتن جب بھی بُرے دن آئے
تقدیر کی تدبیر نہ چلتی دیکھی

آخر تن بہ تقدیر زاویۂ خمول میں خاک نشینی کو اپنا شعار اور وظیفہ خوانی کو مونس و غم خوار بنا کر مطمئن ہو رہا۔

خدا کا حکم مقدّر کی موج - ۲۵ - مارچ ۱۹۶۶ء بروز جمعہ صبح ۸ بجے ناگہانی طور پر کسی غیبی ہاتھ نے جھنجھوڑ کر اٹھایا اور حوصلہ دلایا کہ اٹھو کمر ہمّت باندھو اپنا کلام اکٹھا کرو بس اب کیا تھا۔ کونے کھدرے چھان مارے۔ گرے پڑے کاغذات یک جا کر دیئے۔ دورانِ جستجو میں یہ دل خراش سانحہ چھاتی کا پتھر بن گیا کہ ایک بیاض مکمّل طور پر دیمک کا ناشتہ بن چکی ہے۔ قہر درویش بجان درویش۔ جو کچھ حاصل ہوتا گیا۔ رکھتا گیا۔ وراق پریشاں تو فراہم ہو گئے۔ لیکن اُن کی نقل کون کرے۔ آنکھیں ساتھ نہیں دیتیں۔ دیہاتی فضا۔ اُردو کشی کا دور۔ اس پر ناداری۔ ناچاری۔ بے کاری اور بے سرو سامانی۔ عجب کش مکش اور عجب مشکل کے عالم میں یہ شعر بار بار زبان پر آتا۔ ؎

میری مشکل دیکھ کر مشکل بھی خود مشکل میں ہے ۔۔۔ مشکلوں والے نے بخشی خوب یہ مشکل مجھے

دریائے حسرت و آلام میں ڈوب کر ابھرتا تو یہ رُباعی زبان پر آجاتی۔ ؎

پیروں سے پہاڑوں کو مسل دیتے ہیں
اُٹھتے ہوئے فتنوں کو کچل دیتے ہیں
جو لوگ ہیں دنیا میں رتن ہمّت والے
تدبیر سے تقدیر بدل دیتے ہیں

اس رباعی کا مضمون جلتی پر تیل کا کام کر جاتا۔ آتشِ آرزو اور بھی شعلہ زن ہو اُٹھتی اور یہ مریضِ ناتواں باوجود آشوبِ چشم و ضعفِ بصارت کے لکھنا شروع کر دیتا۔ لیکن تابہ کے۔ ناچار کئی کئی مہینے پھر منقارِ زیرِ پر رہنے پر مجبور ہو جاتا۔ جب ہوش میں آتا تو یہ شعر پڑھتا ہوا قلم سنبھالتا۔ ؎

ایک دن آباد ہو کر میں دکھا دوں گا تجھے
جس قدر برباد کر سکتی ہے اے تقدیر کر

اس طرح اپنی قسمت سے جنگ آزمائی اور اپنی منزلِ مقصود کی راہ پیمائی کرتا ہوا افتاں و خیزاں پورے ساڑھے پانچ سال میں سرِ منزل پہنچ گیا۔

اب فکر یہ دامن گیر ہوئی کہ طباعت کا مرحلہ کس طرح طے ہو۔ مفلوک الحالی۔

تہی دامنی۔ گوشہ گیری۔ نہ جان نہ پہچان۔ نہ تجربہ نہ سلیقہ۔ آخر انتہائی یاس کے عالم میں یہ شعر پڑھتے ہوئے ؎

ہوتی ہے پہلے دیکھئے کس کو چتا نصیب
آئی ہے میرے ساتھ مری بےکسی کی لاش

اپنی بیاض مہربانِ قدیم۔ عزیز وا فر تمیز حضرت راجندر ناتھ رہبر پٹھان کوٹی کے پُر اُمید ہاتھوں میں سونپ دی کیوں کہ "فرش نظر" کی کتابت و طباعت بھی اسی بے نظیر ہستی کی مرہونِ منت ہے۔ انھوں نے حضرت سورج تنویر جنرل سیکریٹری انجمن ترقی اُردو پنجاب کے درِ فیض اثر تک پہنچا دی۔ خدا کی قدرتِ بالغہ کہئے یا حکمتِ فاضلہ کہ ہر دو حضرات اِس بےکس و بے یار کے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے۔ انھوں نے بیاض کی طباعت و کتابت اپنی کفالت میں لے کر دہلی سے اُسے شائع کیا۔ جو ناظرین کے پیشِ نظر ہے۔ یہ خدا جانے یا ناظرینِ باتمکین کہ ہیچمدان اپنی کوشش میں کہاں تک کامیاب ہُوا۔ بہرکیف اِس فقیر گوشہ گیر کو اپنی خام کاری۔ علمی و فنی بے بضاعتی اور سہوِ بشری جو طینتِ انسان میں مُخمر ہے سے ہدفِ سہامِ ملام ہونے کا اندیشہ ضرور ہے اس لئے التماس ہے کہ اربابِ نقد و نظر بموجب "استر ستر اللہ علیک" اس سراپا خطا کی خطاپوشی فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔ والسلام۔

خاک نشین

رتن پنڈوروی

سری ہرگوبندپور

(ضلع گورداس پور)

رتن صاحب کی تصنیفات کی فہرست

مطبوعہ

(۱) بہشتِ نظر :- یہ دوسرا دیوان ہے اور ناظرین کے ہاتھوں میں ہے

(۲) گلشنِ اُردو :- ۱۹۷۱ء میں میسرز راج کمار کھلر اینڈ سنز - سندر محل شملہ نے شائع کی۔ ہماچل پردیش کے ہائر سیکنڈری اسکولوں کے اُردو خواں طلباء کی خضرِ طریق اور مشکل کشا ہے۔ سات سو صفحات کی یہ ضخیم کتاب اُردو سے متعلق ایجوکیشن بورڈ کے سلیبس کے ماتحت ہر قسم کی واقفیت بہم پہنچاتی ہے۔ گرائمر۔ نظم و نثر کے اقسام۔ معانی مطالب کی ادائیگی۔ تصحیح اغلاط۔ انشاپردازی۔ مضامین کے نمونے۔ محاورات و تلمیحات کا ذخیرہ دیا گیا ہے۔ مثالیں اساتذہ کے اشعار سے دی گئی ہیں۔

(۳) لطائفِ الادب :- ۱۹۷۰ء میں مدیر ماہنامہ رہنمائے تعلیم دہلی کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔ اس میں داغ دہلوی سے لے کر دورِ حاضر تک کے شعراء سے متعلق ادبی لطیفے جمع کئے گئے ہیں۔ ہر لطیفے میں ادب و فن۔ تحقیقِ زبان۔ محاورات۔ حاضر جوابی۔ بدیع گوئی اور عروض کے وہ نکات بیان کئے گئے ہیں جن سے ہر مبتدی و منتہی استفادہ کر سکتا ہے۔

(۴) فرشِ نظر :- پہلا دیوان جو دلکش نظمیات۔ رُوح پرور غزلیات اور کیف آور رباعیات کا نادر مجموعہ ہے۔ ناظرین کو ہر قدم پر میر کا درد۔ داغ کی زبان اور امیر مینائی کا تخیل یک جا ملے گا۔ ۱۹۶۵ء میں نندہ پبلیکیشنز پٹھانکوٹ نے شائع کی۔

(۵) نورتن :- کتب خانہ انجمنِ ترقی اُردو دہلی سے ۱۹۵۳ء میں چھپی اس میں نو ادبی۔ فنی۔ تحقیقی اور تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ ہر مضمون میں اس قدر شرح و بسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے کہ ہر مقالہ بجائے

خود ایک کتاب معلوم ہوتا ہے یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے اردو امتحان ادیب کے نصاب میں کئی سال شامل رہ چکی ہے۔

(۶) **دستور القواعد اردو:-** اردو گرامر کی ضخیم کتاب۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں کرشنا بک ڈپو موہن لال روڈ لاہور سے چھپی۔ اس میں طلبا کی دلچسپی کے لیے اساتذہ کے کلام سے مثالیں اشعار میں دی گئی ہیں۔ دسویں جماعت کے علاوہ کالج کے اردو خواں طلبا اور ادیب فاضل کے امیدواروں کے لئے لاثانی تحفہ تھی۔

(۷) **پیغام اصلاح دیہات:-** دیہات سدھار سے متعلق منظوم کتاب خواجہ عزیز الدین احمد ڈسٹرکٹ انسپکٹر سکولز گورداسپور کے ارشاد کی تعمیل میں لکھی اور سنہ ۱۹۳۲ء میں طبع ہوئی چار سو صفحات کی ضخیم کتاب ہے۔

(۸) **رہنمائے ادب:-** میٹرک کے طلباء کے لئے سنہ ۱۹۴۰ء میں کرشنا بک ڈپو موہن لال روڈ لاہور سے شائع ہوئی۔ اردو کی درس و تدریس کا درست طریق نثر و نظم کے اقسام۔ مطالب و معانی۔ انشا پردازی۔ مضامین کے نمونے۔ امتحانی سوالات کے جوابات کا درست طریق قواعد اردو غرض کہ اردو پڑھنے پڑھانے کے لئے ہر قسم کا سواد جمع کیا گیا تھا۔ طلباء کے علاوہ اساتذہ کی محبوب خاص اور صحیح رہنما تھی۔

(۹) **معاون الادب:-** میٹرک کے طلبا کے لئے ۱۹۴۵ء میں بمقام قادیاں چھپی۔ اس میں فارسی قواعد کے ساتھ ساتھ عربی و فارسی الفاظ کی جمع کے طریق سمجھائے گئے ہیں اور ہزاروں الفاظ کا صحیح تلفظ بتا کر ان کے معنی اور جمع درج کی گئی ہے۔ فارسی پڑھانے والے اساتذہ کے لئے ایک زندہ ساتھی اور غم گسار تھی۔

(۱۰) **بہار حساب:-** مڈل اسکولوں کے لئے ۱۹۲۶ء میں ملک راج آف بٹالہ نے شائع کی۔ اس میں حساب کے معنی خیز فارمولے اور پیچیدہ سوالات کو حل کرنے کے آسان طریقے درج تھے۔ محکمہ تعلیم کے منظور شدہ کورس کے مطابق ہر طریقے کے سوالات کا ذخیرہ موجود تھا۔

طلباء اور اساتذہ دونوں کے لئے حقیقی رہنما تھی طلباء تو اِسے حرزِ جان بنائے رہتے تھے۔

(۱۱) **گلزارِ حساب:** پرائمری اسکولوں کے لئے ۱۹۲۷ء میں ملک راج دگّل آف بٹالہ نے شائع کی۔ یہ کتاب پرائمری کے بچوں کے لئے خضرِ طریق کامیابی کا ضامن اور حساب کی تعلیم میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتی تھی۔

غیر مطبوعہ

(۱) **مضامینِ رتن:**۔ اس میں ادبی۔ فنّی۔ تاریخی۔ علمی۔ تنقیدی اور تحقیقی مضامین کا ذخیرہ بھر دیا گیا ہے۔

(۲) **داستانِ ادب:**۔ اردو ادب کی مختصر مگر جامع تاریخ ہے پرانے تذکروں میں جو فرو گزاشتیں ہوئیں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۳) **شرحِ دیوانِ غالب:**۔ دیوانِ غالب کی بہترین شرح ہے۔

(۴) **تذکیر و تانیث:**۔ اردو میں تذکیر و تانیث کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ اس کتاب میں اس سے متعلق مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۵) **پیغامِ عمل:** قومی۔ مُلکی اور تعمیری نظموں کا مجموعہ جس کا ایک ایک شعر تیر و نشتر بن کر نوجوانانِ وطن کے دل میں اُترتا اور اُن کے خون کو گرماتا ہے۔ پرائم منسٹر شری لال بہادر شاستری مرحوم نے اِس کتاب کے مسودہ پر مصنف کو تین صد روپے عطا فرمائے۔ شری رام کشن سابق چیف منسٹر پنجاب نے دو صد روپے سے نوازا۔

(۶) **ہندی کے مسلمان شعراء:**۔ اس میں ہندی زبان کی تحقیق۔ مسلمان بھائیوں کا اُس

سے تعلق اور خدمت۔ مسلمان شعرائے ہندی کے سوانح حیات مع تصاویر دیے گئے ہیں۔ ایک ہزار صفحے کا ضخیم مسودہ ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے اِس کی اشاعت کا وعدہ فرمایا تھا مگر ان کی زندگی نے وفا نہ کی۔

(۷) **گرداب** : فارسی کلام جو دیمک کا ناشتہ بن گیا۔

(۸) **سرمایۂ بلاغت** :- حضرت راجندر ناتھ رہبر پٹھان کوٹی کے ایما سے لکھی دیکھئے وہ کب چھپواتے ہیں۔ اس کتاب کے ابواب کی تفصیل یوں ہے۔ ادب اردو کے مختلف ادوار میں لسانی تبدیلیاں اور عہد بعہد کے متروکات لفظی و معنوی۔ علم بیان۔ علم معانی۔ فصاحت و بلاغت۔ اصنافِ سخن۔ محاسنِ سخن۔ معائبِ سخن۔ فنِ عروض۔ اس کی تیاری میں انتہائی تحقیق و تجسس کدو کاوش اور عرق ریزی کی گئی ہے۔

(۹) **گنجِ ادب** :- ادیب فاضل کے امیدواروں کے استفادہ کی خاطر مرتب کی۔

(۱۰) **کلیدِ ادب** :- امیدوارانِ امتحان منشی فاضل کی رہنمائی کے لئے لکھی۔

(۱۱) **مقالاتِ فارسی** :- فارسی مضامین کا مجموعہ جو منشی فاضل کے امیدواروں کے لئے مفید ہے۔

(۱۲) **کلیدِ ترجمہ فارسی** :- امتحانات فارسی کے امیدواروں کے لئے ترجمہ کی کتاب۔

نوازشات

پہلے مجموعۂ کلام "فرشِ نظر" کے

متعلق آراۓ گرامی

اعتبار الملک قبلہ اُستاذی حضرت دل شاہ جہان پوری (مرحوم)

میرے حلقۂ احباب میں جو لوگ مجھ سے مشورۂ سخن کرتے ہیں قریب پانچ سو کے ہوں گے۔ اِس فہرست میں خصوصیت کے ساتھ آپ کا نام ہے۔ آپ کا خلوص اور آپ کی شیوا بیانی آپ کے روشن مستقبل کی دلیل ہے۔

حضرت جگؔر بریلوی

جو پاکیزگی اور بلند خیالی آپ کے یہاں ہے اُردو غزل میں کم یاب ہے زبانی و خیالی تصوف اور عشقِ حقیقی کی کمی نہیں۔ اس زندگی کے تجربات اور اُس تلب کی واردات جو اِن راہوں میں صرف ہوں شاذ ہی کہیں نظر آتے ہیں آپ کے کلام میں یہی چیز ملتی ہے۔

علاّمہ منوّر لکھنوی

رتن پنڈوروی کی شاعری سچّی شاعری ہے۔ ضلع گورداس پور کے ایک گاؤں کا یہ سادہ سرشت انسان اپنے دل و دماغ میں نہ جانے کتنی وسعتیں اور گہرائیاں لے کر پیدا ہوا ہے۔ جس کی زندگی ایک تپسیا ہے۔ جو علم اور ادب کا ایک دیوانۂ عظیم ہے۔ جس نے اکتساب فن کے لئے اپنے اس گراں قیمت چولے کو کس کس طرح تپایا ہے یہ اس کی خود نوشت سوانح عمری بتائے گی۔ رتن میں ہمارے مقدس ترین قدیم رشیوں کا خلوص اور پاکیزگی ہے۔ اس نے علم و فن کی انتہائی معراج پر پہنچنے کے لئے کیا کچھ کر نہیں دکھایا ہے ایسا مضبوط اور آہنیں ارادے والا انسان جب شعر گوئی کے میدان میں قدم رکھے گا تو وہاں بھی اُس کی مشق و مزاولت

ایک یوگی کی سدھی کا درجہ یقیناً حاصل کرے گی۔ اور رتن پنڈوروی کی "فرشِ نظر" سے یہ حقیقت ہمارے سامنے اور بھی زیادہ روشن ہو گئی ہے۔

"فرشِ نظر" جیسا کہ میں نے اپنی ایک نظم میں کہا ہے خدا کی دین ہے جوان کے ریاض اور ان کی تپسیا کا پھل ہے۔ فرشِ نظر جہاں ایک طرف جذبات نگاری کا مرقع ہے وہاں اِس میں فن اپنے پورے شباب پر نظر آتا ہے زبان اور بیان کے معاملے میں وہ بڑی دسترس رکھتے ہیں۔

یہ الفاظ میں کسی پاس داری کے خیال سے نہیں لکھ رہا ہوں۔ یہ ہیں میرے آزادانہ تاثرات اپنی گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کے عالم میں بھی یہ جوگی شاعر خود بھی کمال کی منزلیں طے کرتا رہا ہے اور دوسروں کے لیے شمعِ ہدایت کا کام انجام دیتا رہا ہے۔ اور اسی لیئے میں فرشِ نظر کو رتن پنڈوروی کے کمالِ سخن کا ایک بہترین نمونہ سمجھتا ہوں۔ انھوں نے فنِ عروض پر بھی عبور حاصل کیا ہے اور علم معنی و بیان کا کثرت سے مطالعہ کیا ہے۔ وہ اُردو کے فاضل تو ہیں ہی۔ فارسی اور عربی سے بھی واقف ہیں۔ فنِ شعر گوئی کو فن کی طرح سمجھا اور سیکھا ہے۔ اور اسی لیئے ایک طرف حضرت دل شاہ جہان پوری اُن کے خضرِ راہ ہیں تو دوسری طرف ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی نے اُن کے لیئے جادہ نمائی کی ہے حضرت جوش سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر انھوں نے عجب انداز سے کیا ہے۔ وہ انھیں کا حصہ ہے۔ مرشد پرستی اصل میں اسے کہتے ہیں جس کی اہمیت سے فی زمانا اکثر شعرا محض نابلد ہیں۔ اس زمانے کی بدلی ہوئی قدروں یعنی نام نہاد ترقی پسندانہ خیالات سے ان کی شاعری کو کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ ان کی کمزوری کی علامت نہیں۔ یہ اُن کے استقامت کی اُن کے عزم کی دلیل ہے۔ وہ شہرت حاصل کرنے کے لیئے کلام کا رنگ نہیں بدلتے وہ معتقدات کے قائل ہیں اور ان کے معتقدات ہی ان کے اشعار میں کار فرما نظر آتے ہیں ہو سکتا ہے کہیں کہیں ان کی شاعری میں روایت کو دخل ہو گیا ہو لیکن روایت سے اپنا دامن بچا کون سکا ہے۔ روایت کو بھی حقیقت کی طرح ہماری زندگی میں ایک خاص جگہ حاصل ہے۔ اس کو نظر انداز بھی کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ فرشِ نظر میں طبع سلیم کے مطالعہ کے لیئے تو بہت کافی مواد مل جائے گا۔ میں نے جس قدر اسے پڑھا ہے اس سے کافی متاثر ہوا ہوں۔ اور حضرت رتن ایسے بے لاگ سادہ طبیعت اور معصوم شاعر کو اُن کی اس تخلیق پر مبارکباد دیتا ہوں۔ اس موقع پر میرے کچھ تاثرات نظم کی شکل میں ظاہر ہو گئے ہیں میں وہ رتن صاحب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ مجھ سے وہ بڑی محبت کرتے ہیں اور مجھے غیر ضروری طور پر بڑی اہمیت بھی دیتے ہیں اِس کے لئے میں ان کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ وہ اگر میری ان بے تصنع سطور کو قبول کر لیں تو میں خود کو خوش قسمت سمجھوں گا۔ یہ اس لیئے کہ میں رتن صاحب کو صرف شاعر

نہیں سمجھتا ان کو ایک یوگی ایک رشی سمجھتا ہوں۔ ۵

شاعری جانِ فرشِ نظر ہے
روحِ ایمانِ فرشِ نظر ہے
لعل و جوہر کی تابندگی سے
ساز و سامانِ فرشِ نظر ہے
حور و غلماں کی پلکوں کا سایہ
فرشِ دامانِ فرشِ نظر ہے
ہے رتن کے نگینوں کی تابش
کیا یہ کم شانِ فرشِ نظر ہے
عرش پیما ہیں اس کی نگاہیں
جس کو ارمانِ فرشِ نظر ہے
اس کی چشمِ بصیرت کے صدقے
دل جو قربانِ فرشِ نظر ہے
ذوق اس کا ہے اعلیٰ منوّرؔ
جو بھی خواہانِ فرشِ نظر ہے

(۲)

شعر فہمی ہے شرط اس کے لیے
دادِ فرشِ نظر کوئی کیا دے
کارنامہ یہ اُس رتن کا ہے
اِک جو اُستاد اپنے فن کا ہے
اُف رے اس کی زبان کا اسلوب
اف رے اس کے بیان کا اسلوب
اہلِ فن کے ہیں جس پہ لاکھوں صاد
جس کی دیتے ہیں دینے والے داد
نازل اس پر خبر ہوئی ہو گی
یہ ہے پنڈوری کا کوئی جوگی
زندگی جس کی اک ریاضت ہے
زندگی جس کی اِک عبادت ہے
حوصلے جس کے پاؤں پڑتے ہیں
ولولے ایڑیاں رگڑتے ہیں
افضلوں کی نظر میں افضل ہے
جس میں انسانیت مکمل ہے
جس کے دل میں خروشِ اُلفت ہے
جس کے سینے میں جوشِ اُلفت ہے
سادگی جس میں دیوتاؤں کی
زندگی دین ہے بلاؤں کی
ایسا خدمت گزارِ علم ہے کون
اس قدر جاں نثارِ علم ہے کون
ہر روش سے کمال پیکر ہے
نورِ باطن سے جو منوّر ہے
اس کی فرشِ نظر کا کیا کہنا
سیلِ خونِ جگر کا کیا کہنا

شاعری میں ہے سحر گستر بھی
اس کا مدّاح ہے منوّرؔ بھی

بشیشور پرشاد منوّرؔ (دہلی) ۶۵-۵-۳۰

۳

بڑا بے بہا ہے دفینہ رتن کا	کہ ہر شعر ہے اِک نگینہ رتن کا
بہت کم میسّر ہُوا ہے شاعروں کو	سخن میں ہے جیسا قرینہ رتن کا
اِدھر شہ جہاں پور ہے اِن کا مکّہ	نکودر اُدھر ہے مدینہ رتن کا
روانی میں اپنی ہے یکتائے دوراں	طبیعت رتن کی سفینہ رتن کا
تجلّی نمودار ہر شعر سے ہے	ہے یہ طور سینا کا سینا رتن کا
پرکھنے کا جس کو سلیقہ نہیں ہے	خریدے گا کیا وہ خزینہ رتن کا
اِسے حاصِل زندگی کیوں نہ کہیے	مصیبت کا جینا ہے جینا رتن کا
شرابِ محبت میں ڈوبے ہُوئے ہیں	ہے اِس مے سے لبریز سینا رتن کا
ہیں یہ رندِ مشرب بڑے ظرف والے	سلیقے کا پینا ہے پینا رتن کا

منوّر ہے فانوس اگر ذات اِن کی

ہے فرشِ نظر آبگینہ رتن کا

بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی ۶۵-۵-۳۰

علامۂ دوراں ڈاکٹر عندلیب شادانی ایم۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی (لنڈن)

ڈھاکہ یونیورسٹی

فرشِ نظر کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ رتنؔ صاحب فقط نام کے رتن نہیں سچ مچ کے رتن ہیں اور پاک و ہند کی بعض ممتاز ادبی انجمنوں نے انھیں ممتاز الشعرا اور لسان الہند وغیرہ کے خطابات سے بے سبب نہیں نوازا۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر اور سنجیدہ نثر نگار ہیں۔ ان کی زندگی درسِ عبرت بھی ہے اور توسنِ ہمت کے لئے مہمیز بھی۔

رتن صاحب کم نامی اور شہرت کے ایک نادر الوجود دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ایک طرف وہ نظم و نثر کی بہت سی مفید اور قیمتی کتابوں کے مصنف اور تیس پینتیس خوش گو سخن وروں کے استاد ہیں اور دوسری طرف وہ "دنیا و مافیہا" سے بے نیاز۔ ازدواجی زندگی کے بندھنوں سے آزاد سری ہرگوبند پور کے غیر آباد مندر میں دریائے بیاس کے کنارے درویشانہ

زندگی گزار رہے ہیں۔

گمنامی کے غبار میں اٹے ہوئے اس جوہرِ قابل کا قدر شناس وہاں کون ہے۔ مگر آسمان پر کتنے ہی گھرے بادل چھائے ہوئے کیوں نہ ہوں بجلی جب کوندتی ہے تو دُنیا کی نظریں اسے دیکھنے پر مجبور ہو ہی جاتی ہیں۔ تہذیب و تمدن کی پر شور دُنیا سے الگ اور دور بسنے والے اس درویش حق پرست کا کلام جب ہمارے سامنے آتا ہے تو وہ بے اختیار ہمارا دامنِ دل تھام لیتا ہے۔

رتن صاحب کی شاعری کے خاص موضوع دو ہیں۔ تصوّف اور اخلاق۔ مگر ان کا تصوّف روایتی قسم کا نہیں وہ درحقیقت حُسنِ مطلق کے خریدار اور شاہدِ حقیقی کے پرستار ہیں اس میں شک نہیں کہ ہم جیسے بندگانِ مجاز کے لیے حقیقت کی تجلیوں کا عرفان بہت دشوار ہے پھر بھی آگ آگ ہی ہوتی ہے۔ کوئی شخص اس کی تپش اور آنچ کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کے دل کی تڑپ اور رُوح کا سوز و گداز ان کے اشعار میں اس طرح نمایاں ہے جس طرح آئینے میں صورت کا عکس۔ اشعار میں تاثیر کا پایا جانا اُن کے جذبۂ صادق کی دلیل ہے۔

رتن صاحب کے کلام کا ایک نمایاں وصف ہمواری ہے اس کے ساتھ ساتھ بندشوں کی چستی۔ الفاظ کا انتخاب۔ ترکیبوں کی استواری اور اندازِ بیان کی متانت حسنِ ادا کی ضامن ہے۔ خدا حسنِ قبول روزی کرے۔

عندلیب شادانی۔ ۱۰ رجون ۱۹۶۶ء ڈھاکہ۔

حضرت نوح ناروی (مرحوم)

ہندی۔ ہندی۔ ہندی۔ ہندی۔ اُردو۔ اُردو۔ اردو۔ اُردو۔ ان دونوں لفظوں کو چار چار مرتبہ اس باعث سے میں نے عنوان میں لکھا کہ آج کل چاروں جانب انھیں کا چرچا ہے ہندی والے چاہتے ہیں کہ اُردو یک قلم مٹادی جائے غریب اردو والے یہ چاہتے ہیں کہ اگر اسے ترقی کا موقع نہ دیا جائے تو کم سے کم قائم رکھنی چاہیئے۔

انھیں چند سال کی بات ہے کہ بمبئی تاج محل ہوٹل میں سروجنی نائیڈو صاحبہ نے چند خاص شعرا کی دعوت کی میرے علاوہ احسن مارہروی۔ سیماب اکبرآبادی۔ بسمل الہ آبادی وغیرہ شریک مشاعرہ ہوئے بعد دعوت کے بڑی دیر تک شعرخوانی ہوتی رہی سب نے دو دو تین تین

غزلیں سنائیں۔ میرے خیال میں یہ پہلا موقع تھا کہ یہاں مشاعرہ ہوا۔ اس وقت تو زبان کا کوئی قصّہ نہ تھا۔ اس لئے اس کے متعلق اُس وقت کوئی گفتگو نہ ہوسکی۔ لیکن دوسرے موقع پر جب وہ یو۔ پی میں گورنر ہوکر تشریف لائیں تو چوں کہ اُنھیں اُردو زبان میں دلچسپی تھی اِس لئے اُن کی آمد میں جناب امرناتھ صاحب جھا چانسلر یونی ورسٹی الہ آباد نے ان کی دعوت کی۔ انھوں نے فرمایا کہ مشاعرہ بھی ہو اور نوح صاحب اِسی ضلع کے رہنے والے ہیں۔ وہ ضرور بلوائے جائیں۔ چنانچہ میرے بلانے کو آدمی آیا اور میں شریک ہوا۔ چوں کہ وقتی مشاعرہ تھا اس سبب سے کوئی خاص طرح نہ تھی اور مقامی شعراسب نے غیر طرحی غزلیں پڑھیں۔ مگر میں نے غزل کی جگہ اُردو کی فریاد یعنی نظم سُنائی۔ نظم بڑی توجہ اور نہایت غور سے سُن کر فرمایا کہ کیا آپ سمجھتے ہیں اُردو مٹ جائے گی۔ اُردو ہرگز نہیں مٹ سکتی۔ دفتروں سے حکومت خارج کردے۔ مگر ہر شہر، ہر قصبہ، ہر گاؤں، ہر گھر سے کون اس مادری زبان کو نکال سکتا ہے۔ مہاتما گاندھی آں جہانی نے بھی سختی سے کبھی مخالفت نہیں کی۔ سر تیج بہادر سپرو نے تو کھُلم کھُلا اس کی حمایت فرمائی۔ اور ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ جو لوگ اُردو کو صرف مسلمانوں کی زبان سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں یہ زبان ہندو مسلم دونوں کی مشترکہ ہے اس میں شک نہیں اردو زبان میں بہت سے ہندو صاحبان ایسے گزرے جنھیں دنیائے ادب نہیں بھول سکتی ہرگوپال تفتہ شاگرد غالب پنڈت رتن ناتھ سرشار لکھنوی۔ گل زار نسیم کے مصنف پنڈت دیا شنکر نسیم پنڈت امرناتھ صاحب ساحر دہلوی ان ناموں کے علاوہ بہت سے نام پیش کئے جا سکتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو نے رُوح ادب کے نام سے الہ آباد میں اُردو کی ایک انجمن قائم کی اور اپنی زندگی میں ہر مہینہ طرحی مشاعرہ کرتے رہے۔ ان گذشتہ باتوں کو جانے دیجیے اب اس زمانے میں ایک ایسے شخص کو میں پیش کروں گا جو اُردو کا ایک نوجوان شاعر ہے اور مسلمان نہیں ہندو ہے اور ہندو ہی کا شاگرد بھی ہے۔ رتن ہندی ہے اور یہ جواہر کی ایک قسم ہے اور اس کی عظمت نام سے ظاہر ہوتی ہے۔ سنا تھا اور کتابوں میں دیکھا تھا کہ اکبر اعظم کے نو وزیر تھے جو نو رتن کہے جاتے تھے۔ اب پنڈوری ضلع گورداسپور سے بھی ایک رتن نمایاں ہُوا۔

یہ رتن ۷۔ جولائی ۱۹۰۷ء کو ایک غریب اور کم مایہ مگر قانع وصابر برہمن پنڈت متھرا داس کھٹ شاستری کے گھر بمقام پنڈوری ضلع گورداس پور پیدا ہوئے فاقوں کی سختیاں جھیل کر فارسی مڈل تک ایک اسکول میں تعلیم حاصل کی پھر نارمل سکول گورداسپور میں نارمل پاس کرکے پرائمری سکول میں مدرس مقرر ہوگئے۔ اس نوکری کے سلسلے میں فارسی اور

اُردو کے امتحان منشی فاضل ۔ ادیب فاضل بجے کے طور پر پاس کئے ۔ امتحان کی تیاری کے لئے حضرت شاداں بلگرامی مرحوم و ابو الفصاحت جناب جوش ملسیانی کی تعلیمی امداد کے علاوہ کتب اور زر نقد سے پروفیسر کالیہ صاحب مدد فرماتے رہے ۔

شاعری کا شوق آٹھویں جماعت ہی سے پیدا ہو گیا تھا تعجب ہے کہ یہ پہلا شعر ان کی زبان سے موزوں اور با معنی نکلا ۔ ؎

اے بشر کس ہستیٔ باطل پہ تجھ کو ناز ہے ہے عدم انجام اس کا اور فنا آغاز ہے

پہلے انھوں نے اعتبار الملک جناب دل شاہ جہاں پوری مرحوم سے اصلاح لی پھر ابو الفصاحت جناب جوش ملسیانی سے اصلاح لینے لگے ۔

ان کے اوصاف اتنے ہی میں ختم نہیں ہوئے ۔ انھوں نے کئی کتابیں دستور القواعد جو اُردو صرف و نحو کی انتہائی مفید کتاب ہے ۔ نورتن مجموعہ مضامین ادبیہ پنجاب یونی ورسٹی کے امتحان ادیب کے نصاب میں شامل ہے ۔ گل زارِ حساب بہارِ حساب ۔ معاون الادب ۔ کلید ادب لکھی ہیں اور سب طبع ہو چکی ہیں ۔ داستان ادب ۔ پیغام عمل ۔ لطائف الادب ہندی کے مسلمان شعرا یہ کتابیں ابھی شائع نہیں ہوئیں ۔ فی الحال اُردو کا کلام موسوم بہ "فرش نظر" چھپوا رہے ہیں جس کے متعلق میں یہ مضمون لکھ رہا ہوں ۔

رتن صاحب نے اُردو کلام کے علاوہ فارسی ۔ ہندی ۔ سنسکرت ۔ پنجابی اور جیوتش میں بھی دست رس حاصل کی ہے ۔ اگرچہ اب تک مجھ سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی لیکن ملاقات سے بڑھ کر یہ جاننا ہے کہ یہ میرے استاد بھائی ابو الفصاحت جناب جوش ملسیانی کے شاگرد رشید ہیں اور ایک وجہ شناسائی کی اور بھی ہے کہ رسالہ ماہ نامہ رہنمائے تعلیم دہلی میں سر ورق پر ہر مہینہ میرے نام کے ساتھ ان کا نام بھی اور لوگوں کے نام کی طرح چھپتا رہتا ہے ۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ غزل کے علاوہ یہ نظمیں بھی کہتے ہیں نظموں کا میں مخالف نہیں لیکن یہ ضرور کہنے پر مجبور ہوں کہ جو خاص بات غزل کے ایک شعر میں ہوتی ہے وہ پوری نظم میں نہیں ہوتی میری موجودگی میں مولانا شبلی نعمانی سید اکبر حسین صاحب الہ آبادی جیسی بزرگ اور تجربہ کار ہستیوں نے اس سے اتفاق کیا ۔

بہت ممکن ہے ناظرین کہیں کہ دُنیا بھر کی تو باتیں لکھ دیں مگر مثال میں کچھ اشعار نہ لکھ دیئے ۔ کہ جس سے جھوٹ سچ کا اندازہ ہوتا لہٰذا لکھتا ہوں ۔ ؎

سفر کیسا کہاں کا شوقِ منزل کسی کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں

جب معشوق کا نقشِ پا مل گیا تو منزل اور سفر کی حاجت نہ رہی کیوں کہ دونوں کی ضرورت کسی کے نقشِ پا کے ملنے تک تھی اگرچہ الفاظ معمولی ہیں لیکن معنی کے اعتبار سے شعر بہت بلند ہے۔

راز ہستی سے بے خبر دل ہے　　　　موت ہی زندگی کا ساحل ہے

اگرچہ کوئی انسان سو برس تک زندہ رہے مگر وہ نہیں جان سکتا کہ کب تک میں زندہ رہونگا یہ جانتے ہوئے کہ موت زندگی کا نتیجہ ہے مگر وہ اس اپنی ہستی سے واقف نہیں کتنا اچھا شعر ہے۔

ایسی وارفتگی کو کیا کہیئے　　　　سرِ منزل تلاشِ منزل ہے

وارفتگی کی حد ہوگئی کہ منزل پر پہنچ گئے مگر منزل کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ اس سے بہتر وارفتگی کی مثال ممکن نہیں۔ بہت اچھا شعر ہے۔

کوئی پرساں نہیں مصیبت میں　　　　موت کو بھی بلاکے دیکھ لیا

اس زمین میں حضرت داغ کی بھی غزل ہے اُن کے شاگرد کا اُن کی غزل پر لکھنا مناسب نہیں لیکن اس میں کلام نہیں کہ شعر بہت اچھا ہے۔

قلم کا چاک ہے سینہ شروعِ عنواں میں　　　　یہ اہتمام ہیں تشریحِ داستاں کے لئے

قلم میں جب تک شگاف یعنی چاک نہ ہوگا وہ کچھ نہیں لکھ سکتا۔ علاوہ اس کے قلم کا سینہ چاک ہونا معمولی بات نہیں انتہائی مجروح ہونے کی علامت ہے شروع ہی میں قلم جب سینہ چاک ہوگیا تو تحریر داستان ناممکن

عشق کیا ہے حسن کی تصویر ہے　　　　حسن کیا ہے عشق کی تقدیر ہے

پہلے ہی مصرع سے دوسرا مصرع پیدا ہوگیا اگرچہ سرسری نگاہ میں یہ شعر کچھ نہیں مگر میرے خیال میں قابلِ قدر ہے دونوں مصرعے یکساں ہیں اور یہی کمال ہے۔

آپ اپنی تلاش کرتا ہوں　　　　اس طرح دم خدا کا بھرتا ہوں

یہ شعر بہت بلند ہے یعنی خدا ہر شے میں موجود ہے جب مجھے اپنی ہستی کا پتہ چل جائے گا تو خدا کا ملنا مشکل نہیں علاوہ اس کے یہ بھی معنی ہیں کہ اپنی تلاش ایک قسم سے خدا کا دم بھرنا ہے۔

ہستی و مرگ میں کچھ فرق نہ دیکھا میں نے　　　　اپنے ہی گھر سے چلا اپنے ہی گھر تک پہنچا

دوسرے مصرع کی جس قدر داد دی جائے وہ کم ہے پہلا مصرع بھی غنیمت ہے۔

شعر تو ابھی بہت سے ایسے ہیں جو پیش کئے جائیں اور جن کو دیکھ کر اہلِ کمال صدقِ دل

سے سراہیں میرا دل بھی یہی چاہتا تھا کہ اور اشعار پر نظر ڈالوں مگر ابھی رباعیات اور منظومات یعنی مختصر اور طولانی نظمیں ہیں اس لئے اور اشعار کے متعلق پھر دیکھا جائے گا۔ یار باقی صحبت باقی۔

دنیا میں رہو شانِ محبت بن کر	محفل میں رہو عین صداقت بن کر
راحت کی تمنا ہے اگر دل میں رتن	چھا جاؤ مصیبت پہ مصیبت بن کر

کیا اچھے الفاظ ہیں اور کیا خوب چاروں مصرعوں کا مفہوم ہے جب تک مصیبت پر مصیبت نہ ہوں گی راحت کا ملنا محال ہے۔

معدوم ہوں گو پھر بھی ہویدا ہوں میں	ہر شکل میں ہر شان میں پیدا ہوں میں
دُنیا میں مرا عشق نرالا ٹھہرا	اپنے پہ رتن آپ ہی شیدا ہوں میں

اوّل تو قوافی کی خوبی پھر لوگ اوروں پر عاشق ہوتے ہیں۔ مگر رتن اپنی ذاتِ خاص کے شیدائی ہیں۔ یوں اپنا عشق نرالا ظاہر کیا گیا ہے۔

مجھے حیرت ہو گئی جب میں نے نعت شریف میں اشعار دیکھے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں مذہبوں کا احترام کرتے ہیں اور جو شخص جس مرتبہ کا ہے اس کا احترام ان کے دل میں ہے۔

بحرِ عدن میں لاکھ ہوں لوٹے شاہ وار	کچھ رنگ رُوپ اور ہے دُرِّ یتیم کا
حسنِ ازل نے بھی شہِ والا کی داد دی	اعجاز جب عیاں ہوا ماہِ دو نیم کا
وحدت کو ناز کیوں نہ ہوا احمد کی ذات پر	سمجھایا جس نے راز الف لام میم کا

اور باتوں کو جانے دو مجھے اس بات کو دیکھنا اور غور کرنا ہے کہ ایک ہندو کی معلومات کہاں تک ہیں۔ دُرِّ یتیم حضور کو کہنا کس قدر حسب حال ہے۔ کیوں کہ حضرت عبد اللہ جناب کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ یتیم آپ تھے ہی۔ دُر کا استعارہ شعرا لوگ یتیم سے کرتے ہیں۔ ماہ دو نیم کے واقعہ سے بھی رتن صاحب کو واقفیت ہے۔ الف لام میم کا قافیہ کس حسن سے نظم ہوا ہے۔ قرآن پاک میں بعد الحمد کے یہی پارہ ہے معنی و مطالب سے مطلب نہیں لیکن اشعار میں الفاظ کس قدر خوب صورت اور چست ہیں۔

گرانی

وبالِ جاں یہاں تک ہے گرانی	کہ سستی ہو رہی ہے نیم جانی

گرانی اور نایابی نے مارا کہو اہلِ جہاں کو آں جہانی
چراغِ زندگی بجھنے لگا ہے ہوئی ہے تیل کی اتنی گرانی
نمک نایاب چینی بھی ہے کم یاب بہت پھیکی ہوئی ہے زندگانی

وبالِ جاں گرانی کا ہونا اور نیم جانی کا سستا ہونا پھر دوسرے شعر میں اہلِ جہاں کو آں جہانی کہنا پھر تیسرے شعر میں تیل نہ ملنے سے چراغ اور پھر چراغِ زندگی کا بجھنا۔ نمک اور چینی پر ذائقہ موقوف ہے لیکن ان دونوں کے نہ ملنے سے زندگی پھیکی ہے۔ غرض یہ سب باتیں قابلِ داد ہیں۔

برسات پر ایک طویل مخمس ہے میں صرف پہلا بند لکھتا ہوں ہ

چل پڑی ہے پھر ہوا برسات کی پھر ہوئی ہے ابتدا برسات کی
ہر طرف پھیلی ضیا برسات کی کوئی دیکھے تو ادا برسات کی
جھوم کر اُٹھی گھٹا برسات کی

مخمس ہو یا مسدس دونوں میں ربط اور روانی دیکھی جاتی ہے یہ دونوں باتیں اس مخمس میں موجود ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ داد نہ دی جائے۔

مہاتما گاندھی کا ماتم دُنیا نے منایا یہ کیوں نہ مناتے مجھے دو بند مسدس کے نظر آئے انھیں نظر انداز کرنے کو جی نہیں چاہتا۔ ایک بند لکھ کر داد دیتا ہوں۔

آہ یوں تقدیر پھوٹی ہاتھ خالی رہ گئے چل بسا حاتم کھڑے در پر سوالی رہ گئے
فصلِ گُل رخصت ہوئی مایوس مالی رہ گئے چل دیا قیصر تو سُونے قصر عالی رہ گئے
آہ تیرے ہجر میں ہندوستاں روتا ہے آج
ہند کا کیا ذکر ہے سارا جہاں روتا ہے آج

بعض اصحاب کو تو میں نے دیکھا کہ بیٹھے بیٹھے آسانی کے ساتھ مادۂ تاریخ نکال لیتے ہیں لیکن فی الحقیقت یہ اپنی جگہ کسی حد تک مشکل ہے جناب داغ کے ایک شاگرد ڈاکٹر مہدی حسن صاحب الم نے ایک کتاب گلبنِ تاریخ تصنیف کی جس میں دو ہزار تک کے الفاظ درج ہیں۔ یہ کتاب چھپ چکی ہے۔ مگر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ رتن صاحب کو تاریخ گوئی میں بھی دخل ہے۔ جتنی تاریخیں نکالیں وہ قابلِ تعریف ہیں۔ چند نمونے اُن کے اگر نہیں لکھتا تو میرا یہ مضمون ناتمام رہ جائے گا۔

وفات جگر مراد آبادی
آہ چھایا ہے جگر کی موت کا غم ہند میں
۱۹۶۰ء

وفات مولانا ابوالکلام آزاد
آہ باغِ ہند ویراں ہوگیا
۱۳۷۷ھ

یہ مادے سب قطعہ کی صورت میں ہیں جو درج نہیں کیے گئے۔
اِس وقت میری عمر ۸۵ سال کی ہے پہلی بار آنکھ کا آپریشن علی گڑھ ہسپتال میں ہوا مگر بصارت نہ آئی دوسری بار دوسری آنکھ کا اپریشن الہ آباد ہسپتال میں ہوا خدا کا شکر ہے کہ یہ کامیاب رہا بصارت کی طرف سے اطمینان ہے تو اب سماعت میں کمی ہو رہی ہے اس کو رو رہا ہوں۔ اِس عمر اور اس صورت میں کیا کوئی مضمون لکھوں لیکن رتن صاحب میرے استاد بھائی جناب جوش ملسیانی کے مقبول شاگرد ہیں اور میرے محترم حضرت دل شاہ جہان پوری کے عزیز ہیں اور علاوہ اس کے ان کی خاطر بھی مجھے منظور تھی لہذا اُن کے چند اشعار کے متعلق میں نے اظہار خیال کر دیا۔ فقط
نوح ناروی

جناب تلوک چند صاحب محروم

پنڈت رلا رام رتن پنڈوروی زندگی کی جن کڑی منزلوں سے گزرے ہیں اور جن مصائب کا مقابلہ کر کے انھوں نے اپنے علمی اور ادبی شوق کی تکمیل کی ہے وہ نہایت حیران کن اور حیرت خیز ہے وہ لکھتے ہیں۔ "لڑکپن میں افلاس کا یہ حال تھا کہ سولہ سولہ دن فاقوں کے کڑاکے سہہ کر درختوں اور پودوں کی کونپلوں اور پتوں پر گزارہ کیا۔ پرائیویٹ طور پر منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے۔ کتب خریدنے کی قدرت نہ ہونے کے سبب دور دراز کا سفر مختلف مقامات پر گھومتے ہوئے کیا جہاں بھی کسی مہربان کے پاس کسی کتاب کا پتہ چلا پیدل وہاں پہنچا۔ کتاب مستعار لی۔ گھر پر آ کر نقل کی اور پھر واپس کر دی۔"
اس تعارف کا راقم بھی ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا لیاقتی وظائف اور پرائیویٹ ٹیوشنوں پر گزارہ کرتے ہوئے اور گھر والوں کو کم سے کم تکلیف دیتے ہوئے ہائی سکول اور ٹریننگ کالج کے امتحانات سے نکلتا گیا۔ لیکن جو حالات رتن پنڈوروی کو پیش آئے انھیں دیکھ کر سوچتا ہوں کہ اگر میری بھی یہی حالت ہوتی تو نتیجہ کیا ہوتا۔ دل سے آواز آتی ہے۔ "تعلیم سے محرومی اور زندگی سے بیزاری"

مجھی پر کیا منحصر ہے ہزاروں بلکہ لاکھوں میں کوئی نوجوان اس دل گردے کا مالک ہوگا کہ جس نے تعلیم کی پیاس بجھانے کے لئے اس قدر ریاض سے کام لیا ہو۔ اسی ریاضت کا نتیجہ ہے کہ اس وقت رتن پنڈوروی ایک قابلِ قدر ادیب۔ مصنف اور شاعر کی حیثیت میں ہمارے سامنے موجود ہیں

اگر اُردو کا چراغ آخری ٹمٹماہٹ سے ہم کنار نہ ہوتا تو رتن صاحب کی تصنیف و تالیف سے بزمِ اُردو کی رونق میں نمایاں اضافہ ہوتا۔ کلید ادب۔ دستور القواعد۔ داستان ادب۔ مضامین رتن لطائف الادب۔ پیغام عمل اور نورتن جیسی دل چسپ اور مفید کتابیں کس مپرسی کے جزدانوں میں بند نہ پڑی رہتیں۔ شکر کا مقام ہے کہ آخر الذکر کتاب ادیب کے نصاب میں شامل ہے۔

شاعر کے طور پر رتن صاحب کی پہلی اور سب سے بڑی خصوصیت تو یہ ہے کہ وہ حضرت جوشؔ ملسیانی کے قابل ترین تلامذہ میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں اعتبار الملک حضرت دلؔ شاہجہان پوری مرحوم سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ شعر و شاعری سے قدرتی لگاؤ۔ شب و روز کی محنت۔ اور اصحاب علم و فضل کے مشورہ سے قابلِ تعریف امتیازی مقام پر پہنچ گئے ہیں۔

آپ نے جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ موضوعات میں ملکی تمدنی۔ تاریخی اور قدرتی مضامین بھی شامل ہیں۔ غزلیات اور رباعیات میں زیادہ تر تصوّف اور عرفان۔ فلسفۂ حیات اور عشقِ صادق پر زور دیا ہے۔ آپ کے مجوزہ مجموعہ کلام "فرشِ نظر" کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر کوشش میں کامیاب ہیں۔ منظومات کی ذیل میں ہر نظم رواں دواں۔ شستہ اور شگفتہ اندازِ بیان کی حامل ہونے کے علاوہ کار آمد اور سبق آموز بھی ہے۔ خوش فکری کے ساتھ خوش گوئی کا دامن بھی نہیں چھوٹا۔

نظم میں طوالت کے باعث اکثر تکرار کا عیب پیدا ہو جاتا ہے اس لئے نظم کہنے میں موضوع کا خیال رکھتے ہوئے طول کلامی سے بچنا چاہیئے اور خیالات کو اس قدر نہ پھیلانا چاہیئے کہ سمیٹنا مشکل ہو جائے رتن صاحب کو یہ گر معلوم ہے۔ گرونانک دیو کی نظم حسنِ بیان اور تاثیر میں ایسی دلکش ہے کہ بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ ماں کے عنوان سے ایک پُر شکوہ اور پاکیزہ نظم ہے جس کا ہر شعر لائق داد ہے۔ ہر موضوع سے مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن طوالت کے خوف سے مناسب یہی ہے کہ فیصلہ قاری کے ذوقِ سخن پر چھوڑ دیا جائے۔ البتہ غزلیات کے ساتھ انصاف نہ ہوگا۔ اگر چند اشعار کا حوالہ نہ دیا جائے۔ جیسا کہ اوپر کیا گیا ہے۔ رتن صاحب کی

غزلیات میں زیادہ تر اشعار تصوف اور عرفانِ حق پر ہیں۔ میں نہ تو صوفی ہوں نہ عارف کہ ان اشعار کی ماہیت کو پہنچ سکوں لیکن کون ہے جو اس قسم کی شاعری سے لطف اندوز نہیں ہوتا۔ رتن صاحب کہتے ہیں ؎

بیٹھا ہوں میں آپ اپنے دل میں ‏ ‏ بیگانہ کوئی مکیں نہیں ہے

چند سادہ الفاظ میں بہت بڑی بات کہہ دی ہے۔ مسئلہ تو غالباً وہی "ہمہ اوست" کا ہے لیکن طرزِ ادا نہایت خیال آفریں اور دل نشیں ہے۔

معاملات حسن و عشق سے غزل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ غزلیات رتن میں اس موضوع پر چبھتے ہوئے اشعار کی کمی نہیں مثلاً ؎

دل چُرا لیتی ہیں معصوم نگاہیں کیوں کر ‏ ‏ آج تک کوئی نہ اس راز کی تہ تک پہنچا

یہ شعر خود معصوم نگاہوں کی طرح دل میں گھر کرنے والا ہے ؎

جان کی بازی لگے ہاتھوں لگا کر دیکھ لوں ‏ ‏ دل تو پہلی ہی ادا میں ہاتھ سے جاتا رہا

جذبۂ شوق کے اظہار کے علاوہ زبان اور محاورہ کی خوبی داد طلب ہے۔

ایک رباعی بھی سن لیجیے ؎

دانے میں نہاں دام نظر آتا ہے ‏ ‏ آزاد بھی ناکام نظر آتا ہے
یہ کون سا عالم ہے کہ جس عالم میں ‏ ‏ آغاز بھی انجام نظر آتا ہے

اس تعارف کو اس امید پر ختم کرتا ہوں کہ جوہر شناسانِ سخن فرشِ نظر کی خاطر خواہ قدر کریں گے۔

تلوک چند محروم
۲۱۔ مارچ ۱۹۶۳ء

جناب علامہ منشی گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی

آپ کی نظموں کا تو دل پر اثر ہوا ہی لیکن آپ کے سوانح حیات نے اور بھی اثر کیا اور آپ سے شرفِ نیاز حاصل کرنے کا شوق دل میں پیدا ہوا۔ ایک تاریخ نکالی ہے شاید قبول ہو۔

قطعہ

طبع مسرور دل ہوا شاداں ‏ ‏ ہم نے دیکھا جو انتخاب رتن
پئے تاریخِ طبعِ "فرشِ نظر" ‏ ‏ لکھ دیا تین بار۔ باپ رتن

۶۵۵ × ۳
۱۹۶۵ء

ایک قطعہ تاریخ اور ملاحظہ فرمائیے۔

قطعہ

ہے کون شاعرِ مفلس جو ہے امیرِ سخن — کلام کس کا ہے پروردۂ قنوط و محن
اسی خیال میں تھا محوا مّن کل کی رات — صدا بہ غیب سے آئی رتن رتن ہے رتن

۱۹۶۵ء

جناب پروفیسر سیّد احتشام حسین ایم۔ اے

آپ نے اپنے حالات دل چسپ انداز میں لکھے ہیں جس سے اندازہ ہُوا کہ جو کچھ آپ پر گزری ہے شاعری اس کی عکاسی ہے۔ یہ بات مجھے نظموں سے زیادہ غزلوں میں نظر آئی کیوں کہ اُن میں نہ صرف حقائق ہیں بلکہ غزل کی رنگینی اور شاعری کا کیف بھی ہے۔

جناب پروفیسر آل احمد سرور ایم۔ اے

رتن صاحب کا شمار اُردو کے اُن اہم شعراء میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے اپنی شاعری سے زبان و ادب کی بہت خدمت کی ہے۔ انھوں نے دل شاہجہانپوری اور جوش ملسیانی جیسے شعرائے سے فیض حاصل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام کسی عیب یا سقم سے پاک ہے۔ اور قدیم رنگِ سخن کی اچھی اور قابلِ قدر مثال ہے۔

حضرت نجم آفندی (حیدر آباد)

آپ کے کلام کا مجموعہ "فرشِ نظر" مجھے ملا آپ نے اس کی اشاعت سے اُردو کی بقا اور ترقی کی جد وجہد میں ایک روشن اضافہ کیا ہے۔

زبان و بیان اور معانی و مطالب کے اعتبار سے ہر شعر آپ کی قوّتِ فکر و کہنہ مشقی کی دلیل ہے

حضرت عابد شاہجہانپوری جانشین حضرت دل شاہجہانپوری

جناب رتن پنڈوروی ملک کے ایک بلند پایہ شاعر اور نامور ادیب ہیں۔ آپ کو

استاد مرحوم اعتبار الملک حضرت دل سے شرفِ تلمذ حاصل ہے آپ میرے عزیز دوست بھی ہیں اور عزیز خواجہ تاش بھی۔ آپ کی پہلی غزل جب استاد کی خدمت میں آئی تھی اُس کو دیکھ کر میں نے برجستہ یہ کہا تھا کہ رتن صاحب کا مستقبل بہت تابناک ہوگا۔ خوش ہوں کہ میری پیشگوئی صحیح ثابت ہوئی رتن صاحب کا دیوان فرشِ نظر امرت سر سے شائع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکا ہے میں ایک مدت سے صاحبِ فراش ہوں اور چلنے پھرنے سے معذور ایسے ماحول میں کوئی تفصیلی رائے پیش کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ اس لئے مختصر رائے پیش کر سکوں گا۔

فرش نظر میں ایک نظم عورت کے عنوان سے لکھی گئی ہے جس سے عورت کا تقدس۔ عورت کی معصومیت اور عورت کا کردار نمایاں ہے۔ رتن صاحب نے فلسفہ حیات و مرگ پر بڑی محققانہ رائے پیش کی ہے۔ اشعار ذیل ملاحظہ فرمایئے ؎

دیکھ کر یہ تلخیاں۔ بربادیاں۔ ناکامیاں
موت بھی گھبرا رہی ہے زندگی کے نام سے

بڑھا دی زندگی کی قدر و قیمت موت نے ورنہ
بغیر اس کے بہت بے لطف اپنی زندگی ہوتی

زندگی کیلئے فقط خوابِ گراں
موت ہی اس خواب کی تعبیر ہے

لطف زبان و بیان قابلِ توجہ ہے۔

واعظ کے پند و وعظ کا اتنا اثر تو ہے
جو کچھ بھی آج اُس نے کہا پی گیا ہوں میں

پاسِ ضبطِ راز بھی ہے اور شوقِ دید بھی
دیکھ لوں ان کو مگر نظریں بچا کر دیکھ لوں

ہر نظر سے جو گرا تیری نظر تک پہنچا
گھر کو برباد کیا جس نے وہ گھر تک پہنچا

شعر ذیل حسنِ تخیل کا ایک شاہکار ہے۔ ؎

کس خاص مقام پر میں پہنچا
اب شورشِ کفر و دیں نہیں ہے

عظمتِ عشق ملاحظہ فرمایئے۔ ؎

عشق کی روداد سننے کے لیئے
حسن اب خود گوش بر آواز ہے

ندرتِ خیال اور بلندیٔ خیال ملاحظہ ہو۔ ؎

نہ ملے ڈھونڈنے والوں کو مرے نقش قدم
ہر بیاباں سے کچھ آگے ہے بیاباں میرا

مجھے افسوس ہے کہ بوجہ علالت کچھ زیادہ نہ لکھ سکا۔

جناب پروفیسر رشید احمد صدیقی علی گڑھ یونیورسٹی

آپ نے اپنے بارے میں جو کچھ لکھوا ہے۔ اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی سیرت و شخصیت کو سنوارنے اور استوار کرنے میں آپ کو کیسی کیسی صبر آزما آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ اس کی جھلک آپ کے کلام میں واضح طور پر ملتی ہے۔ یہ امتیاز ایسا ہے، جس پر آپ بحیثیت شخص و شاعر بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں اور یقیناً ہم سب کی تہنیت کے مستحق ہیں۔

ڈاکٹر سیّد لطیف حسین صاحب ادیب ایم۔اے۔ پی ایچ۔ڈی

رتن پنڈوروی کو یادگارِ سلف کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ زندگی سے رستخیزی۔ نیک مقاصد کے لئے صالح جد و جہد۔ حلم کی خو۔ صبر کی عادت۔ ادب سے عبادت کی حد تک محبت موجودہ نمائش اور تن آسانی کی طرف مائل زندگی کے دور میں بعض ایسی واضح حقیقتیں ہیں جو ہمارے اسلاف کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ جن تیر اندازوں کا تیر سیدھا ہوتا ہے اُن کا نشانہ خطا نہیں کرتا۔ جو شعراء مکتب کی تعلیم اور بزرگوں کے فیضان سے سیراب ہو چکے ہیں وہ شدّت احساس سے شاعری کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ رتن پنڈوروی بھی ایک ایسی ہی شخصیت کے مالک شاعر ہیں۔ ان کی غزل کی بعض جگہ تصویر آفرینی اور ان تصویروں کی پرستش ہدیۂ نیاز اور شدت احساس سے عبارت ہے ان کے سادہ اشعار میں خود ان کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔

رتن پنڈوروی فن شاعری میں ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی، اور اعتبار الملک حضرت دل شاہجہان پوری سے وابستہ رہے۔ جس کی وجہ سے ان کی غزلیات میں ایک خاص رکھ رکھاؤ اور تاثیر ملتی ہے۔ جسے محسوس کرنا ہی پڑتا ہے۔ لہٰذا رتن پنڈوروی کی غزل فنی اغلاط اور کج روی سے محفوظ رہے۔ دراصل اُن کی غزل کی سادگی میں پختگی اور بعض مواقع پر شوخی ہے۔ اس وقت پنجاب میں رتن پنڈوروی کا کلام غنیمت ہے۔

حضرت وامق جون پوری

آپ کا مجموعہ کلام فرش نظر زیب نظر ہوا میں نے شروع سے آخر تک آپ کے کلام

کو بڑی دلچسپی سے پڑھا اور بے حد لطف اندوز ہُوا۔ اور پنجاب قدیم کی اُس تعلیمی روایت کے اب ناپید ہو جانے پر آنسو بہائے جس کا بھرپور عکس آپ کے کلام میں ملتا ہے۔ یعنی مکتبوں میں عربی۔ فارسی اور اُردو شاعری کی بنیادی تعلیم کے گہرے نشانات اردو شاعری کا یہ کلاسیکی انداز جو آپ کے کلام میں نظر آتا ہے۔ بغیر کسی استاد کے آگے زانوئے ادب تہ کئے ہوئے حاصل نہیں ہو سکتا۔ گو خود میں اس قسم کی ابتدائی تعلیم سے بڑی حد تک محروم رہا۔ تاہم اس کو میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اس قدیم طریقۂ تعلیم کی اہمیت اس وقت اور واضح ہوتی ہے جب آپ اور پنجاب کے دوسرے اردو شعرا کا پختہ کلام نظر سے گزرتا ہے۔

حیف کہ پنجاب مرحوم کا یہ ورثہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے زینتِ طاقِ نسیاں ہو کر رہ جائیگا۔ اور ایک صدی بعد کسی طالبِ علم کے اس انکشاف پر اُس کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملے گی۔ کہ ہندوستان میں آزادی کے بعد اُردو کا ثقافتی قتلِ عام کس طرح ہُوا تھا۔

حضرت حاوی۔ لاہور

آپ کی مساعی جمیلہ بنام فرشِ نظر پڑھنے کا اتفاق ہُوا۔ واقعی آپ کی یہ کوشش علمی وادبی دُنیا میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ بعض اشعار الہامی ہیں۔ اور اکثر و بیشتر اشعار دل کی گہرائیوں سے نکل کر صفحہ قرطاس بر مرتعش ہو گئے ہیں حقیقت پسندی و سادگی کا اسلوبِ نگارش اچھوتا اور منفرد ہے۔

جناب ڈاکٹر گیان چند صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی کشمیر یونیورسٹی جموں

فرشِ نظر کا تحفہ ملا۔ آپ درویش منش بزرگ ہیں لیکن غزلوں میں یہ حدت یہ تب و تاب یہ سوزِ دروں کہاں سے بھر گیا ہے۔ خوب کہا ہے۔ اور استادانہ کہا ہے رُباعیاں اور نظمیں بھی داد سے مستغنی ہیں۔

جناب مولانا سیّد محمدؐ علیؑ کاظمی۔ ایم۔ اے۔ علیگ

ڈاکٹر سید شاہ علیؑ کے الفاظ میں "نسلِ انسانی کی تاریخ میں مستقبل کے روحانی و مادی معمار اکثر و بیشتر وہی لوگ تھے جو بادی النظر میں اپنی زندگی کی کشمکش میں پوری طرح

ناکام رہے"۔
"حیاتیں جو لکھی جانی چاہئیں وہ ہیں جن کے بارے میں دنیا نے نہ کبھی سنا ہے نہ سوچا ہے۔"

پنڈت رتن پنڈوروی کے مجموعۂ کلام "فرشِ نظر" میں اُن کی "اپنی کہانی اپنی زبانی" پڑھنے کا اتفاق ہوا تو مندرجہ بالا الفاظ کی حقیقت واضح ہوگئی۔ اور اس بات کا احساس ہوا کہ زندگی اور اس کی اعلیٰ و بنیادی قدروں کے محافظ اصل میں وہی لوگ ہوتے ہیں جن کے ناموں سے کبھی ہم واقف نہیں ہو پاتے۔ موصوف نے اپنے حالات زندگی جس سچائی اور صاف گوئی کے ساتھ بیان کردیئے ہیں وہ ایک بڑے دل گردے والے اور وسیع قلب و ذہن رکھنے والے انسان ہی کا کام ہے۔ دوسری طرف ان مختصر مگر عبرت انگیز حالات کو پڑھنے کے لئے بھی کسی معمولی دل گردے کا کام نہیں۔

آج انسان کی عظمت اور اس کی جانچ کا پیمانہ جتنا سطحی اور بھونڈا ہو گیا ہے۔ ایسا شاید ہی کسی دور میں رہا ہو انسانی عظمت اور انسانی قدروں کے لحاظ سے آپ کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں اور ان چیزوں کے تحفظ یا حصول کے لیئے آپ کتنا ہی خونِ جگر بہا چکے ہوں یا بہا سکتے ہوں۔ لیکن اگر آپ اچھے برے طریقے سے اپنی خودی اور اپنے نفس کو بیچ کر "دولت یا اعلیٰ ترین ڈگری"، حاصل نہیں کرسکتے یا دوسرے معنی میں دنیا نہیں کما سکتے تو سمجھ لیجیے کہ آپ کی کوئی خوبی اس دنیا کی نظر میں پھر خوبی نہیں رہ جاتی۔ نام نہاد اعلیٰ ڈگری یا دولت ہے تو پھر آپ زندگی کے ہر شعبہ میں چاہے کسی درجے کے احمق کیوں نہ ہوں ہاتھوں ہاتھ لئے جائیں گے۔

اب اسے خوش قسمتی کہیئے یا بدقسمتی سمجھیئے کہ پنڈت رتن پنڈوروی بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو ایسے ہتھکنڈوں کو انسانیت کے دائرہ سے باہر سمجھتے رہے ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ موصوف مقبولیت اور شہرت کیسے پا سکتے تھے۔ اسی لیئے اپنی عام زندگی میں قناعت پسندی کی وجہ سے اپنا نام اور دوسروں کی پگڑی نہ اچھال سکے۔ شاید اسی لئے انھیں غیر معروف بھی قرار دیا جائے لیکن جیسا کہ مشہور کہاوت ہے کہ "نیکی خود اپنا بدل ہے" میں سمجھتا ہوں کہ رتن صاحب کی زندگی میں خلوص۔ اُن کی سچائی پسند فطرت۔ قناعت پسندی۔ حقیقت شناسی اور صاف گوئی بذاتِ خود ایسی اعلیٰ صفات ہیں کہ جو نفسِ مطمئنہ

جیسی نعمت کے حصول میں انسان کی معاون و مددگار ہوتی ہیں۔

موصوف نے فرشِ نظر میں اپنے بارے میں لکھا ہے "یہ زاویہ نشین فقیر دُنیا جہان کے آلام و شدائد کو ساتھ لیتا ہوا بتاریخ ۔ جولائی ۱۹۰۸ء کو ایک غریب مگر قانع برہمن پنڈت متھرا داس بھار دواج کھٹ شاستری کے گھر بہ مقام پنڈوری ضلع گورداس پور پنجاب میں تولد ہوا۔"

ایک حساس قلب و ذہن رکھنے والا انسان سوچ سکتا ہے کہ جس شخص کی زندگی کی ابتدا خود اُس کے اپنے الفاظ میں اس حسرت ناک اور عبرت انگیز ماحول میں ہوئی ہو اس ابتدا کی انتہا کیا رہی ہوگی خود انہیں کے الفاظ میں ذرا آگے کا حال بھی سن لیجیے۔

"اس ویرانۂ آباد نما میں آنکھ کھولتے ہی ایک ایسی فضا نظر نواز ہوئی جس میں فرحت و مسرت گریاں۔ اور قلق و کرب خنداں تھے۔ قحط و عسرت کی ارزانیاں اور فراغت و عشرت کی گرانیاں......... استقبالیہ ٹھاٹ باٹ کے بعد تہی دامنی کا گہوارہ نصیب ہوا۔ ہاتھ تو خیر ازل سے ہی خالی تھا۔ پیٹ بھی بسا اوقات خالی رہ کر ستم بالائے ستم کا معاملہ پیش کرتا رہا۔"

مجھے یقین ہے کہ کوئی شخص اپنے اس طرح کے حالات دنیا کے سامنے رکھتے ہوئے شاعری یا مبالغے سے کام نہیں لے سکتا۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ مقدور بھر پردہ پوشی سے کام لے لیکن موصوف نے بلا جھجک کچھ اس سے بھی زیادہ لکھنے میں کمی نہیں فرمائی ہے ان حالات کو پڑھتے وقت جہاں ہمیں ان پر یقین کرنا ہے۔ وہاں رتن صاحب کی صاف گوئی پر بھی ایمان لانا پڑے گا۔ اس موقع پر بے ساختہ پروفیسر آل احمد سرور کا یہ شعر یاد آرہا ہے ؎

لاکھ برباد سہی پھر بھی یہ ویراں تو نہیں ۔۔۔ اس خرابے میں ابھی کچھ انسان ابھی باقی ہیں

رتن صاحب کو شعر و شاعری کا شوق آٹھویں جماعت ہی سے ہو گیا تھا۔ ان کی زبان سے سب سے پہلا شعر بہ قول خود ان کے جو نکلا وہ یہ تھا۔

اے بشر کس ہستیٔ باطل پہ تجھ کو ناز ہے ۔۔۔ ہے عدم انجام اس کا اور فنا آغاز ہے

آپ کا زیر نظر مجموعۂ کلام "فرشِ نظر" گو مختصر ہے۔ لیکن موصوف کی ادبی و فنی صلاحیتوں کی صحیح نمائندگی کرتا ہے۔ آپ کا کلام عام زبان میں ہے۔ زبان و بیان دونوں میں سادگی ہے۔ فارسی زبان پر بھی شاعری کی استعداد و صلاحیت رکھنے کے باوجود موصوف نے اپنے یہاں اُردو کو فارسی زدہ نہیں ہونے دیا اور شوکت الفاظ کے بل بوتے پر اپنا سکہ جمانے کی کوشش نہیں کی۔

ایک حد تک سادگیٔ زبان بذاتِ خود ایک گہری اور منجھی ہوئی شخصیت کا عکس ہوتی ہے۔
موصوف کا کلام مواد اور ہیئت کے لحاظ سے متنوّع ہے۔ کچھ درویشانہ طبیعت اور کچھ فارسی
زبان و ادب کا طبیعت پر اثر ہوا اسی وجہ سے موصوف کو تصوف سے بھی تعلق خاطر رہا
جس کی جھلک جا بجا ان کے کلام میں ملتی ہے۔

ہستی سے مری ہستی ہے تری بستی مری بستی ہے تری　　آ شوق سے میرے دل میں آئیں اور نہیں تو اور نہیں

چشمِ باطن جو کھلی شانِ حقیقت دیکھی　　ایک پردے میں بہم وحدت و کثرت دیکھی

کہتے ہیں جس کو حسن اُسی کا ہے نام عشق　　دیکھو مجھے بغور کہ شانِ خدا ہوں میں

بحر کے لحاظ سے رتن صاحب کے کلام میں طویل اور مختصر دونوں طرح کے اشعار ملتے
ہیں ایک طرف ان کے اس قسم کے اشعار یا غزلیں جب سامنے آتی ہیں۔

ستم کی انتہا ہے اور میں ہوں　　غمِ صبر آزما ہے اور میں ہوں

تو بے ساختہ ذہن اس قسم کے اشعار کی طرف جاتا ہے۔

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے

دوسری طرف طویل بحر میں دیکھئے۔

تو حسنِ ازل میں عشقِ ازل تو اوجِ ابد میں موجِ ابد　　حاکم تو مرا میں حکم ترا میں اور نہیں تو اور نہیں

یہاں طویل بحر کے اس قسم کے اشعار یاد آتے ہیں۔

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا　　دیکھا اس بیماریٔ دل نے آخر کام تمام کیا

رتن صاحب کے یہاں عشقِ حقیقی کے ساتھ عشقِ مجازی اور زندگی کے دوسرے
پہلوؤں اور موضوعات پر بھی اچھے خاصے اور جاذبِ توجہ اشعار مل جاتے ہیں جن
سے رتن صاحب کے ذہن اور ان کے کلام کی وسعت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔
زبان سادہ ہو اور مفہوم و معنی کی تلاش میں قاری کو ذہنی قلابازیاں نہ کھانی پڑیں اور
ہر شخص اپنی بساط و فہم کے موافق لطف یا فائدہ اُٹھا سکے۔ سادگی کی وجہ سے زبان سوقیانہ
بازاری یا غیر معیاری بھی نہ ہونے پائے۔ ادیب کو اس درجے تک پہنچنے کے لیے محض لغت
کی تلاوت یا ڈگریوں کے انبار کی نہیں بلکہ خونِ جگر کی ضرورت ہوتی ہے۔ رتن صاحب

کے کلام میں جا بجا اس خونِ جگر کی نمود ملتی ہے۔ اکثر اشعار میں تو وہ اس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ جہاں نظم و نثر کا فرق ہی ختم ہوگیا ہے یعنی اگر ان اشعار کی نثر بنائی جائے تو الفاظ میں کسی خاص اُلٹ پھیر یا تبدیلی کی ضرورت نہیں پڑے گی اور یہ ایک بڑی بات ہے۔ مثال کے لیئے مختصراً دو تین شعر پیش خدمت ہیں ؎

غم صبر آزما ہے اور میں ہوں ستم کی انتہا ہے اور میں ہوں

میں اوڑ اوڑ کے تیری راہ گزر تک پہنچا خاک ہو کر بھی میسّر نہیں دیدار مجھے

حسن کا ناز ہے عشق کی ہار تک عشق کو چاہیئے حسن کو جیت لے

عام طور سے شاعروں کا کہنا ہے کہ غمِ روزگار غمِ جاناں سے بھی زیادہ جان لیوا ہے۔ مگر رتن صاحب غمِ روزگار کو ایذا رساں نہیں بتاتے بلکہ وہ تو اُسے تہذیبِ نفس کا ایک ذریعہ بتاتے ہیں ؎

ایذا رساں ہوا ہے غمِ روزگار کب غافل یہ اِک ذریعہ ہے تہذیبِ نفس کا

اخلاق۔ ہمت اور تزکیۂ نفس کا درس اُنھوں نے اپنے کلام میں جا بجا دیا ہے۔ جو اس بات کی علامت ہے کہ موصوف نے زندگی کو صرف گزارا ہی نہیں بلکہ پرکھا اور سمجھا ہے۔ ان کی نظر میں سیم و زر کا وہ مرتبہ نہیں جو انسان کے کردار کا ہے اور کردار اعمال سے بنتا یا بگڑتا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

اعمال بتاتے ہیں بشر کی قیمت بے کار ہے جھنکار یہ سیم و زر کی

رتن صاحب کے خیال میں جو انسان صحیح زندگی گزارے گا اُسے راہِ مستقیم پر قائم رہنے کے لیئے بڑی مشکلوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ حق پرست و حق بین ان چیزوں سے گھبرایا نہیں کرتے وہ اپنے جادہ پر اسی طرح ڈٹے رہتے ہیں جس طرح باغ میں پت جھڑ اور خزاں کے باوجود سرو کا پیڑ جوں کا توں اپنی سابقہ حالت و صورت میں موجود رہتا ہے۔ اس بات کو اُنھوں نے اس طرح پیش کیا ہے ؎

خزاں کے جور سے سروِ سہی آزاد ہوتا ہے نہیں ہے راست رو کو رنج و راحت کی کوئی پروا

پنڈت رتن پنڈوروی کے کلام میں عشقِ حقیقی کے ساتھ ساتھ عشقِ مجازی کا رنگ بھی بڑا دلکش۔ دل آویز۔ اور صاف ستھرا ہے۔ ان کا محبوب ظالم۔ بے وفا بے مروّت یا دوسرے الفاظ میں استنا روایتی نہیں ہے۔ جتنا کہ عام طور سے غزل گویوں کے یہاں

بیان کیا جاتا ہے ساتھ ہی اتنا بے باک ۔ منہ پھٹ اور ہر دو ذرت کبھی نہیں ہے کہ ادھر نظر ملی اور مالِ غنیمت کی طرح ہاتھ آگیا۔ وہ تو اچھا خاصا مہذب اور معتدل مزاج ہے۔ توازن کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ دوسری طرف عاشق کبھی اپنے محبوب کی خاطر نہ صحرا کی خاک چھانتا ہے اور نہ گلی کوچوں کو جھانکتا ہے بلکہ وہ تو اس بات کا قائل ہے کہ ؎

جب نظر آتا ہے وہ جانِ تمنا دل میں
کس تمنا کو لئے طور پہ جائے کوئی

اور شاعر کا دل بھی وہ ہے جو بہ قول میر پامال ہو کر ہموار ہوا ہے دیکھئے شاعر کا خود اپنے دل اور اس کی منزل کے بارے میں کیا مشاہدہ ہے ؎

دلِ پامال مٹ کر ہو گیا خود حاصلِ منزل
حقیقت میں اجڑ کر ہی یہ گھر آباد ہوتا ہے

معراجِ عشق اس دلِ بے خود کی دیکھئے
پہنچا وہاں کہ طالبِ منزل نہیں رہا

وہ بجلیوں کی ستم ظریفی یا فلکِ کج رفتار کی عنایت کا ذکر بالکل ایک نئے انداز میں کرتے ہیں زندگی کے اس پہلو کو موصوف نے دیکھیے کتنے واضح ۔ مؤثر ۔ دل کش اور سادہ الفاظ و انداز میں ایک شعر میں سمو کر رکھ دیا ہے ؎

نہ ہوتا آشیاں تو بجلیاں پیدا ہی کیوں ہوتیں
ستم اے چار تنکو اصل میں برقِ بلا تم ہو

اردو شاعری میں عام طور سے عشق کے جذبے کو یک طرفہ طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے عاشق سر پھوڑتا ہے کپڑے پھاڑتا ہے ۔ صحرا و دشت کی خاک چھانتا ہے ۔ مگر محبوب ہے کہ "اس پر ذرا اثر نہیں،، کا مصداق نظر آتا ہے ۔ لیکن رتن صاحب کا محبوب من کا اتنا کٹھور نہیں ہے ۔ وہ اپنے عاشق کے غم کا احساس رکھتا ہے اور اس کی داد دیتا ہے ؎

اُن کی آنکھوں نے بھی دی داد ہمارے غم کی
لبِ خاموش سے جب حال سنایا ہم نے

اپنے عاشق کی موت کی خبر سن کر اُن کا محبوب شانِ بے نیازی نہیں دکھاتا بلکہ اس پر سکتہ کا عالم طاری ہو جاتا ہے ؎

اس میں بھی کچھ بات ہے وہ بات تک کرتے نہیں
سُن کے لوگوں کی زبانی میرے مر جانے کی بات

مرزا غالب کے یہاں تو قیامت نے دم بھی نہ لیا تھا کہ انھیں پھر اپنے محبوب کا وقتِ سفر یاد آ کر قیامت کا منظر پیش کر گیا مگر یہاں تو ماجرا ہی دوسرا ہے ۔ شاعر مطمئن تھا کہ چلو قیامت گزر گئی ۔ مگر قسمت ایسی کہاں تھی وہ تو ازل سے در پئے آزار ہے ۔ یہاں

وقتِ سفر کا رونا نہیں ہے بلکہ محبوب نے پھر آنے کی دھمکی دی ہے جس سے شاعر سہما ہوا ہے اور یہ شعر دہرا رہا ہے ؎

اس کا یہ مطلب قیامت اب دوبارہ آئے گی
کہہ گئے ہیں باتوں باتوں میں وہ پھر آنے کی بات

رتن صاحب کو آہِ بے اثر کا بھی رونا نہیں ہے بلکہ دنیا کو دکھا رہے ہیں کہ دیکھو میرے جذبۂ دل کی طاقت ؎

کوئی دیکھے تو مرے جذبۂ دل کی طاقت
خود وہ مجھ خانہ برانداز کے گھر تک پہنچا

اور جب وہ بہ قولے آدھمکا تو اپنی ہمت و جرأت کی شرم رکھنے کے لئے دست بدعا ہیں ؎

شرم جرأت کی رہ جائے اب اے خدا
ہاتھ پہنچا مرا دامنِ یار تک

شاعر نے شب و روز یونہی نہیں گزارے بلکہ مطالعۂ فطرت و کائنات میں اپنی بساط بھر دسترس کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے شاعری کو صرف گل و بلبل کا طلسم خانہ بنا کر خوب صورت الفاظ کی دکان نہیں سجائی بلکہ کچھ سمجھنا چاہا ہے نیکی اور حسنِ عمل کا سبق موصوف کے کلام میں جا بجا ملتا ہے وہ انسان کو ہر حال میں عملِ خیر کی تلقین کرتے ہیں اور اس بات کے آرزو مند نہیں ہیں کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہی سے ملے ان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ ؎

نیکی کی راہ حسنِ عمل میں نہ چھوڑ تو
بدلے میں تجھ سے کوئی بُرا یا بھلا کرے

رتن صاحب ادب اور زندگی میں بڑے فاصلے کے قائل نہیں ہیں ان کی تخلیقات اور موضوعات پر نظر ڈالیے تو اندازہ ہوگا کہ انھوں نے غمِ روزگار ہی کو تہذیبِ نفس کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ ادب کو بھی زندگی اور اس کے اہم محرکات سے قریب تر لانے میں حصہ لیا ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ زندگی کے اہم موضوعات کو انھوں نے نظر انداز نہیں کیا بلکہ ان پر قلم اٹھایا ہے ان کے مجموعۂ کلام میں جہاں اخلاق۔ تصوف اور عشق و محبت کے اشعار ہیں وہاں آزادی عورت۔ برسات۔ ماں علم۔ گورو نانک اور رسولؐ جیسے عنوانات بھی موجود ہیں۔ اس مجموعہ میں ایک طویل نظم ہے جس کا عنوان "ماں" ہے اس کائنات کی تخلیق میں خدا کے بعد کسی کا حصہ ہے تو وہ ماں ہے۔ اسی نے دنیا کو پیغمبر دیئے ہیں اور اسی نے علماء فضلا اور حکما پیدا کئے ہیں ادیب اور سائنس دان فلسفی اور شاعر، غرض کہ اسی کی کوکھ سے سب نے جنم لیا ہے۔ ماں کے مقام و منزل کو کون پہنچ سکتا ہے۔ اس کی ممتا کا دنیا میں بدل کہاں ہو سکتا ہے۔ رتن صاحب ماں کے حضور میں نذرانۂ عقیدت ان

الفاظ میں پیش کرتے ہیں ؎

اپنے بچوں کے لئے وقفِ کرم رہتی ہے تو
شوقِ راحت میں گرفتارِ الم رہتی ہے تو

فطرتِ کونین کی تکمیل تیرے دم سے ہے
عظمتِ جاوید کی تحصیل تیرے دم سے ہے

تیرا ظلِ عاطفت ظلِّ خدا سے کم نہیں
تو اگر خوش ہے تو پھر قہرِ خدا کا غم نہیں

تیرے قدموں پر ہزاروں جنتیں قربان ہیں
خود ملائک بھی تقدس پر ترے حیران ہیں

۱۵۔ اگست ۱۹۴۷ء کا دن ہندوستان کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہے شمع آزادی کے پروانے اسی دن اپنی منزل پر پہنچے تھے صدیوں کی غلامی کی زنجیریں توڑی تھیں۔ اور بھارت ماتا کی مانگ کا سیندور اسی دن چمچما اُٹھا تھا شاعر نے اپنی نظم آزادی میں ماضی کا ہلکا سا خاکہ دیا ہے۔ اور پھر آزادی ملنے پر خوشی کے اظہار کے ساتھ ساتھ اس کو قائم و برقرار رکھنے کے لئے تلقین کی ہے۔ اور پیار۔ محبت اور قومی یک جہتی پر زور دیا ہے ؎

حکومت پا کے اب حفظِ حکومت کا سبق سیکھو
صداقت کا محبت کا رفاقت کا سبق سیکھو

کتابِ زندگی میں انس کا عنوان بن جاؤ
بہ ظاہر آدمی تو ہو مگر انسان بن جاؤ

آگے چل کر فرماتے ہیں ؎

یہ تفریق و تنفر اک مصیبت ہیں وطن والو
نگاہوں میں رہے صیاد کا کھٹکا چمن والو

بدل ڈالو اس آپس کی رقابت کو رفاقت سے
بدل ڈالو غبارِ دل کو اخلاص و محبت سے

اور آخر میں اس دعا کے ساتھ اس نظم کو ختم کرتے ہیں ؎

دعا ہے اے رتن اہلِ وطن سب نیک ہو جائیں
جدا ہو شکل گو سب کی مگر دل ایک ہو جائیں

حضرت تبسم علی پوری مدیر "روشنی" سونی پت

الشعراء تلامیذ الرحمٰن کے فرمان کی صداقت کا راز "فرشِ نظر" میں مضمر ہے۔ فرشِ نظر کے ایک ایک شعر سے مترشح ہے کہ جو بات دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہے وہ اثر رکھتی ہے۔

قبلہ رتن "اپنی کہانی اپنی زبانی" میں فرماتے ہیں :-

" اس میں شک نہیں کہ شاعری ایک وہبی چیز ہے اور قدرتی عطیہ۔ لیکن یہ بھی ایک بے نقاب حقیقت ہے کہ غریبی۔ بے کسی۔ بے بسی۔ ناداری۔ تہی دستی۔ تباہ حالی۔ اور کوتاہ بختی ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو شاعر بنانے میں بہت بڑی معاون ثابت ہوتی ہیں۔ جس شخص کو ہر کوئی ٹھکرائے جو اپنے گھر گھاٹ سے بھی گیا گزرا ہو جس کی زندگی سے زندگی خود نادم ہو جو اپنی ذات سے آپ ہی نفرت کرے جس کے ہر قدم پر محشر کے ہنگامے برپا ہوں جس کا خرمنِ آرزو ہر وقت بجلیوں کی زد میں رہے جس کی تمنا عمر بھر حدِ تمنا سے آگے نہ بڑھ سکے۔ آلام و مصائب جس کا گہوارہ ہوں اور شدائد و مکائد جس کے دل بہلاوے کا سامان جس کی ہر خوشی گریاں اور ہر غم خنداں نظر آئے۔ ناکامی جس کی غم گسار رہو۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس کا دل سراپا درد۔ سراپا سوز۔ سراپا گداز اور سراپا ایثار نہ ہو اور یہی چیزیں ہیں جو شاعری کی بنیاد کہی جا سکتی ہیں "

اللہ کی شان شاعر کس قدر قانع اور متوکل واقع ہوا ہے کہ اپنے مصائب کو سرمایۂ حیات تسلیم کرتا ہے اور خدا کی دین کو نعمتِ غیر مترقبہ سے کم نہیں سمجھتا۔ ان لوازمات سے ظاہر ہے کہ شاعر اگرچہ پیغمبر نہیں مگر پیغمبر سے کم بھی نہیں۔

حضرت رتن کے کلام سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حادثاتِ زمانہ اور ناسازگار حالات سے زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے میں بے حد مدد ملی ہے جس کی وجہ صاف ہے۔ کہ آپ کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک شعر وارداتِ قلب کا آئینہ دار ہے۔ اگر آپ کو خواجہ حافظ شیرازیؒ کی تعلیمات کا علمبردار کہا جائے تو غیر اغلب نہ ہوگا جن حضرات نے خواجہ حافظؒ شیرازی کی تخلیقات کا مطالعہ کیا ہے اور اُن کے کلام کی تہہ تک پہنچنے کی سعی کی ہے ان پر بدرجۂ اتم روشن ہوگا کہ خواجہ حافظ شرابِ معرفت کے رسیا تھے اور زندگی میں اسے سیر ہوکر پیا۔ جناب رتن کی تقریر و تحریر سے عیاں ہے کہ آپ بھی اسی دولت سے مالا مال ہیں آپ فرماتے ہیں اور کیا خوب ارشاد کرتے ہیں۔

محرمِ حق شکند پابندیٔ دستور را
قابلِ الزام می دانی چرا منصور را

از حدودِ شرع بیروں شو کہ بینی جلوہ اش
در مقامِ بے خودی معبود و عابد یک شوند

قبلہ رتن اس پر بھی اکتفا نہ کرتے ہوئے مسرور و مخمور و شاداں و فرحاں اس سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔

اور نا الہامات کہتے ہیں ؎

میں تجھ میں ہوں تو مجھ میں ہے	میں ظاہر ہوں تو باطن ہے
میں تیری ضیا تو میری ضیا	میں اور نہیں تو اور نہیں
تو قادر ہے میں قدرت ہوں	تو صانع ہے میں صنعت ہوں
ہے ایک ہی رشتہ دونوں کا	میں اور نہیں تو اور نہیں

اس رشتہ کو نبھانا بھی رتن صاحب کا کام تھا جس شاعر نے اپنی زندگی میں نشیب و فراز دیکھے ہیں اور جس کے حلقۂ تلامذہ میں بیسیوں فارغ الاصلاح شاگردوں کا شمار ہوتا ہے۔ پھر جس نے بیسیوں نسخے سپردِ قرطاس کئے ہوں اس کے کلام فرحت التیام پر حرف آرائی کرنا نوازِ نعمت کے مترادف ہے۔ آپ غزل اور تاریخ گوئی کے میدان میں شاہسوار ہیں۔ میں نظم کو ایک وقتی شے قرار دیتا ہوں اور غزل کو ابدی۔ غزل ایک ایسی صنفِ نازک ہے۔ جس کی دیکھ ریکھ اور سنبھال کے لئے ریاضت کی ضرورت ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر کچھ حضرات اختلاف رائے رکھتے ہیں۔ لیکن پھر پھرا کر اسی مرکز پر آنا پڑتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جس نور کے منبع سے جہان کو حسن اور خوبصورتی عطا ہوتی ہے وہ بذاتِ خود ایک مرصع و مسجع غزل کا روپ ہے۔ دیکھئے رتن اس موضوع پر کس خوش اسلوبی سے قلم اٹھاتا ہے۔ ؎

جدا وہ ہوتے تو ہم ان کی جستجو کرتے	الگ نہیں ہیں تو پھر کس کی آرزو کرتے
اگر یہ جانتے ہم بھی انھیں کی صورت ہیں	کمال شوق سے اپنی ہی جستجو کرتے
جب پردہ اُٹھنے پر بھی ہے عالم حجاب کا	پھر حسنِ بے حجاب کا کیا اعتبار ہو

متقدمین متوسطین اور دورِ حاضرہ کے مشاہیر نے جام و سبو اور خرابات پر اپنے نظریہ کے مطابق اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ رتن صاحب نے بھی اپنے مخصوص رنگ میں اس عنوان پر طبع آزمائی کی ہے ؎

واعظ کا کچھ خطر ہے نہ توبہ کا احترام	بیگانہ ہم سے ساقیٔ محفل نہیں رہا

حضرت ابر احسنی گنوری

یہ مجموعۂ غزلیات رباعیات نظمیات موسوم بہ فرشِ نظر ملک کے مشہور

خدا پرست شاعر جناب رتن پنڈوروی کا ہے۔ اس میں "اپنی کہانی اپنی زبانی" کے عنوان سے جناب رتن نے اپنے حالات لکھے ہیں اور یہ اس قدر دل گداز ہیں کہ پڑھ کر سنگ دل کی آنکھوں میں بھی آنسو آجائیں۔ ان حالات میں رتن صاحب کی عالی ظرفی آفتاب کی طرح روشن ہے گرے سے گرے درجہ کا انسان بھی اپنے کمزور حالات اس طرح لکھنے کا حوصلہ نہیں کر سکتا۔ جس طرح رتن صاحب نے بے کم و کاست وہ سب لکھ دیئے ہیں جو ان پر بچپن سے لے کر اب تک گزرے۔ حق یہ ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لئے وہ باتیں کبھی زبان پر نہیں لاتا جو اس کے افلاس سے متعلق ہوتی ہیں۔ اور اس میں اپنی عزّت کی حفاظت سمجھتا ہے۔ حال آں کہ وہ جس صداقت سے گریز کو اپنی عزّت جانتا ہے وہ عزّت نہیں دھوکہ ہے اور دھوکے سے حاصل کی ہوئی عزّت بذاتِ خود ذلّت ہے۔ عالی ظرف اور نفسیات کا ماہر جانتا ہے کہ سچ کی قدرتی طور پر کیا عظمت ہے اور خدا نے اس کو کتنا مؤثر بنایا ہے۔ اس لئے وہ اپنی کمزور سے کمزور بات صاف کہہ گزرتا ہے۔ اور نتیجہ میں اس کی صداقت انسانیت شرافت کی عظمت لوگوں کے دلوں میں اپنا گھر بنا لیتی ہے۔ بعینہ یہی کیفیت رتن صاحب کے حالات پڑھ کر پیدا ہوتی ہے اور دماغ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ "یہ کتنا بڑا انسان ہے جو اس طرح اپنے حالات لکھ رہا ہے"

میں رتن صاحب سے طویل مدّت سے واقف ہوں۔ ان سے میری مراسلت رہی ہے۔ ایک مرتبہ جالندھر کے مشاعرے میں ملاقات بھی ہوئی ہے۔ میں نے بروقت ملاقات انھیں ویسا ہی پایا جیسا سمجھا تھا۔ وہ ایک قابل شاعر اور معیاری ادیب تو ہیں ہی۔ فن دانی میں بھی ان کا مقام بلند ہے۔ لیکن ان سب سے زیادہ جو خوبی ہے وہ ہے اُن کی انسانیت اُن کی خاکساری۔ ان کا انکسار۔ ان کی خدا پرستی اور ان کا معیاری اخلاق۔ ان کی پوری عمر خدا کی یاد میں گزری۔ وہ بال برہم چاری ہیں۔ خدا پر ان کا بھرپور ایمان ہے۔ ان کی عاجزی و انکساری کا رنگ ان کی ہر ادا میں جھلکتا ہے۔ چناں چہ دیوان کا نام "عرش رفعت" کی جگہ "فرش نظر" رکھا گیا ہے۔ تصویر کے نیچے شعر رقم ہے۔ ~

نشانِ سربلندی اے رتن پستی میں ملتا ہے — بسر کرتا ہوں اپنی زندگی میں خاکساروں میں

✓ ٹیچنگ لائن میں ملازم تھے اب ریٹائر ہو کر ایک غیر آباد مندر میں مصروف عبادت ہیں۔

کمالِ سخن کے ساتھ جیوتش میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ کتنی مبارک ہوتی ہیں ایسی ہستیاں۔ شاعر کے کردار و عمل کا اثر اس کی شاعری سے نمایاں ہوجاتا ہے۔ چناں چہ ہوش مند لوگ کسی شاعر کا کلام دیکھ کر ہی اس کی پوری زندگی کا خاکہ تیار کر دیتے ہیں۔ اور یہی حال رتن صاحب کے کلام سے نمایاں ہے۔

وہ علم کے ساتھ زبان و محاوروں۔ تذکیر و تانیث کی صحت سے خوب واقف ہیں۔ اس لئے اور بھی کہ انھوں نے اُردو کے دو عظیم شاعروں سے استفادہ کیا ہے۔ حضرت دِل شاہجہانپوری مرحوم اور حضرت جوش ملسیانی تلمیذ رشید مرزا داغؔ۔ ظاہر ہے ایسے شخص کے کلام میں فنّی اغلاط کا کس قدر کم امکان ہوگا۔ اور کم کا ذکر بھی اس لئے کر دیا ہے کہ رتن صاحب صاحبِ کمال شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ انسان بھی ہیں۔ اور انسان کا خمیر خطا و نسیان سے تیار ہوا ہے۔ اب چند شعر ملاحظہ کیجئے۔ جس سے رتن صاحب کے پُر تاثیر کلام کا ان کے حُسنِ بیان اور صحتِ زبان نیز انداز گفت کا اندازہ ہو سکے گا ؎

میں ذرّہ ہوں خورشید ہے تو میں پھول ہوں تو اس میں خوشبو تو اصل بقا میں شکل بقا میں اور نہیں یا تو اور نہیں

منّتِ رہبر چرا کشیم در راہِ طلب
جذبۂ صادق نمایدرہ گزارِ طور را

خطائیں ہی مری مجھ کو درِ رحمت پہ لے آئیں
بھٹک جاتا۔ اگر مجھ بھی خطاؤں میں کمی ہوتی

سن رہا ہوں ان کا ملنا جُز فنا ممکن نہیں
آج ان کو یہ تماشا بھی دکھا کر دیکھ لوں

یہ مشتے نمونہ از خروارے ہے غزلیات کا ½ حصّہ اسی عارفانہ جذبے سے بھرا ہوا ہے۔ اور عجیب عجیب اسلوب سے شعر کہے ہیں۔ گویا یہ رتن صاحب کا اصلی رنگ کلام ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انھوں نے دُنیا کے دوسرے رنگوں کا مشاہدہ نہ کیا ہو یا ان کا قلم زندگی کے دوسرے شعبوں پر اظہار خیال کرنے سے عاجز ہو۔ حق یہ ہے کہ انھوں نے جس رنگ میں قلم اٹھایا ہے۔ کامیاب اُٹھایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے ؎

جنابِ شیخ کی لفظی کرامت دیکھ لی تم نے
ذرا اعمال کی عصیاں بدوشی دیکھتے جاؤ

جنابِ خضر دیکھی ہے تمھاری رہ نمائی بھی
وہ منزل پا چکا جس راہ رو کے رہ نما تم ہو

اس قدر دلکش کہاں ہوتی ہے فرزانے کی بات
بات میں کرتی ہے پیدا بات دیوانے کی بات

اس کا یہ مطلب قیامت اب دوبارہ آئے گی
کہہ گئے ہیں باتوں باتوں میں وہ پھر آنے کی بات

کس نے یہ چھیڑ دیا زخمِ جگر کو اے دل | خون بن بن کے مری آنکھ سے ٹپکا پانی
خاک بہلائیں گی اب دل کو چمن کی باتیں | راس آیا ہے قفس کا مجھے دانا پانی
شورشِ دل کا اثر دیدۂ تر تک پہنچا | ایک گھر کا یہ مرض دوسرے گھر تک پہنچا
انسان پر تو بارِ خلافت ہی تھا دیال | کیوں اس کے دل میں بیج محبت کا بو دیا
اب جو اقرار بھی ہو تو کیا فائدہ | زندگی تھی مری تیرے انکار تک
ہاتھ کس حوصلے پر اٹھیں اے جنوں | اب تو دامن میں باقی نہیں تار تک
درد ہے سربسر دوا سوز ہے سازِ دل کشا | رنگ یہ کیا جما دیا اس کی نگاہِ مست نے

ان اشعار کی روانی۔ زبان و بیان کی خوبی۔ محاوروں کا برمحل استعمال دیکھ کر جی خوش ہوتا ہے سادگی و پرکاری کے سینکڑوں بہتر نمونے دیوان میں موجود ہیں دور از کار تخیل۔ الجھا ہوا اندازِ بیان وہمی اور فرضی باتوں کی لعنت سے دیوان پاک ہے۔ نظموں میں فضائل علم بزبان فارسی۔ مقامات رتن۔ مال اچھی نظمیں ہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ۔ گورو نانک پر اظہارِ عقیدت ان کی فراخ دلی کا ثبوت ہے۔ آزادی کی نظم پرجوش ہے۔ رباعیات کی تعداد ۲۰ ہے اور یہ رباعی کے مقصد کو بھرپور ادا کرتی ہیں جو انسان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں دو رباعیاں درج کی جاتی ہیں:-

کعبہ کی ضرورت ہے نہ بت خانے کی | موسیٰ کی نہ کچھ طور کے افسانے کی
عرفانِ حقیقت کی تجلّی کے لئے | ہمّت مجھے درکار ہے پروانے کی

افسانۂ رنج و سرگرانی ہوں میں | آلام و مصائب کی نشانی ہوں میں
سنتے ہیں جگر تھام کے سننے والے | جو محشرِ غم ہے وہ کہانی ہوں میں

غرض دیوان رنگارنگ پھولوں کا گلدستہ ہے۔ اور بہت سی خوبیوں کا ذخیرہ۔ یوں تو دیوان اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مگر ایسے دیوان شاذ ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ امید ہے قارئین اس کے مطالعہ سے ضرور محظوظ ہوں گے۔

حضرت مہر جالسی

۴۲۱

"فرشِ منظر" میں بقلم مصنّف "اپنی کہانی اپنی زبانی" کے عنوان کے تحت حالاتِ زندگی

درج ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم دونوں کے ماحول زندگی میں یک گونہ یکسانیت ہے۔ اور رجحانِ طبع۔ زاویۂ نظر۔ ذوقِ تحصیلِ علم۔ ماں سے محبت۔ جذبۂ ایثار۔ قناعت۔ خودداری۔ خودشناسی میں بھی یک رنگی پائی جاتی ہے۔ جو میں نے اپنے لیئے کہا تھا وہ رتن پنڈوروی پر بھی صادق آتا ہے۔ شعر حسب ذیل ہے۔ ؎

فاقوں میں بسر جس کی ہوئی زیست وہ شاعر ویسا نہ کوئی بزمِ ادیباں میں ملے گا

اس کے ساتھ اس بات کے پیش کرنے میں مجھے کوئی جھجک نہیں کہ علم صرف سینۂ گرسنہ ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ اور طالبانِ علم کو پہنچتا ہے اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر اگر رتن پنڈوروی کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہے کہ خود کنواں کھودنا اور بطنِ ارض سے پانی نکال کر سیراب ہونا اُن ہی ایسے لوگوں کا کام ہے۔ ایسے ہی جوان ہمت مستقل مزاج شناور دریا کی تہ سے موتی نکالتے ہیں۔ اسی لیئے میں رتن کو انمول سمجھتا ہوں۔ صرف میں نے ہی نہیں بلکہ حضرت شاداںؔ بلگرامی مرحوم۔ دلؔ شاہجہان پوری مرحوم اور حضرت جوشؔ ملسیانی نے بھی ان کو جوہرِ قابل ہی سمجھا ہے۔ رتن کا یہ مجموعۂ کلام "فرشِ نظر" میرے نزدیک شرفِ نظر ہے۔ جس کے ذریعہ ان کا نام خدا نے چاہا تو رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔ رتن نے ایسے زمانہ میں اپنا اردو کلام پیش کیا ہے۔ جب اردو زبان اور اردو رسم الخط بہ وجوہ معرضِ خطر میں ہیں۔ بقول غالب ؎

وفاداری بشرطِ استواری عینِ ایماں ہے مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

میرے نزدیک رتن پنڈوروی کا کلام دہلی لکھنؤ اور پنجاب کی اُردو شاعری کی ترجمانی کی حیثیت رکھتا ہے اور ان کے کلام میں ان تینوں جگہوں کی شاعرانہ خوبیوں کا دلکش امتزاج ہے۔ زبان بامحاورہ اور سلیس۔ تخیل میں ندرت۔ جذبات پاکیزہ۔ بندشوں میں پختگی۔ مضامین معیاری۔ الفاظ صاف ستھرے۔ بعض اشعار میں تصوف کا رنگ بھی پایا جاتا ہے لسان الہند رتن پنڈوروی میرے نزدیک اعتدال پسند شعراء میں سے ہیں جہاں تک میں اُن کے کلام کو دیکھ کر سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ ان کے یہاں قدیم اور جدید شاعری کا سنگھم ہے۔ جس سے لب تشنگانِ ادب اپنی پیاس بھی بجھا سکتے اور اشنان بھی کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ قدر شناسانِ ادب حضرت رتن پنڈوروی کی ادبی دقیق کاوشوں کی کماحقہ داد دیں گے۔ اور ان کے اس مختصر مجموعۂ کلام "فرشِ نظر" کی قدردانی فرماکر

ہمت افزائی کریں گے اب میں ان کے کلام کا نمونہ پیش کرتا ہوں ؎

نہ ہوتا آشیاں تو بجلیاں پیدا ہی کیوں ہوتیں
سنوارے چار تنکو اصل میں برقِ بلا تم ہو

دل تو پہلی ہی ادا میں ہاتھ سے جاتا رہا
جان کی بازی لگے ہاتھوں لگا کر دیکھ لوں

زندگی کو موت کے سانچے میں ڈھالوں اے رتن
اور ظالم موت کو نیچا دکھا کر دیکھ لوں

داستانِ عشق سن کر ہم پہ یہ عقدہ کھلا
درحقیقت عشق ہے بے موت مر جانے کی بات

پی لیا جب سے تری تیغِ ادا کا پانی
آگ کو ہم نے سمجھ رکھا ہے ٹھنڈا پانی

ہر نظر سے جو گرا تیری نظر تک پہنچا
گھر کو برباد کیا جس نے وہ گھر تک پہنچا

روک رکھا تھا جسے ضبطِ فغاں نے دل میں
اب وہ سیلاب مرے دیدۂ تر تک پہنچا

موجوں نے ہاتھ پاؤں تو مارے مرے لئے
تقدیر نے مگر لبِ ساحل ڈبو دیا

اتنی ہی سرگزشت ہے باغِ حیات کی
غنچے نے مسکرا دیا شبنم نے رو دیا

حضرت عبرت صدیقی بریلوی مدیر عوام کراچی

حضرت رتن پنڈوروی صوفی صفت اور بہترین انسان ہیں۔ آپ کے اندر وہ تمام خوبیاں ہیں جو ایک عارف میں ہونا چاہئیں۔ اشعار میں مضمون آفرینی۔ سلاست روانی۔ فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ کیف و سرمستی کے دریا موجزن نظر آتے ہیں۔ تصوف پسند طبیعت کا انداز فکر ہی جداگانہ ہے۔ ہر شعر تیر و نشتر کا اثر رکھتا ہے۔ اور سامعین کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ مجموعی حیثیت سے "فرشِ نظر" کمال فن اور بہترین شاعری کا نمونہ ہے۔

حضرت فضا جالندھری خانیوال (پاکستان)

جناب رتن میرے خواجہ تاش ہیں اعتبار الملک حضرت دلؔ شاہ جہان پوری جانشین امیر مینائی کے ارشد تلامذہ سے ہیں آپ حضرتِ دل قبلہ کے اس وقت حلقہ تلامذہ میں شامل ہوئے جبکہ وہ معرفت و حقائق۔ فلسفہ و تصوف کے مضامین کو ایک خاص

رعنائی سے غزل میں سمو رہے تھے۔ شاگرد تو پہلے ہی کشتۂ روزگار تھا۔ اور عرفان و ویدانت کا دلدادہ اس لئے رتن کے تغزل میں کچھ ان کا طبعی رجحان کچھ استاد کے دورِ آخر کا عارفانہ رنگ پیدا ہو گیا۔ ہمیں رتن کے کلام میں سنجیدہ و متین۔ معرفت و حقائق سے لبریز تغزل کے اچھے اچھے اشعار مل سکتے ہیں۔ رتن کے کلام میں لطافتِ خیال کے ساتھ ساتھ بندش کی چستی اور اشعار کی برجستگی بھی پائی جاتی ہے۔ تغزل کے علاوہ آپ نے نظمیں اور رباعیات بھی کہی ہیں۔ جن سے ان کی مشاقی کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کی نظموں پر حضرت جوشؔ ملسیانی کی چھوٹ پڑی ہوئی ہے۔ حضرت دلؔ و حضرت جوشؔ دونوں رتنؔ کے استاد ہیں۔ رتنؔ کو دونوں استادوں سے والہانہ عقیدت ہے۔ جو ان کی سعادت مندی کی دلیل ہے۔

جناب ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی دہلی یونیورسٹی

میں رہینِ ستم ہائے روزگار رہا لیکن آپ کے خیال سے غافل نہیں رہا۔ میری خوش دامن کا انتقال ہوا۔ پھر میرے ماموں زاد بھائی کا۔ پھر برابر سفر۔ آپ کا گرامی نامہ میری میز پر نہیں میرے دل پر رکھا رہا "فرشِ نظر" خوب ہے۔ آپ نے بڑی کاوش کی ہے اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ خوب مزے لے کر پڑھ رہا ہوں۔

خواجہ احمد فاروقی

۳۱۔ جولائی ۱۹۶۵ء

حضرت علامہ تارا چرن صاحب رستوگی طاہرؔ پرنسپل۔ ایس۔ بی۔ ایم۔ ایس کالج سوالکچی آسام

"فرشِ نظر" ایک گراں قدر ادبی کاوش ہے۔ غزلیات و نظمیات وغیرہ پر مشتمل اس مجموعۂ کلام میں فکر و نظر کی وہ رفعتیں ہیں۔ جو اس کو "عرشِ نظر" بناتی ہیں۔ پنڈت جی کی منکسر المزاجی واقعی قابلِ ستائش ہے۔ کہ انھوں نے اس کا نام "فرشِ نظر" رکھا۔ تاریخِ ادبیات میں۔ سور۔ تلسی۔ میراں۔ کبیر اور رس کھان جیسے شعراء خال خال ہی

نظر آتے ہیں۔ رتن صاحب بھی بیک وقت شاعر و عابد ہیں ان کے کلام میں عرفان اور وجدان سے عبارت خلوص آگیں جذبات کی فراوانی ہے۔ دوسرے عروں کی اختر بختر لڑانے سے شعر تو بن سکتا ہے اور اس میں وہ ہیجانی کیفیت بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جو شاعری میں چھتیں اڑا سکے مگر اس میں روح طہارت نہیں پھونکی جا سکتی۔ رتن صاحب کے کلام کی سب سے بڑی خوبی یہی شعری پاکیزگی ہے اور یہ ایک عمر کی ریاضت و عبادت کا ثمرہ ہے۔ دائمی اقدار پر مبنی شاعری کو ضرور کلیجے سے لگانا چاہیے۔ اور "فرشِ نظر" میں مروجہ مشروعات و ممنوعات سے بالاتر اخلاقیات کی ترجمانی ہے۔ یہ مجموعہ کلام کسی سطح پر شاملِ نصاب ہونا چاہیے۔ مجھے مندرجہ ذیل اشعار بہت پسند آئے۔ ؎

کس نہ بیند آشکارا جلوۂ مستور را
نور ہم خود پردہ گردد آں رُخ پرنور را

از حدودِ شرع بیروں شو کہ بینی جلوہ اش
محرمِ حق بشکند پابندیٔ دستور را

دُنیا ملی تو ہاتھ سے عقبیٰ نکل گئی
اک مشتِ خاک کے لئے گوہر کو کھو دیا

حسن طلب تو یہ ہے کہ محبوب پُر غرور
طالب کے در پہ آپ پہنچ کر صدا کرے

کچھ ایسے بھی مقام آتے ہیں راہِ عشق و الفت میں
جہاں طالب کو اکثر الحذر کہنا ہی پڑتا ہے

چشمِ باطن جو کھلی شانِ حقیقت دیکھی
ایک پردے میں بہم وحدت و کثرت دیکھی

گزر حدِّ تعیّن سے قدم آگے بڑھا اپنے
لگا کر نعرۂ منصور بندے سے خدا بن جا

اس قسم کے اشعار قریب قریب ہر صفحہ پر قاری کو ملیں گے۔

جناب پروفیسر نثار اٹاوی۔ ایم۔ اے

ترویج زبان اور خدمت ادب کے لئے اُردو زبان شعرائے پنجاب کی ہمیشہ گرانبار منت رہے گی۔ آج بھی وہاں متعدد اہلِ فکر و سخن اسی کام میں مصروف ہیں۔ انھیں دلدادگانِ شعر و سخن میں حضرت رتن پنڈوروی کا نام گرامی سرفہرست نظر آتا ہے۔ موصوف ایک صاحبِ دل بزرگ اور استادِ فن ہیں۔ آپ نے ابو الفصاحت

حضرت جوشؔ ملسیانی اور اعتبار الملک حضرت دِل شاہ جہانپوری مرحوم کے دامنِ فیض میں تربیت پائی ہے۔ لہذا یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ جہاں تک فنی رکھ رکھاؤ اور پاکیزگیٔ زبان کا تعلق ہے۔ کوئی رتن صاحب کے کلام پر انگشت نمائی کی جراٗت نہیں کر سکتا۔

مجھے ان کی ابتدائی زندگی کے واقعات نے بے حد متاثر کیا اور میں انھیں پڑھ کر اس نتیجہ پر پہنچا کہ رتن صاحب نہ صرف ایک اچھے شاعر بلکہ بلند خصوصیات کے انسان بھی ہیں۔ میں شاعر سے زیادہ انسان کی قدر کرتا ہوں۔

رتن صاحب کو زبان پر قدرت حاصل ہے۔ ان کی شاعری کا مرکز تصوّف اور ویدانت کے وہ اصول ہیں۔ جو دیر و حرم کی سرحدوں سے دور اپنی دُنیا بساتے ہیں۔ اور جہاں تمیزِ مذہب و ملّت اور تفریقِ کفر و ایماں باقی نہیں رہتے۔ اور اسی لئے وہ کہیں رسولِ عربی کی شان میں مدح سرا نظر آتے ہیں اور کہیں گورو نانک کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ ان کا مسلک ایک صوفی یا ایک رشی کا مسلک ہے۔ اِن کی غزلوں کا انداز اگرچہ روایتی ہے۔ مگر ان روایات کے پیچھے بھی ایک تاریخ ہے۔ ایک دلکشی ہے۔ اور وہ خلوص ہے۔ جو شعر کے قالب میں زندگی کی روح پھونکتا ہے۔

حضرت شفاؔ گوالیاری

حضرت رتن پنڈوروی انتہائی کہنہ مشق۔ پختہ کلام۔ خوش گو شاعر ہیں اور استادانہ درجے کے مالک ہیں۔ آپ کا شمار پنجاب کے مشاہیر ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ پنجاب کے جو نورتن ہیں اُن میں سے ایک رتن آپ بھی ہیں۔ آپ نہایت مستغنی المزاج شہرت سے بے نیاز صوفیانہ اور قلندرانہ زندگی گزارنے والے ہیں۔ ہمیشہ خاموش خدمت ادب و شعر کرتے رہے۔ اور ملک و وطن کی اصلاح و تعمیر۔ انسانیت دوستی کے گیت گاتے رہے۔ آپ کا مجموعۂ کلام "فرشِ نظر" اہلِ نظر کے لئے عرشِ نظر ہے۔ آپ کے

کلام میں وہ تمام خصوصیات اور بلندیاں موجود ہیں جو ایک بالغ نظر۔ روشن دماغ اور باشعور شاعر کے یہاں ہونی چاہئیں۔ اشعار میں سوز و اثر ہے۔ خیال میں تازگی۔ بیان میں ندرت۔ زبان میں شستگی ہے۔ اور فنی خامیاں یا کوتاہیاں بھی نہیں پائی جاتیں۔ اس طوفانی دور میں جب کہ ادب و شعر اور زبان کو ترقی پسندی کی تلوار سے قتل کیا جا رہا ہے۔ اور شاعری کی صورت مسخ کی جا رہی ہے۔ آپ کی احتیاط نظر قابلِ داد ہے۔ خدا آپ کو تادیر سلامت رکھے اور ادب و شعر کی خدمت کی مزید توفیق دے۔

ڈاکٹر ابو محمد صاحب سحر پروفیسر شعبۂ اردو ٹی۔ آر۔ ایس کالج ریوا

پنڈت رلا رام رتن پنڈوروی پنجاب کے ان چند بزرگ و برگزیدہ شعرا میں سے ہیں جنہوں نے اردو زبان و ادب کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ تحصیل علم اور تلاش معاش کے انتہائی صبر آزما مراحل طے کرنے کے بعد اب سری ہرگوبند پور میں دریائے بیاس کے کنارے ایک غیر آباد مندر میں درویشانہ زندگی گزار رہے ہیں۔ جس شخص نے حصولِ تعلیم کے لئے درختوں کے پتے اُبال کر کھائے ہوں۔ گھاس کا ٹی ہو اور کتابوں کی نقلیں حاصل کرنے کے لیے پچاس پچاس میل پیدل سفر کیا ہو اُس کا ذوق علم اور مادۂ جد و جہد نہ صرف لائقِ احترام بلکہ قابل پرستش ہے۔ پنڈت رتن پنڈوروی کی داستان حیات بلاشبہ اس کی سزا وار ہے کہ ہمارے غریب ملک کے ذوقِ علم و ادب کی تاریخ میں آب زر سے لکھی جائے۔

پنڈت رتن پنڈوروی بچپن میں حضرت افق لکھنوی کے کلام سے متاثر ہوئے جو اُس وقت کی درسی کتابوں میں شامل تھا۔ باقاعدہ ملازمت کے بعد انھوں نے حضرت امیر مینائی کے شاگرد حضرت دلؔ شاہ جہان پوری کو اپنا کلام دکھانا شروع کیا اور ان کی علالت کے زمانہ میں حضرت جوشؔ ملسیانی سے بھی استفادہ کیا۔ رتن صاحب نے ایک مقطع میں کہا ہے۔

تمہاری خوش نوائی اے رتن گمنام سی کیوں ہے
لیکن وہ ایسے گمنام بھی نہیں۔ ۱۹۳۴

بہت شیریں سخن تم ہو بہت شیریں نوا تم ہو
عیسوی میں اُن کو بزم ادب لاہور نے

علامہ تاجور نجیب آبادی کے زیر صدارت ایک جلسے میں "نباضِ سخن،، اور "ممتاز الشعرا،، کے خطابات عطا کئے تھے ۔ اسی طرح ۱۹۵۸ء میں بزمِ ادب جالندھر نے بھی لسان الہند اور راس الادبا کے خطابات دے کر ان کی استادی اور کمال کا اعتراف کیا۔ پنجاب کے اُردو شعرا کی ایک اچھی خاصی تعداد اُن کے تلامذہ میں داخل ہے ۔ اُردو نثر میں کئی علمی ۔ ادبی اور درسی کتابیں ان کی تصنیف و تالیف میں سے ہیں ۔ اور بعض شائع بھی ہو چکی ہیں۔ حال میں نندہ پبلیکیشنز پٹھان کوٹ نے اُن کی غزلوں ۔ نظموں اور رباعیوں کا ایک مجموعہ "فرشِ نظر،، کے نام سے شائع کیا ہے ۔

یوں تو پنڈت رتن نے دیگر اصنافِ سخن میں کامیابی سے طبع آزمائی کی ہے ۔ لیکن فرشِ نظر کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غزل گوئی اُن کا خاص میدان ہے ۔ اور جیسا کہ اُن کے سن و سال ، سلسلۂ تلمذ اور طبعی میلانات کا تقاضا تھا اُن کی غزلیں قدیم رنگ کی ترجمان ہیں۔ اردو شاعری میں قدیم و جدید کی تفریق کو نمودار ہوئے ۔ ایک زمانہ ہو گیا جس کے خوش گوار اثرات غزل بھی قبول کر چکی ہے ۔ اور بظاہر قدیم رنگِ تغزل ایک داستانِ پارینہ ہو کر رہ گیا ہے ۔ لیکن جو شعرا اس رنگ کو اب بھی خاصے جاندار روپ میں پیش کر سکتے ہیں ۔ وہ اپنی ایک اہمیت رکھتے ہیں "فرشِ نظر،، اہلِ ذوق اور اربابِ نظر کی توجہ کی خاص طور سے مستحق ہے ۔ کیوں کہ اس میں قدیم رنگِ تغزل کی ایک نکھری ہوئی شکل ملتی ہے ۔

فرشِ نظر کی غزلیں زبان کی صحت و صفائی ۔ زورِ بیان اور حسنِ ادا سے بھرپور ہیں ۔ حضرت رتن لطفِ زبان اور محاورہ بندی کے پرستار ہونے کے باوجود ۔ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ شاعری ایک وہبی اور فطری چیز ہے ۔ چنانچہ انھوں نے اپنے شعروں میں وہی کچھ نظم کیا ہے جس کا اُن کی زندگی اور شخصیت سے گہرا لگاؤ تھا ۔ ان کا یہ دعویٰ حرف بہ حرف صحیح ہے کہ "راقم الحروف نے عرفان و تصوف ۔ عشقِ حقیقی اور اخلاق و فلسفہ کو پیش پیش رکھا ہے اور ہر نقش کو صادقانہ محبت کا رنگ دینے کی کوشش کی ہے،، کہیں کہیں عشقِ مجازی کی نقش گری بھی انھوں نے بڑے دلکش انداز میں کی ہے ۔ رتن صاحب کے کلام کا صحیح لطف تو فرشِ نظر کے مطالعے ہی سے حاصل ہو سکتا ہے ۔ یہاں بطور نمونہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں ۔

کلیجے سے لگا رکھا ہے دنیا بھر کا غم ہم نے — یہی ہے زندگی یارب تو یہ ہم کو نہ دی ہوتی

نہ ہوتا آشیاں تو بجلیاں پیدا ہی کیوں ہوتیں — سنو اے چار تنکو اصل میں برقِ بلا تم ہو

وہ حشر ڈھایا کہ مار ڈالا ہمیں تو پہلی ہی زندگی نے — پھر اس پہ مذہب یہ کہہ رہا ہے کہ اور اک زندگی ملیگی

یہ کدورت یہ تنفر زندگی کے ساتھ ہے — ایک ہو جاتی ہے مل کر اپنے بیگانے کی خاک

بعض مقام ایسے بھی آئے رہِ نیاز میں — چھوڑ ہی دی جفا جہاں حسنِ جفا پرست نے

ملا نہ ہم کو کبھی عرضِ حال کا موقع — زباں نہ چلتی تو آنکھوں سے گفتگو کرتے

دہر بیگانۂ محبت ہے — سب کو اپنا بنا کے دیکھ لیا

اب یہ عالم ہے کہ میری آواز — تیری آواز ہوئی جاتی ہے

جمودِ زندگی سے پوچھتا ہوں — جو تھا بے تاب اب وہ دل کہاں ہے

ابو محمد سحرؔ - یکم نومبر ۱۹۶۵ء

حضرت شفیق مینائی شاہجہانپوری

جناب رتن دورِ حاضر کے اردو شعرا میں ایک بلند مقام حاصل کر چکے ہیں۔ خصوصاً تغزّل میں اُن کا ایک خاص رنگ ہے۔ اور وہ ایک دلکش اسلوبِ بیان کے مالک ہیں۔ مفہوم و معانی کے ساتھ ساتھ زبان کی فصاحت اور بلاغت بھی جلوہ فرما ہے۔ ان کی ہر غزل سادگی و پرکاری کا ایک حسین امتزاج نظر آتی ہے۔

مجموعہ کلام میں اختصار اور انتخاب سے کام لیا ہے یہ بھی اُن کی فن کاری اور پختہ کلامی کی ایک نادر مثال ہے۔ غزلیں مختصر ہیں مگر پُر اثر اور کیف آفریں تغزّل کے ساتھ ساتھ تصوف کی چاشنی بھی ہے۔ جو ان کے جذبۂ عرفان کا ثبوت دیتی ہے۔ جذباتِ محبت کے دوش بدوش دورِ حاضر کے تاثرات بھی اکثر اشعار میں نظر آتے ہیں۔

میدانِ نظم سے بھی وہ بڑے ماہرانہ انداز سے گزرے ہیں۔ مجموعہ کلام میں صرف چند نظمیں ہیں۔ مگر ہر نظم اپنی جگہ مکمل اور دلی احساس کی ترجمان۔ خصوصاً "ماں"

اور آزادی کا شمار کامیاب ترین نظموں میں کیا جا سکتا ہے۔ نعت سرورِ کائنات اور گورو نانک دیو کے ایک ایک شعر سے حسنِ عقیدت اور جذبۂ خلوص ٹپکتا ہے۔
موصوف نے رباعی گوئی میں بھی اسی فصیح اندازِ بیان اور قدرتِ کلام جو اس صنف کے لیے ضروری ہے کو ملحوظ رکھا ہے۔ رباعیاں۔ سلاست روانی اور تاثیر سے لبریز نظر آتی ہیں۔

محترمہ سیدہ مس عندلیب زہرا کامون پوری علیگ

لسان الہند ادیبِ روحانیت و شاعرِ اخلاقیات جناب رتنؔ پنڈوروی پنجاب کے ماہرِ فن اور سنجیدہ فکر شاعر ہیں اس وقت ان کا مجموعہ کلام "فرشِ نظر" میرے پیش نظر ہے۔ اس کے سرسری مطالعہ سے جو میرے تاثرات ہوئے انھیں بیان کروں گی۔
جناب رتنؔ کی ولادت ۱۹۰۷ء میں ہوئی بچپن ہی سے انھوں نے سخن سنجی کی مشق شروع کی جو مسلسل جاری ہے اس طرح ان کی شاعری کی عمر ۴۰۔ ۴۵ سال ہوتی ہے۔ اس لئے ان کا شمار کہن سال شعرا میں ہوتا ہے۔ شاعری کے معادن علوم پر ان کو دسترس ہے۔ اس پر مزید اضافہ ان کا پیدائشی ذوقِ شاعری ہے اور اچھے اساتذہ کی رہنمائی۔
رتنؔ صاحب کی شاعری نہایت سادہ ہے۔ سیدھے سادے مضامین کو سادگی سے نظم کر دیا ہے۔ زبان و بیان میں کوئی الجھاؤ یا پیچیدگی نہیں بلکہ اس سادگی میں حسن و دل کشی ہے۔
جناب رتن کی زندگی غم و آلام کا مجموعہ ہے۔ انھوں نے بچپن سے جوانی تک کی منزلیں مصیبت میں طے کیں۔ لیکن ان کی شاعری میں قنوطیت پیدا نہیں ہوئی اگرچہ فن اور فن کار میں گہرا تعلق ہوتا ہے اس کے باوجود یہ چیز شاعر کے کلام کی عظمت کو کم کرنے کا سبب نہیں بن سکتی۔ بلکہ یہ ایک بڑی خوبی ہے کہ شاعر میں مصیبتوں پر بھی مسکرانے کی صلاحیت ہے۔
اور وہ غم اور پریشانیوں سے ہراساں اور نا امید نہیں ہوتا ؎

نویدِ راحت نہیں ملے گی یہ نا امیدی پکارتی ہے
امید لیکن یہ کہہ رہی ہے ابھی ملے گی ابھی ملے گی

ان کے ہاں دردانگیز اور پرسوز شعر بھی موجود ہیں ؎

غم کو پھر آوازدوں میں غم گساری کے لیے
آج پھر اجڑی ہوئی دنیا بسا کر دیکھ لوں

کیا ہے غم کی غمخواری نے اب تک غم غلط میرا
خوشی ہوتی اگر دل میں نہ امیدِ خوشی ہوتی

خوشی ہو۔ ناخوشی ہو۔ فرطِ غم یا شادمانی ہو
کوئی پہلو بھی ہو ہر حال میں جینا ہی پڑتا ہے

انھیں زمانے کی بے مہری کا شکوہ ہے ؎

اپنوں میں بھی نہیں ہے نشانِ یگانگی
غیروں کی بے رُخی کا کوئی کیا گلہ کرے

رتن صاحب کو تقدیر سے بھی گلہ ہے اور وہ غالباً فلسفۂ جبر سے زیادہ متاثر ہیں

کہتے ہیں۔۔۔ ؎

دیکھیں کر دکھلائے کیا مقدر
اب پاؤں تلے زمیں نہیں ہے

موجوں نے ہاتھ پاؤں تو مارے بڑے لئے
تقدیر نے مگر لبِ ساحل ڈبو دیا

اُف یہ مجبورئ بشر اور تکبّر اتنا
سخت حیرت ہے کہ کس برتے پہ تتّا پانی

گو لاکھ آرزوئیں دلِ ناتواں میں ہیں
تقدیر سو رہی ہو تو انسان کیا کرے

قدرت کی بارگاہ کا انصاف دیکھئے
بندے کے ہاتھ کچھ نہیں سب کچھ خدا کے ہاتھ

محرومیاں نصیب میں لکھی ہوں جب رتنؔ
بے فائدہ اُٹھائے کوئی کیوں دعا کے ہاتھ

رتنؔ صاحب کے ہاں تغزّل کا رنگ بھی ملتا ہے۔ حسن و عشق کی دل نواز داستان

ان کی شاعری میں پھیلی ہوئی ہے ؎

کیوں اضطرابِ عشق کا اتنا گلہ کرے
لازم ہے حسن کو بھی کہ پاسِ وفا کرے

رات بھیگی۔ چاندنی چھٹکی۔ فضا روشن ہوئی
چاہتا ہوں ان کو ایسے میں بُلا کر دیکھ لوں

سزا تو عشق نے پائی محبت کی عدالت میں
تقاضا یہ تھا پائے حسن میں بیڑی پڑی ہوتی

گدائی ایک شاہی ہے محبت کی سیاست میں
یہاں بے تاج کو بھی تاج ور کہنا ہی پڑتا ہے

شیخ صاحب اور جناب واعظ ہمیشہ سے شعراء کی لعن طعن کا نشانہ بنے رہے

ہیں۔ رتنؔ صاحب نے بھی ان کو نہیں بخشا ؎

جناب شیخ کی نفظی کرامت دیکھ لی تم نے
ذرا اعمال کی عصیاں بدوشی دیکھتے جاؤ

ہے واعظ کی زباں پر توبہ دل میں شوقِ مے نوشی
رتنؔ گندم نمائی جو فروشی دیکھتے جاؤ

مے کشو ساغر سنبھالو وہ اُٹھی کالی گھٹا
دین و دنیا ننگ کر دو زاہدِ دیں دار پر

رتنؔ صاحب درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کی سادگی اور درویشی کا اثر ان کی شاعری پر بھی ہے اکثر صوفیانہ مسائل کو پیشِ نظر رکھا ہے ؎

دلِ پامال مٹ کر ہو گیا خود حاصلِ منزل — حقیقت میں اُجڑ کر ہی یہ گھر آباد ہوتا ہے

تو ہی بتا کر یہ کوئی انصاف تو نہیں — تیرا ہی جزو ہونے پہ تجھ سے جدا رہوں

جب کبھی دید کی حسرت نے ستایا ہم کو — آئینہ دل کا اٹھا کر تیری صورت دیکھی

اخلاقی مضامین بھی ان کے ہاں پائے جاتے ہیں ؎

نیکی کی راہ حسنِ عمل میں نہ چھوڑ۔ تو — بدلے میں تجھ سے کوئی برا یا بھلا کرے

منزل بھی سامنے ہو رسائی کا شوق بھی — ہمت نہ ہو سفر کی تو رہ گیر کیا کرے

کہیں کہیں دل کو چھو جانے والی بات بھی کہہ گئے ہیں ؎

بڑھادی زندگی کی قدر و قیمت موت نے ورنہ — بغیر اِس کے بہت بے لطف اپنی زندگی ہوتی

جل نہ جائے آتشِ افسوس سے تو کیا کرے — شمع نے بھی ان سنی کر دی ہے پروانے کی بات

مرتے مرتے شمع کو پروانے نے کیا کہہ دیا — شمع خود بھی جل بجھی ہے سن کے پروانے کی بات

داستانِ عشق سن کر ہم پہ یہ عقدہ کھلا — درحقیقت عشق ہے بے موت مر جانے کی بات

ہاتھ میں تیغ نہیں دشنۂ خوں ریز نہیں — چیر دیتی ہیں کلیجے کو نگاہیں کیوں کر

زیرِ نظر مجموعہ میں تقریباً ۴۴ غزلیں کچھ نظمیں۔ خمسے۔ تاریخی قطعے اور رباعیاں شامل ہیں رتن صاحب فارسی میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں اسی مجموعہ میں ان کی چند فارسی غزلیں بھی شامل ہیں۔ نظمیں۔ عورت۔ ماں۔ حضرت محمدؐ صاحب۔ فضائلِ علم۔ مقاماتِ رتنؔ گورونانک۔ برسات۔ آزادی اور بابا لوجی کے عنوانات پر ہیں نظم آزادی میں شاعر نے بڑی خوبی سے ہندوستان پر کئی صدیوں سے مختلف حملوں کی تاریخ بیان کی ہے۔

محبت ہی کے پردے میں ہے پنہاں رازِ آزادی — نیازِ آشتی ہے درحقیقت نازِ آزادی

رسولِ اسلام آں حضرت کی مدح میں نہایت خلوص و عقیدت سے نظم لکھی ہے ؎

آیا ہے لب پہ نام رسولِ کریم کا — جلوہ نثار اُٹھا ہے ریاضِ نعیم کا

ایک رباعی بھی سن لیجئے ؎

دنیا میں رہو شانِ محبت بن کر — محفل میں رہو عین صداقت بن کر
راحت کی تمنّا ہے اگر دل میں رتن — چھا جاؤ مصیبت پہ مصیبت بن کر

اس مجموعہ میں شاعر کی روح مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہے۔ کبھی غزل میں حسن و عشق سے متاثر ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور کبھی حسن حقیقی کا طواف کرتی نظر آتی ہے۔ کبھی فطرت کے جمالیات سے متاثر ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ کبھی اخلاق و معاشرت کے متعلق اپنے تجربوں کے الفاظ میں تصویر کشی کرتی ہے۔ کبھی مذاہب کے مشہور ہیرو سے کسب فیض کرتی نظر آتی ہے۔

خدا کرے جناب رتن کے کلام کے دوسرے حصّے بھی زیور طبع سے جلد آراستہ ہوں تاکہ پوری روشنی میں آپ کے ادب و فن پر رائے ظاہر کی جا سکے۔ اور ادب دوست آپ کے ادبیات کے خوان یغما سے لطف اندوز ہوں۔

(عندلیب زہرا کامونپوری علیگ)

جناب قاسم شبّیر نقوی نصیر آبادی

رتن صاحب کا مجموعہ کلام اُن کی زندگی اور فن کی مطابقت کا روشن آئینہ ہے مجھے ان کے کلام میں عموماً خلوص جذبات اور سادگیٔ بیان کے اعلےٰ نمونے ملے ہیں۔ فنّی بے راہ روی سے خاصی احتیاط ملتی ہے۔ غزلوں میں زمینوں کا انتخاب۔ ان کی طبعیت کی رسائی اور نُدرت کا ثبوت ہے۔ مشکل قافیوں میں شگفتہ بیانی قابلِ ستائش ہے۔ غیر شاعرانہ ماحول اور عسرت کی زندگی سے دوچار رہ کر ان کی شاعرانہ موشگافیاں اور ادبی کاوشیں دوسروں کے لئے قابلِ عبرت ہیں۔ فنّی حیثیت سے اِن کے کلام میں وہ پنجابیت نہیں ہے جو اودھ کے شاعرانہ خط و خال سے کسی حد تک ممیّز ہوتی ہے۔ اور جس سے ڈاکٹر اقبال مرحوم بھی الگ نہیں رہ سکے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اودھ کے مدرسۂ فکر اور مکتبۂ خیال سے ذہنی طور پر زیادہ تر وابستہ رہے ہیں۔ مجموعی حیثیت

سے اِن کا یہ شعری مجموعہ واقعی توجّہ اور داد کے قابل ہے۔

جناب مولوی سید طالب عباس صاحب حسن۔ الہ آباد

کلام دیکھنے سے معلوم ہُوا کہ موحد کا کلام ہے اور ایسے موحد کا جس کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عقیدت معلوم ہوتی ہے۔
فنّی اعتبار سے کلام نہایت پختہ اور با اثر ہے۔ زبان۔ بندش اور تخیل میں دہلی اور لکھنؤ کی اُردو شاعری کے آثار نمایاں تر پائے جاتے ہیں۔ بہر حال رتن پنڈوروی کی یہ خدمت اُردو، اور اس زمانہ میں؟ انتہائی قابلِ قدر ہے۔

حضرت شہاب سرمدی (آگرہ)

میں فرشِ نظر کو پڑھ کر بہت متاثر ہوا ہوں۔ سب سے زیادہ اُس کی اس خصوصیت سے کہ اس کے رچنا کار میں "خلوصِ فکر" اور سلیقۂ بیان کی غیر معمولی صلاحیت ہے۔ اِس کے علاوہ اِس کی اِندری بیتی ہوئی ہے۔ اس کی آتما گھٹی ہوئی فضاؤں کے شکنجوں سے آزاد ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اُردو غزل کا مزاج داں ہے۔

حضرت عالم یوسفی جعفری رحمانی (لاہور)

زندہ باد رتن زندہ باد۔ اس قحط الرجال کے زمانے میں آپ کا یہ ذوقِ ادب ——— اور آپ کی شخصیت دُنیائے اُردو کے لئے غنیمت ہی نہیں نعمت ہے۔
حضرت ادر جائسی مدظلہ نے کیا بلیغ جملہ لکھ دیا ہے کہ اس دَور میں رتن پنڈوروی ایسے سپوتوں پر ناز ہونا چاہیے اور اِس سے پہلے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت رتن پنڈوروی کا کلام دورِ حاضر میں موتیوں میں تولنے کے قابل ہے۔
حضرت رتن پنڈوروی میرے نزدیک ادب قدیم وجدید کا سنگھم ہیں ان کی اعتدال

پسندی ۔پختہ کاری ۔کہنہ مشقی ان کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے ۔ ان کی زبان اور اسلوب بیان میں دبستان دہلی و لکھنؤ و پنجاب کی خصوصیات کی آمیزش حسن و خوبی کے ساتھ ملتی ہے ۔

قطعہ

جہانِ عقل میں جادو اثر ہے | کمالِ وصف سے مقبول تر ہے
یہ عرشِ علم یا فرشِ نظر ہے | ہے اِک اِک شعر آئینہ سخن کا

علاّمہ ماہر القادری ۔ کراچی

رتنؔ پنڈوروی کو حضرت دِل شاہ جہان پوری سے شرفِ تلمّذ حاصل ہے ۔ اور حضرت جوشؔ ملسیانی سے بھی استفادہ کیا ہے ۔ انھوں نے لکھا ہے ۔

"۱۹۳۴ء میں بزم ادب لاہور کے زیر اہتمام علاّمہ تاجور نجیب آبادی کی زیر صدارت جلسہ ہوا جس میں خاکسار کو نباضِ سخن ، ممتاز الشعراء کے خطابات سے نوازا گیا ۔"

"۱۹۵۸ء میں بزم ادب جائس (یو۔پی) کی طرف سے لسان الہند اور راس الادبا کے خطابات عطا ہوئے ۔"

جناب رتن پنڈوروی متعدد کتابوں کے مصنف ہیں اور کئی درجن شاگردوں کے استاد ہیں ۔ رتن صاحب نے شادی نہیں کی ان دنوں سری ہرگوبند پور کے ایک غیر آباد مندر میں سادھوؤں جیسی زندگی بسر کر رہے ہیں ۔ ایک طرف بیاس کا کنارہ اور مندر کا ماحول دوسری طرف اُن کو نعت رسول لکھنے کی بھی سعادت میسّر آئی ہے ۔

رتن پنڈوروی کے کلام میں سادگی کے ساتھ سنجیدگی ملتی ہے ۔ سیدھی سچی باتیں کسی قسم کا کوئی الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں ۔ وہ طبعاً شوخ و رنگین نہیں سنجیدہ اور متین واقع ہوئے ہیں ۔ یہی چیز اُن کی شاعری میں جھلکتی ہے ۔

حضرت ناصر کرنولی

حصولِ علم کے لئے جو تگ و دو پنڈت جی نے کی ہے ۔ آج کل یہ بالکل عنقا ہے ۔

ایک کتاب کو حاصل کرنے کے لئے پا پیادہ پچاس پچاس میل کا سفر کرنا شیریں تک رسائی حاصل کرنے سے کم نہیں۔ جس شخص نے ابتدائی زندگی میں اتنی صعوبتیں برداشت کی ہوں اس کے کلام میں درد و غم کی آگ اور گداختگی کی کیفیت فطری طور پر پیدا ہو جاتی ہے۔ رنج والم کا بیان جس بے ساختگی کے ساتھ ادا ہوتا ہے۔ یہ تاثر دوسرے بیان میں کم نظر آئے گا۔

پنڈت جی کے کلام میں لکھنؤ کا قدیم رنگ جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ پنجابی ہوتے ہوئے بھی وُہ زبان پر عبور تام رکھتے ہیں۔ محاوروں کی بندش اور طرز ادا میں بھی امتیازی خصوصیت کے حامل ہیں۔ مضامین میں شوخی بھی ہے اور تازگی بھی۔ کلام میں برجستگی ہے اور روانی بھی۔

جناب نواب عالم بارہوی ایم۔ اے۔ بی۔ اے آنرز گیڈٹ کالج کوہاٹ

"شاعری ایک وہبی چیز ہے اور قدرتی عطیہ لیکن یہ بھی ایک بے نقاب حقیقت ہے کہ غریبی۔ بے کسی۔ بے بسی۔ ناداری۔ تہیدستی۔ تباہ حالی اور کوتاہ بختی ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو شاعر بنانے میں بہت بڑی معاون ثابت ہوتی ہیں۔ جس شخص کو ہر کوئی ٹھکرائے جو اپنے گھر گھاٹ سے بھی گیا گزرا ہو۔ جس کے ہر قدم پر محشر کے ہنگامے بپا ہوں جس کا خرمن آرزو ہر وقت بجلیوں کی زد میں رہے، جس کی تمنا عمر بھر حد تمنا سے آگے نہ بڑھ سکے، آلام و مصائب جس کا گہوارہ ہوں اور شدائد و مکائد جس کے دل بہلاوے کا سامان، جس کی ہر خوشی گریاں اور ہر غم خنداں نظر آئے، موت جس کی یار غار اور ناکامی جس کی غمگسار ہو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اُس کا دل سراپا درد، سراپا سوز، سراپا گداز اور سراپا ایثار نہ ہو اور یہی چیزیں ہیں جو شاعری کی بنیاد یا جان کہی جا سکتی ہیں"۔ یہ ہیں وہ تمہیدی الفاظ جو حضرت رتن جیسے کہنہ مشق شاعر نے اپنے مجموعۂ کلام "فرشِ نظر" کے شروع میں اپنی شاعری سے متعلق لکھے ہیں، حضرت رتن کی نثر کا ایجاز و اختصار ان کے محاسن شاعری کی قسم کھا رہا ہے وہ شاعر تو ہیں ہی۔ ایک کامیاب انسان بھی ہیں۔ اور اُن کی زندگی کے ارتقائی منازل شاہراہِ حیات کے کٹھن مراحل جنہیں حضرت رتن نے بڑے سکون سے طے کیا یقیناً اُن کی شاعری کی رُوح اور اُن کی سخن طرازی کی جان ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ "شاعری تخیل کا لاوا ہے" انسانی ذہن کی بھٹی میں تخیلات و تفکرات

کی جو آگ بھڑکتی ہے۔ اور اُس سے جذبات و احساسات میں جو ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔
اُس کے انخلاء کے لئے اگر شاعری کا سہارا میسّر نہ آئے تو انسانی جذبات اور اُس کے جبلّی
رجحانات کی تہذیب و تربیت مشکل ہو جائے۔ اور اگر سمندِ فکر کو تازیانۂ مصائب و آلام مہمیز
دے دے تو شاعر حقائق و معارف کی منزل پر جا پہنچتا ہے۔ فکر کی بالیدگی کے لئے کچھ ایسی
ہی فضا مناسب و موزوں ہے اور درد و سوز و گداز اسی آغوش میں تربیت پاتے ہیں حضرت
رتن کی زندگی اصل میں ایک بہترین شاعر کی بہترین زندگی ہے۔ ایک مایوس اور شکستہ دل انسان
کا دورِ دراز کے سفر کو پیدل طے کر کے منزل پر پہنچنا اور پھر حوادثِ روزگار پر مسکرا دینا ؎

موجوں نے ہاتھ پاؤں تو مارے مرے لئے
تقدیر نے مگر لبِ ساحل ڈبو دیا
اتنی ہی سرگزشت ہے باغِ حیات کی
غنچے نے مسکرا دیا شبنم نے رو دیا

ان کی شاعری کا خمیر ان کی زندگی کے ایسے ہی واقعات سے تیار ہوا ہے وہ جگہ جگہ پورے
پورے واقعات ایک شعر میں بیان کر جاتے ہیں اور اکثر اپنے دور کے نامساعد حالات کی طرف
بڑے بلیغ اشارے کرتے ہیں اِس طرح ان کی شاعری جہاں اُن کے دور کی مفلوک الحالی کی عکاسی
کرتی ہے وہاں خود اُن کی زندگی کی بڑی پُر تاثیر داستان سناتی ہے ؎

جی میں ہے پامالیٔ دل آزما کر دیکھ لوں
پھر ذرا راہِ طلب میں خاک اڑا کر دیکھ لوں
غم کو پھر آواز دوں میں غم گساری کے لئے
آج پھر اُجڑی ہوئی دنیا بسا کر دیکھ لوں

کلیجے سے لگا کر غم کو ہم مسرور رہتے ہیں
ہماری سخت جانی سخت کوشی دیکھتے جاؤ

نہ زندگی ہی میں مل سکی ہے نہ مرگ ہی سے خوشی ملیگی
ملی ہے جو دل کی بے قراری ہر اک جگہ بس وہی ملیگی
نوید راحت نہیں ملے گی یہ ناامیدی پکارتی ہے
امید لیکن یہ کہہ رہی ہے ابھی ملے گی ابھی ملے گی
وہ شر ڈھایا کہ مار ڈالا ہمیں تو پہلی ہی زندگی نے
پھر اس پہ مذہب یہ کہہ رہا ہے کہ اور اک زندگی ملیگی
مری تمنا حدِ تمنا سے بڑھ سکے گی نہ بڑھ سکی ہے
یہی یقیں ہے کہ رنج و غم سے نہ جیتے جی مخلصی ملیگی

دلِ پامال مٹ کر ہو گیا خود حاصلِ منزل
حقیقت میں اُجڑ کر ہی یہ گھر آباد ہوتا ہے

گو لاکھ آرزوئیں دلِ ناتواں میں ہیں
تقدیر سو رہی ہو تو انسان کیا کرے

مقدّر نے مجھ کو یہاں تک رُلایا
زمانہ ہے گریاں مری داستاں پر

لیکن حضرت رتن کی زندگی کی خوبی یہی ہے کہ وہ آلام و مصائب پر آنسو نہیں بہاتے - آلامِ روزگار کا شکوہ نہیں کرتے۔ فضول چیخ پکار میں وقت ضائع نہیں کرتے۔ بلکہ دریاؤں کا سینہ چیرتے ہوئے اور پہاڑوں سے راہ بناتے ہوئے بڑی سلامت روی سے دُنیا میں اپنا مقام تلاش کرتے ہیں۔ حضرت رتن ان مشکلوں سے عرفان و حقیقت کی راہیں نکالتے ہیں اور حق شناسی کی منزل کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ حصولِ علم کا شوق اور حقیقت کی جستجو انھیں تفکرات و مصائب روزگار سے بے نیاز بنا دیتے ہیں ؎

ہر بگولا صورتِ سروِ سہی ہے اے رتنؔ باغ سے کچھ کم نہیں ہے میرے ویرانے کی خاک

انھیں اپنی عظمت اور حق شناسی کا احساس ہے اور یہی چیز ہے جو ان کے دل کو تقویت دیتی ہے اور وہ اِس دنیا سے اپنا رشتہ تقریباً توڑ لیتے ہیں اور عرفان میں ڈوب کر خدا سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں ؎

یہ تو مانا قابلِ عظمت ہے پروانے کی خاک کعبۂ اہلِ وفا ہے میرے ویرانے کی خاک

دل اُس منزلِ عشرت پرور میں پہنچا فرشتوں کے بھی جل رہے ہیں جہاں پر

جُدا وہ ہوتے تو ہم ان کی جستجو کرتے الگ نہیں ہیں تو پھر کس کی آرزو کرتے

زندگی راز ہوئی جاتی ہے پردۂ ساز ہوئی جاتی ہے

اب یہ عالم ہے کہ میری آواز تیری آواز ہوئی جاتی ہے

تیرا جمال سب کے لئے دل پذیر ہے لیکن ذرا ہمارے بھی ذوقِ نظر سے پوچھ

تجلّی ذرّے ذرّے میں ہے اُس کی مگر تابِ نظر اے دل کہاں ہے

غریقِ بحرِ الفت ہو چکا ہوں مجھے اب کیا خبر ساحل کہاں ہے

بڑھی ہیں طور سے آگے نگاہیں رتن حیران ہوں منزل کہاں ہے

لطفِ خودی یہی ہے کہ شانِ بقا ہوں انسان کے لباس میں بن کر خدا رہوں

حضرت رتنؔ اداشناس اور حسن پرست ہیں۔ وہ کسی ایک نظریہ کی پابندی کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ وہ محبوب حقیقی تک پہنچنے کی دھن میں بڑھے چلے جا رہے ہیں۔

اور کسی ایک رہ نما پر اکتفا نہیں کرتے ۔

ان کے گھر کا پتہ ہر قدم پر   پوچھ لیتا ہوں ہر ہم سفر سے

اور یہی چیز ہے جس نے اُن کو وقّتِ نظر۔ عمقِ فکر۔ وسعتِ قلب اور پختگی خیالات جیسے اوصاف سے نوازا ہے۔ ان کی شاعری اک ایسے کام یاب انسان کی شاعری ہے جس نے پتے کھائے لیکن اپنے کام میں تعطّل نہ پیدا ہونے دیا۔ بلکہ رفتارِ عمل تیز تر کر دی اور اسی وجہ سے ان کی شاعری عام شاعری سے بہت آگے بڑھ کر اس مقام پر پہنچ گئی جہاں شاعری کو جزوِ پیغمبری قرار دیا جاتا ہے۔

نواب عالم مارھوی۔ ایم۔ اے بی۔ اے۔ آنرز کوہاٹ

حضرت پرویز۔ ایم۔ اے

کتاب ابھی جستہ جستہ دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ اس سے لطف اندوز ہو رہا ہوں اور یہ مصرع زبان پر آ رہا ہے۔ ؎

اے وقتِ تو خوش کہ وقت من خوش کر دی

"فرشِ نظر" سے متعلق چند اشعار ہو گئے جو پیش خدمت کر رہا ہوں ۔

سر بسر شاہراہِ درخشاں   کہکشاں ہے کہ "فرشِ نظر" ہے
کوئی دیکھے تخیّل کی رفعت   آسماں ہے کہ "فرشِ نظر" ہے
جس میں آباد جذباتِ دل ہیں   وہ جہاں ہے کہ "فرشِ نظر" ہے
سجدہ گہہ ہے یہ اہلِ ادب کا   آستاں ہے کہ "فرشِ نظر" ہے
کر رہا ہے دلوں کو معطّر   گلستاں ہے کہ "فرشِ نظر" ہے
ہے رواں منزلِ دل کی جانب   کارواں ہے کہ "فرشِ نظر" ہے

کارنامہ جنابِ رتن کا
ایک مخزن ہے یہ فکر و فن کا

(پرکاش ناتھ پرویز ایم اے)

پدم شری برہم ناتھ دت صاحب قاصرؔ امرتسری

میں نے آپ کی تصنیفِ لطیف کو بڑی دلچسپی سے پڑھا اور بڑا محظوظ ہُوا۔ آپ نے غزل و نظم دونوں میں قدرتِ کلام اور مہارتِ فن کا حق ادا کر دیا ہے۔ آپ کے شاعرانہ کمالات کا اعتراف کرتا ہوں ۔ ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

انگریزی اخبار ٹریبون چنڈی گڑھ ۲ مئی ۱۹۶۵ء

"فرشِ نظر" جناب رتن پنڈوروی کی چیدہ غزلوں اور نظموں کا پہلا مجموعہ ہے۔ وہ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور اپنے خاموش ڈھنگ سے غزل کی عظمت کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش میں ہیں۔ حضرت جوشؔ ملسیانی اور حضرت دلؔ شاہجہان پوری سے فیض یاب ہونے کی صورت میں انھوں نے اپنی فنی ریاضت سے اُردو غزل میں استاد کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

انھوں نے زندگی کی کرب ناک شدائد کا جس ڈھنگ سے سامنا کیا ہے۔ اس سے ان میں خود اعتمادی۔ عالی حوصلگی۔ سادگی۔ اور قدرت پر والہانہ اعتقاد پیدا ہو گیا ہے۔ ان کی شاعری میں ان کی زندگی کے تمام تجربات کی گونج پائی جاتی ہے۔ آپ اُردو زبان کے ان چند شاعروں میں سے ایک ہیں جن کا فن خیالات اور زبان کی کھوکھلی روایات پر نہیں بلکہ زندگی کے ٹھوس اور خالص تجربات پر مبنی ہے۔

ان کا کلام سخت سے سخت فنی پابندیوں کے باوجود زندگی کی دھڑکنوں اور جولانیوں سے آراستہ ہے۔ ان کی غزلیں عشق کے ہر رنگ کی صحت مندانہ اور بھرپور عکاسی کرتی ہیں اور اسی کے زیرِ اثر ایک حساس دل کی اُڑانیں ایک فن کار کی استادانہ اور پختہ قابلیت سے وابستہ ہو کر غزل کی شکل میں ظاہر ہوئی ہیں۔

رتن صاحب کی شاعری میں اکثر فلسفیانہ اور عارفانہ مضامین پائے جاتے ہیں لیکن

بعض مقامات پر ایسا دکھائی دیتا ہے کہ وہ زندگی کا اپنا نظریہ پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بے شک غزل کی خاص شکل خیالات کے تسلسل کی اجازت نہیں دیتی پھر بھی ناظرین کی تیز نظروں سے یہ بات چھپ نہیں سکتی کہ رتن صاحب کے لئے زندگی ایک لامتناہی اور اہم جدوجہد ہے جو کوئی بار تکلیف دہ اور ہمت شکن تو ضرور ہے۔ لیکن یہ ایسی جدوجہد ہے جو ہمارے تجربہ میں ضرور آنی چاہیئے۔ ان کے فن میں زندگی سے فرار کا عارضہ یک قلم معدوم ہے۔ حسن زبان وبیان اور بحور کی عقیدت مندانہ پابندیوں نے ان کے جذبات کی شدت کو کچھ روکے رکھا ہے۔ اس پر بھی "فرش نظر" میں غزل کی رومانی اور کلاسیکل روایات کا صحت مندانہ اور موزوں امتزاج پایا جاتا ہے۔ (انگریزی سے ترجمہ)

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ نئی دہلی

پنڈت رلا رام رتن پنڈوروی اردو ادب کے خدمت گزاروں میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ حضرت دل شاہجہانپوری اور حضرت جوش ملسیانی جیسے عظیم المرتبت استادوں سے انھوں نے فیض اصلاح سخن پایا ہے۔ ان کے دیوان "فرش نظر" میں فارسی کلام۔ اردو غزلیں نظمیں۔ رباعیاں اور تاریخی قطعات شامل ہیں غزلوں میں امیر مینائی اور داغ دہلوی کے رنگ نمایاں ہیں کلام میں پختگی۔ متانت اور روانی ہے۔ تصوف کا میلان غالب ہے۔ ص ۴۴-۵۶ پر دو غزلیں شاعر کی قدرت کلام کا ثبوت ہیں ایک "ادا کا پانی" دوسری "منزل میں آگ" ہمارے کہنہ مشق شاعر بھی مشکل سے اس کی مثال لا سکیں گے۔ نظموں میں پیغمبر اسلام نہایت قابل توجہ ہے۔ سب سے کامیاب نظم عورت ہے۔ رباعیوں میں عقیدت اور مشاہدے کا جلوا ہے۔

اخبار پرتاپ دہلی ۲۸ مارچ ۱۹۶۵ء

اردو شعر و ادب میں جناب رتن پنڈوروی کا نام نامی کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ نثری اور شعری ادب اور علم و فن میں اس گوشہ نشین شاعر نے گراں قدر اضافہ کیا ہے۔ ان کی علمی

تصانیف پنجاب یونیورسٹی کے کورسوں میں شامل رہی ہیں۔ زیر نظر تصنیف ان کی غزلوں نظموں اور رباعیوں وغیرہ کا قابل قدر مجموعہ ہے جس کے مطالعہ سے اُن کی استادانہ پختگی اور قادر الکلامی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

رسالہ پگڈنڈی امرتسر

رتن پنڈوروی اُردو کے عصر حاضر کے سُلجھے ہوئے خوش فکر شاعروں میں سے ہیں۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غزل کی قدیم روایات اور اس کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں۔ عشق مجازی کے علاوہ عشق حقیقی کے سرمایۂ لازوال سے بھی اُن کا کلام مالا مال ہے۔ اس لئے تصوّف کی جھلکیاں اُن کے اشعار میں جا بجا ملتی ہیں اُن کی پہلی غزل "ہمہ اوست" کی گویا تشریح ہے ؎

کتنا ہی رہے تو پردہ نشیں پوشیدہ نہیں آنکھوں سے مری
پردہ ہے عبث پردے کو اٹھائیں اور نہیں تو اور نہیں

حیرت ہے کہ اُن کے کلام میں غم جاناں ہے۔ لیکن غم دوراں نہیں حال آں کہ ان کے حالات زندگی (جو کتاب کے شروع میں درج ہیں) سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں عمر بھر غم دوراں کا ہی شکار رہنا پڑا۔ ان مصائب اور مشکلات کے باعث جن کا انھیں ہمیشہ سامنا کرنا پڑتا رہا اُن کا کلام سوز اور درد وغم سے مملو ہے۔ مضمون بندی اور صنائع بدائع بھی ان کے کلام کا ایک اور وصف ہے۔

غزل کے علاوہ رتن صاحب نظم گوئی پر بھی قادر ہیں۔ ان کی بہت سی نظمیں بھی شامل مجموعہ ہیں۔ لیکن بنیادی طور پر وہ غزل گو ہیں۔ چند رباعیاں بھی درج کی گئی ہیں۔ جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس صنفِ سخن پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ فارسی کلام کے نمونے بھی درج ہیں۔ نمونہ کلام۔

ترے غم میں خوشی سے ہم سپردِ خاک جب ہوتے
خوشی کو تو خوشی ہوتی ہی تھی غم کو خوشی ہوتی

مکمل آدمیت سے اگر یہ بہرہ ور ہوتا
فرشتوں سے بھی بڑھ حاصل بشر کو برتری ہوتی

ہجومِ غم سے کھلا ہے یہ رازِ پنہانی
فغاں ہے میرے لئے اور میں فغاں کے لئے

جناب منوہر پرشاد صاحب ماتھر بی۔اے۔ایل ایل بی ایڈوکیٹ حیدرآباد

علامہ رلارام رتن پنڈوروی کا پنجاب کے ممتاز شعرا میں شمار ہوتا ہے۔ وہ آزاد منش انسان ہیں۔ گوشہ نشینی اور بے نیازی کے باعث انھیں وہ شہرت نہ مل سکی جس کے وہ مستحق ہیں۔ مشاعروں میں شرکت سے گریز کے باعث بھی وہ ملک کے دیگر حصّوں میں اچھی طرح روشناس نہیں ہو سکے تاہم ملک کے علمی و ادبی حلقوں میں ان کی عزّت و تکریم ہوتی ہے اور ملک کے کئی ادبی رسائل نے جن میں "مومن" بدایوں۔ "دل" بریلی۔ "رہنمائے تعلیم" دہلی۔ "احسن"، رامپور بھی شامل ہیں۔ انھیں اعزازی ادارت سپرد کی اور ان کی ادبی خدمات سے استفادہ حاصل کیا۔ لاہور اور یوپی کی انجمنوں نے اُن کی عظیم علمی۔ ادبی اور قومی خدمات کے اعتراف میں انھیں "نباضِ سخن"، "ممتاز الشعرا"، "لسان الہند"، "راس الادبا" وغیرہ کے خطابات سے نوازا۔

علامہ رتن کو شاعری نہ ورثے میں ملی نہ ادبی ماحول نے انھیں شاعر بنایا۔ اُن کے لئے اپنے خیال کے مطابق ان کی غریبی۔ بے کسی۔ بے بسی۔ ناداری۔ تہی دستی۔ تباہ حالی۔ اور کوتاہ بختی نے ان کے شاعر بننے میں بڑی معاونت کی۔ ویسے انھیں بچپن سے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی اور ملک الشعرا حضرت اُفق لکھنوی سے جن کا کلام اس دور کی تعلیمی کتابوں میں شامل ہوتا تھا وہ بے حد متاثر تھے۔ اور افق کی طرح شاعر بننے کی دھن نے انھیں جلد شاعر بھی بنا دیا اور پھر ان کی قدر و منزلت میں مسلسل اضافہ ہوتا گیا۔ ابتدا ہی سے نثر نویسی کا بھی شوق دامن گیر تھا۔ اور اُسے بھی ذوق و شوق سے پروان چڑھاتے رہے۔

ویسے تو علامہ کو ہر صنف پر قدرت حاصل ہے۔ مگر ان کی غزلیں اپنے اندر ایک عجیب بانکپن رکھتی ہیں اور جس سادگی و معصومیت سے وہ اپنا مفہوم ادا کر دیتے ہیں۔ وہ بہت کم شعرا کو نصیب ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے ان کا اپنا اسٹائل ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ انھوں نے اپنی غزلوں میں عرفان و تصوف۔ فلسفۂ حیات عشقِ حقیقی۔ اور اخلاق کو سمو دیا ہے۔ اور جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔ "ہر نقش کو صادقانہ رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ افق سے متاثر ہو کر انھیں

کی طرح ایشور سے لو لگانے پر زیادہ مائل ہیں اور انھیں اس بات کا اقبال بھی ہے کہ جو کچھ کہا ہے معبود حقیقی کو سامنے رکھ کر کہا ہے ۔ اور اپنے محبوب واحد سے راز و نیاز کی باتیں کی ہیں ۔ اُن کے بعض اشعار مراقبہ بلکہ مکاشفہ کے عالم میں کہے گئے ہیں۔

متروکات

ہزار نکتۂ باریک تر ز مُو ایں جاست
جلیلؔ شعر کا فن عمر بھر نہیں آتا

جلیلؔ مانکپوری

ہم سند کے لئے لغت میں امیرؔ

فصحا کی زبان لیتے ہیں

امیرؔ مینائی

اعتبار الملک قبلہ حضرت دل شاہ جہاں پوری مرحوم اور ابوالفصاحت قبلہ حضرت جوشؔ ملسیانی ایسے ماہرینِ فن اور محتاط ترین اساتذہ کے دامنِ فیض سے وابستگی اور ادبی تربیت کا حصول اس امر کا متقاضی تھا کہ خاکسار بھی اِس صراطِ مستقیم پر گامزن ہوتا۔ چناں چہ راقم الحروف نے چند قیود کے اندر رہ کر شعر کہے ہیں جن کی مجمل کیفیت ہدیۂ ناظرین ہے۔

اساتذۂ متاخرین کے متفقہ متروکات کے علاوہ میرے مزید متروکاتِ زبان و متروکات شعری حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ متروکات معنوی یعنی ہر قسم کے عریاں مضامین اور اُن کے متعلقات مثلاً چاہِ غبغب۔ چاہِ زنخداں۔ زلف و کمر۔ خال و خط۔ دندان و رخسار۔ رقیب۔ بوسہ۔ وصل۔ سرمہ مسی۔ پان۔ جوبن۔ دوپٹہ۔ انگیا۔ مکھڑا۔ آنچل۔ افشاں۔ چھوٹ۔ قبر۔ انگھڑی۔ میت۔ جنازہ کا ذکر۔ لاشہ۔ وصلت۔

۲۔ متروکات لفظی مثلاً یاں۔ واں۔ تلک۔ سو۔ سدا۔ تئیں۔ پرے۔ وے۔ ولیکن۔ مت۔ (حرفِ نفی)، مت (بمعنی عقل)۔ بل بے۔

۳۔ مگر بمعنی شاید۔ پر بہ معنی مگر۔ گر۔ (حرفِ شرط) تب (حرفِ جزا) گرچہ بجائے اگرچہ۔ وگرنہ بجائے ورنہ۔ بچارا بجائے بے چارا۔ کونپل بجائے کوپل۔

۴۔ آئے۔ جائے۔ کھائے وغیرہ کو آوے۔ جاوے۔ کھاوے کہنا خلافِ روزمرہ ہے۔ آنا۔ جانا۔ کھانا مصدر سے آئے۔ جائے۔ کھائے۔ فعل مضارع بنتا ہے۔ پھر بیچ میں واؤ کا لکھنا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

۵۔ بتلا۔ سکھلا۔ بٹھلا۔ دکھلا وغیرہ میں لام زائد ہے۔ بتانا۔ سکھانا۔ بٹھانا۔ دکھانا مصدر سے فعل امر بتا۔ سکھا۔ بٹھا۔ دکھا بنتا ہے۔ ایسی صورت میں لام کا لکھنا قطعاً غلط ہے۔

۶۔ چشمِ نم۔ کیوں کہ نم بمعنی تری ہے۔ بمعنی تر درست نہیں۔ اس لئے چشم پُر نم کہنا درست

ہے۔ یا چشم پر نم نارسیت ہے۔ صرف چشم نم کہنا محلِ نظر ہے۔

۷۔ اجزائے فعل کے درمیان فاصلہ اور ان کی تقدیم و تاخیر مثلاً کھلا رہے کو رہے کھلا۔ کھاتا ہے کو ہے کھاتا کہنا۔ یا یہ مصرع۔

دیکھتا مجھ کو وہ ستم گر ہے

اس مصرع میں دیکھتا ہے فعل کے دو ٹکڑے ہو کر الگ الگ جا پڑے۔

ہیں بسکہ جوشِ بادہ سے شیشے اچھل رہے

"اچھل رہے ہیں" ایک فعل تھا جس کے اجزا کو بکھیر دیا گیا ہے کبھی کبھی مجبوراً کلمہ ربط پہلے لانا پڑتا ہے۔ تاہم احتیاط لازم ہے۔

۸۔ "کیسے" ہندی بھاشا کا روزمرہ ہے اسے "کیوں کر" کے معنی میں استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔

۹۔ لفظ "دو" کو ترکیب میں دال مضموم بنا دینا فارسی ترکیب سے مخصوص ہے۔ جو فارسی لغت نہ ہو وہاں "دو" فع کے وزن پر ہو گا مثلاً "دو دن" اس میں "دو" کا وزن فع ہو گا۔ جیسے۔ مصرع۔

دو تین ٹکڑے سر کے ہوئے سِل کے چار پانچ

لیکن۔ ع غرض دوگونہ عذاب است جانِ مجنوں را

یہاں دال مضموم ہو گا۔ یعنی (دُگونہ) یا یہ مصرع ع

دو دِل یک شود بشکند کوہ را (دُدِل)

۱۰۔ ہائے اور وائے فعلن کے وزن پر نہ ہونے چاہئیں "ہائے" اگر فارسی جمع کے لیے آئے تو فاع اور فعلن کے وزن پر دونوں طرح آتا ہے مگر حرفِ تاسف ہو تو ہمیشہ فاع کے وزن پر آتا ہے اور وائے بھی ہمیشہ فاع کے وزن پر آتا ہے مثلاً غالب

ہائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا — لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

ذوق

جو نہ ہوں عقدے کبھی جوں غنچۂ تصویر وا — وائے قسمت وہ ہمارے عقدۂ مطلب بنے

۱۱۔ گاؤں۔ چھاؤں۔ پاؤں کا تلفظ فعلن کے وزن پر روزمرہ سے خارج ہے۔ انھیں فاع کے وزن پر لکھنا درست ہے جیسے

بیٹھ جاتا ہوں جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے — ہائے کیا چیز غریب الوطنی ہوتی ہے

کبھی اُس کے منہ پر کبھی اس کے منہ پر — ٹھہرتا نہیں پاؤں چنچل ہنسی کا

مصرع - بسنے کا پھر یہ گاؤں نہیں جب اُجڑ گیا

۱۲- سرائے - فارسی لفظ میں گھر کا مترادف ہے - اِسے فعولن اور فعل دونوں صورتوں میں لکھا جاتا ہے - مگر جہاں مہتّا ہو یعنی (مسافروں کی نزول گاہ) کی جگہ سرائے لکھا ہو اُس کو فعولن کے وزن پر باندھنا درست نہیں - کیوں کہ یہاں اس کے معنی گھر نہیں ہیں - ایسی صورت میں فعول یا فعل کے وزن پر لانا چاہیئے - مثلاً ماتم سرا - جہاں سرا وغیرہ تراکیب میں سرا بروزن فعل اور سرائے بمعنی مسافر خانہ فعول کے وزن پر آئے گا -

۱۳- حرفِ ندا کی تخفیف - مثلاً ؎

ہاں ہاں اے جنوں مجھ سے دہرا کے ذرا کہنا

اِس کی صحیح صورت یوں ہے - ؎

اے جوش جنوں مجھ سے دہرا کے ذرا کہنا

۱۴- حرفِ روی الف ہو تو وہاں وہ الفاظ جن کے آخر میں ہائے مختفی ہو الف سے بدل کر ہم قافیہ ہو سکتے ہیں - لیکن جب قافیہ میں عطفی و اضافی صورت آجائے وہاں یہ تصرّف ناجائز ہے - مثلاً جس زمین میں قافیہ رسوا - صحرا - دریا وغیرہ ہو وہاں ذیل کا مصرع نظم کرنا چاہیئے ؎

دیر کی توقیر بھی ہو حرمتِ کعبا بھی ہو

چوں کہ یہاں قافیہ مضاف الیہ ہے - اس لئے کعبہ کی ہائے مختفی الف سے بدل کر رسوا - صحرا وغیرہ کے ساتھ ہم قافیہ نہیں ہو سکتی - یاد رہے کہ ہائے مختفی کو ترکیبی صورت میں الف بنانا صرف قافیہ میں قابلِ ترک قرار دیا ہے - اور جگہ نہیں - بلکہ اور جگہ ایسی ترکیب ضرورتِ شعری کی بنا پر حسنِ فصاحت ہے اور کثیر الاستعمال - مثلاً

ضبط گریہ میں نہیں کرتا کہ رہتا ہے خیال

شُو کھ کر کا نٹا نہالِ آرزو ہو جائے گا

۱۵- عطفی و اضافی صورت میں اعلانِ نونِ آخر - مثلاً ؎

محبت نے سرِ انسان میں دیوانگی بھر دی

یہاں انسان کا نون غنہ چاہیئے -

فارسی کے جو الفاظ اردو میں رائج ہیں اُن کے متعلق دستور یہ ہے کہ اگر وہ بلا اضافت

ہوں تو اُن میں نون کا اعلان کیا جائے لیکن ترکیبی صورت میں اعلانِ نون جائز نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً صرف مکان یا جان کہنا ہو تو مکان اور جان اعلانِ نون کے ساتھ بولیں گے۔ لیکن اگر آفتِ جاں یا رگِ جاں کہنا ہو تو نون کا اعلان نہیں ہوگا اور کتابت میں نون بے نقطہ لکھا جائے گا۔ اسی طرح دل و جاں میں بھی عطفی صورت ہونے کے لحاظ سے نون غنہ آئے گا۔

۱۶۔ بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو ہندی بھاشا سے اُردو میں شامل ہوئے اُن کا پہلا حرف ساکن ہے اور تقطیع میں شمار نہیں ہوتا۔ مثلاً۔

نیولا۔ کیا۔ کیوں۔ بیاج۔ بیاہ۔ پیار۔ پیاز۔ پیاس۔ برج۔ کرشن۔ پریت۔ پریم۔ وغیرہ ان الفاظ میں پہلا حرف شمار میں نہیں آتا یا یہ کہیے کہ ان الفاظ میں دوسرا حرف تقطیع سے گر جاتا ہے یا خارج رہتا ہے۔ بات ایک ہی ہے۔ استادوں کے کلام میں ان تمام لفظوں کی بندش اسی قاعدے کے تحت میں آئی ہے۔ ان الفاظ کی بندش یوں ہوگی۔ نولا۔ کا۔ کوں۔ باج۔ باہ۔ پار۔ پاز۔ پاس۔ بج۔ کشن۔ پیت۔ بیم۔ دُرست مثالیں ملاحظہ ہوں۔ انشا ؎

سفرہ پہ ظرافت کے ذرا شیخ کو دیکھو　　سر لون کا منہ پیاز کا اچور کی گردن (پاز)

جوش ملسیانی ؎

عمر بھر کے کام ہم کو یاد ہیں　　کرشن کا پیغام یاد آتا نہیں (کشن)

غلط مثال ملاحظہ ہو۔ ع　جب خونِ جگر کی آمیزش سے اشک پیازی بن نہ سکا

یہاں پیازی کا لفظ فعولن کے وزن پر باندھا گیا ہے۔ حال آں کہ فعلن کے وزن پر باندھنا چاہیئے۔

۱۷۔ اشتراکِ حرفِ دخیل۔ قافیہ میں حرفِ روی سے پہلے کا حرف مطلع کے دونوں قوافی میں ایک نہ ہونا چاہیئے۔ مثلاً

ہمارے دل میں کیوں ارماں بہت ہیں　　جگہ ہے گھر میں کم مہماں بہت ہیں

حرفِ روی (الف) سے پہلے دونوں طرف میم موجود ہے۔ صوتی اعتبار سے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ صورت حسنِ قافیہ کے خلاف ہے۔ اسی طرح ذیل کے اشعار بھی ہیں ؎

نہیں یہ دُختر برہمن ہے　　دین و ایماں کی بلکہ دشمن ہے

سب پوچھتے ہیں بیٹھ رہا نامہ بر کہاں　　اپنی خبر نہیں مجھے اس کی خبر کہاں

۱۸- یادیں۔ یاد کی جمع۔ (بے ضرورت ہے محض لفظ یاد سے وہی مطلب نکلتا ہے)

۱۹- ترکیبی صورت میں جب درمیان میں ہائے مختفی جزوِ اوّل کے ساتھ آجائے تو اس کو الف بنا دینا ہر جگہ قابل ترک ہے۔ مثلاً جلوہ گر۔ خانہ ساز۔ نامہ بر۔ زندہ دل۔ خستہ جگر۔ جلوہ فگن۔ خندہ جبیں وغیرہ کو جلوا گر۔ نامابر۔ زندادل۔ خستا جگر۔ جلوا فگن۔ خندا جبیں باندھنا ناروا ہے۔ مگر خانہ خراب میں ہائے مختفی کو الف بنا دینے کا رواج بیشتر ہے اس صورت میں یہ لفظ مہند خیال کرنا چاہیئے۔ بشرطیکہ اس کے ساتھ کوئی اور لفظ مضاف وغیرہ نہ ہو مثلاً دلِ خانہ خراب

۲۰- ہنوز سے پہلے "تا" کا لکھنا قطعاً غلط ہے۔

۲۱- فارسی الفاظ کی اردو جمع میں تخفیف۔ مثلاً ع

اِن ریاگاہوں کے کیوں ناز اٹھائے کوئی

ریاگاہ فارسی ترکیبی لفظ ہے اُس کی جمع اردو طریقے پر ریاگاہوں کو پوری طرح ادا کرنا چاہیئے یعنی مفاعیلن کے وزن پر باندھنا چاہیئے۔ لیکن مندرجہ بالا مصرعے میں صرف ریاگاہ تقطیع میں آتا ہے۔ جو ناجائز ہے۔

۲۲- یار۔ نگار۔ بمعنی۔ محبوب کا استعمال انفرادی طور پر۔ ان کا استعمال معشوق کے معنی میں ترکیبی صورت میں فصیح ہے۔ مثلاً یارِ غار۔ نگارِ ادب۔ وغیرہ۔ انفرادی طور پر ان معنوں میں قابل ترک ہے۔

۲۳- جز بمعنی حصہ بغیر واؤ لانا معیوب ہے۔ جزو کہنا چاہیئے۔

۲۴- علیحدہ یہ لفظ مفاعلن کے وزن پر لانا درست ہے۔ جو لوگ اِس کو مفرد خیال کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں دراصل یہ لفظ علیٰ حِدہ ہے۔ حِدہ کے معنی ہیں یگانہ ہونا۔ یکتا ہونا۔ حِدہ دراصل وَحْد ہے۔ اسی حِدہ سے علیٰ حدہ بنا ہے۔

۲۵- گزر۔ گزارش۔ سرگزشت۔ رہ گزار وغیرہ میں زے کی جگہ ذال کا استعمال اور ذرا میں ذال کی جگہ زے کا استعمال۔ قابل ترک ہے یہ محض لکھنؤ والوں کی اُپج ہے۔

۲۶- (الف)۔ تقابل ردیفین۔ مطلع کے علاوہ جب ردیف کسی شعر کے پہلے مصرع میں آجائے تو اس کو تقابلِ ردیفین یا اجتماعِ ردیفین کہتے ہیں۔ مثلاً ؎

کتنی بے کیف ہماری شبِ تنہائی ہے
غور سے سن لو علاج اس کا تمھیں کرنا ہے

قافیہ تنہائی رسوائی وغیرہ ہے اور ہے ردیف ہے۔ اِس شعر میں مصرع اوّل کے آخر

میں ہے یعنی ردیف آگئی اس لئے تقابل ردیفین کا عیب ہو گیا۔

(ب) شبہ تقابل ردیفین۔ محتاط اساتذہ ردیف کے جزو کا تقابل بھی عیب سمجھتے ہیں مثلاً ؎

اٹھائیں سست بنیادوں نے عالی شان تعمیریں — خدا رہنے بھی دے گا ان مکینوں کو مکانوں میں

اس شعر میں مکانوں۔ آشیانوں وغیرہ قافیہ اور میں ردیف ہے۔ اب پہلے مصرع میں پوری ردیف "میں"، تو نہیں آئی البتہ (ریں) میں اس ردیف کا جزو۔ ی۔ ن (یں)، آگیا۔ اس لیئے اس کو جزوی اجتماع ردیفین یا شبہ تقابل ردیفین کہتے ہیں۔

۲۷۔ غربت بمعنی غریبی۔ مشکور بمعنی شاکر۔ عاقبت بمعنی آخر۔ تابعدار بمعنی فرماں بردار۔ جوں بمعنی مانند۔ وجہ ترک یہ ہے کہ غربت کے معنی مسافری کے ہیں۔ مشکور مفعول کا صیغہ ہے بمعنی شکر کیا گیا اس کی جگہ شاکر یا شکر گزار لکھنا درست ہے۔ علاوہ ازیں مشکور کے معنی ستودہ اور پسندیدہ بھی ہیں۔ مشکور بمعنی ممنون غلط ہے۔ اکثر اصحاب مشکور بمعنی ممنون کہتے اور لکھتے ہیں تعجب ہے کہ مولانا شبلی ایسا واقف شخص اس کو ممنون کے معنوں میں لکھ گیا ؎

آپ کے لطف و کرم سے مجھے انکار نہیں — حلقہ در گوش ہوں ممنون ہوں مشکور ہوں میں

غربت بمعنی مسافرت و سفر کی مثال ملاحظہ ہو۔ امیر مینائی ؎

کیا وفادار ہے تا گور مرا ساتھ دیا — میرے گھر تک مجھے پہنچا گئی غربت میری

عاقبت۔ بمعنی آخر کار فارسی میں عموماً مستعمل ہے اردو میں متروک ہے۔

تابعدار۔ تابع خود اسم فاعل ہے پھر اس پر (دار) نہ صرف غیر ضروری بلکہ غلط ہے۔

جوں۔ بمعنی مانند قابلِ ترک ہے جیسے ؏

کشتیٔ مے ہوئی جوں تختِ سلیماں پیدا

غریب۔ بمعنی مفلس بھی اسی قبیل سے ہے غریب کے لغوی معنی ہیں مسافر۔ نادر۔ انوکھا۔ اردو میں مفلس کے معنی میں لایا جاتا ہے۔ لیکن انفرادی طور پر اگر فارسی ترکیب کے ساتھ لایا جائے تو مفلس کے معنی نہیں دے گا۔

مثلاً امیر مینائی ؎

پہلے تو مجھے کہا نکالو — پھر بولے غریب ہے بلا لو

۲۸ ہندی الفاظ کے ساتھ اضافت۔ ہندی یا اردو الفاظ کے ساتھ فارسی اضافت سراسر معیوب اور ناجائز ہے۔

مثلاً ؎

دیکھ دستارِ پستی ساقیٔ سرشار کی　　　کھل گئی ہیں آج آنکھیں نرگسِ بیمار کی

۲۹- ایطائے جلی - ایطائے خفی -

قافیہ میں ایک لفظ کے لفظاً و معناً مکرر آنے کو ایطا کہتے ہیں مثلاً دردمند و حاجت مند تاج ور اور بہتر ور - چارہ گر اور دادگر - مہربانی اور پاسبانی - باریکیاں اور رعنائیاں وغیرہ کے قافئے ایطائے جلی کی مثالیں ہیں اور یہ قبیح عیب ہے -

جن قافیوں میں تکرار صریح نہ ہو اسے ایطائے خفی کہتے ہیں - مثلاً دانا و بینا - خنداں و گریاں - لگا اور بجھا - دوستی اور دشمنی وغیرہ - اِن کی شناخت کا عام اصول یہ ہے کہ مشترکہ علامت دور کرنے کے بعد باقی لفظ اگر بامعنی ہیں اور ہم قافیہ نہیں تو یہ ایطا ہے - مثلاً دوستی اور دشمنی میں یائے مصدری مشترک ہے - اسے الگ کر دینے کے بعد دوست اور دشمن دو بامعنی لفظ باقی رہتے ہیں جو ہم قافیہ نہیں ہیں پس یہ ایطا ہے اور عیوب قافیہ میں شامل ہے - یہاں اِس راز کا انکشاف بھی ضروری ہے کہ ایسے الفاظ میں اگر یائے مصدری مشترک نہیں یعنی ایک یائے مصدری ہے اور ایک نسبتی یا فاعلی تو اسے ایطا نہیں کہہ سکتے -

مثلاً شاعری اور دہلوی - زندگی اور آدمی - بےکسی اور مشتری وغیرہ یہی صورت لگایا اور بجھایا - دانا اور بینا - خنداں اور گریاں میں ہے - اس عیب سے بچنے کا طریق یہ ہے کہ مشترکہ علامت دور کرنے کے بعد باقی حصوں میں یا تو دونوں بےمعنی رہ جائیں یا کوئی ایک بےمعنی ہو مثلاً لگا کے ساتھ پلا - بتا - دکھا - مسکرا وغیرہ قافیے یا دوستی کے ساتھ زندگی - بندگی کا قافیہ - مثلاً ؎

یہ بلا میرے سر چڑھی ہی نہیں　　　میں نے کچے گھڑے کی پی ہی نہیں

یہ شعر ایطائے خفی سے محفوظ ہے ایک جگہ حرف "چڑھ" باقی رہتا ہے - دوسری جگہ حرف "پ" یاد رہے کہ ایطا کا عیب صرف مطلع ہی میں ہوتا ہے -

۳۰- سوزش بمعنی سوز - مثلاً اے سوزشِ الفت - یہاں سوزِ الفت کہنا درست ہے -

۳۱ - عربی فارسی الفاظ کے حروفِ علت کا گرانا بہ شرطے کہ اُن کے بعد الف وصل نہ ہو - فارسی عربی الفاظ میں حروفِ علت (الف - واو - ی) کا سقوط معیوب ہے - سوائے اس صورت کے کہ ان کے بعد الف وصل موجود ہو -

۳۲۔ مصدر کی تذکیر و تانیث اہلِ دہلی بلحاظ مفعول مانتے ہیں میں بھی اسی پر کاربند ہوں۔ مثلاً۔ مجھے ابھی روٹی کھانی ہے۔ روٹی مفعول مونث ہے۔ اس لیے مصدر کی تانیث لازم آئی۔ البتہ لکھنؤ والے اِس کے قائل نہیں وہ مصدر کو ہمیشہ مذکر استعمال کرتے ہیں یہی فقرہ وہ یوں کہیں گے۔ مجھے ابھی روٹی کھانا ہے۔ ع

زمینِ کوچۂ جاناں میں یہ کلی بچھانی ہے

یہاں بچھانا ہے نہیں کہنا چاہیئے۔ بعض اہلِ لکھنؤ جو مدت سے دہلی میں رہتے ہیں۔ مونث بولنے لگے ہیں۔ داغ صاحب فرماتے ہیں ؎

یہ ہمارے سامنے کی بات ہے
بات کرنی بھی نہ آتی تھی تمہیں

۳۳۔ جلد از جلد کی جگہ جلد تر کہنا چاہیئے۔ جلد اور جلدی کے استعمال میں بھی سلیقہ شرط ہے جہاں لفظ عجلت رکھا جا سکے وہاں لفظ جلدی فصیح ہے۔ مثلاً۔ جلدی نہ کر۔ باقی جگہ جلد کہنا چاہیئے۔

۳۴۔ طَرح کا استعمال بفتحین جائز ہے۔ بسکون ثانی (طرْح)، بنیاد کے معنی دیتا ہے۔ مثلاً ع

پادشاہے کہ طرحِ ظلم فگند

اِسی طرح جگہ کا لفظ بھی بفتح ثانی درست ہے۔

۳۵۔ پرواہ میں "ہ" زائد ہے۔ ہجراں اور بہاراں میں الف نون زائد ہے۔ حالت میں ت زائد ہے۔ چاہت بمعنی چاہ میں ت زائد ہے۔ وصلت بہ معنی وصل میں ت زائد ہے۔ انکساری اور انتظاری میں ی زائد ہے۔ وہاں پر۔ یہاں پر۔ کہاں پر۔ جگہ پر میں "پر" زائد اور بلا ضرورت ہے۔ رنگت میں ت زائد ہے۔ لاپروا میں لا عربی اور پروا فارسی۔ یہ بھی درست نہیں اِس کو بے پروا کہنا چاہیئے۔

۳۶۔ ناراضگی۔ مہربانگی۔ ادائگی۔ آزادگی۔ درستگی لکھنا غلط ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس لفظ کے آخر میں (ہ) ہو اگر اس پر یائے مصدری لگائی جائے تو (ہ) (گ) سے بدل جاتی ہے جیسے آزردہ سے آزردگی رنجیدہ سے رنجیدگی۔ لیکن ناراض۔ مہربان۔ ادا۔ آزاد اور درست کے آخر میں (ہ) نہیں ہے۔ اُن پر یائے مصدری لگائیں تو ناراضی مہربانی۔ ادائی۔ آزادی اور درستی کہیں گے۔ اسی طرح آزادگی کا لفظ اس لیے صحیح ہے کہ آزادہ سے بنا ہے۔ جو لوگ آزاد سے آزادگی سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ بعض قواعد نگاروں

نے ناراض اور ادا سے ناراضگی اور ادائیگی حاصل مصدر بنایا اور درست سمجھا ہے ایسے میں بھی یہ لازم آتا ہے کہ ان الفاظ کو مفرد استعمال کریں ترکیبی صورت میں ان کا لانا غلط ہو گا۔

۳۷ - کہ حرفِ علّت - فارسیّت ہے۔ اُردو کی بول چال میں مستعمل نہیں ہوتا۔ کاف بیانیہ۔ کافِ مفاجات اور کافِ صلہ ہی مستعمل ہوتے ہیں۔ مثلاً میں آج سکول نہیں جاؤں گا۔ کہ پاؤں پر چوٹ آئی ہے۔ یہ جملہ بول چال کے خلاف ہے۔

۳۸ - راستا۔ بجائے رستا۔ الف زائد ہے۔

۳۹ - ظاہراً بجائے بظاہر۔

۴۰ - باطناً بجائے باطن میں

۴۱ - فتح - صلح - نزع - جمع - وضع - قطع منع - سمع - شمع - صبح سب بسکون ثانی درست ہیں۔

۴۲ - جان دار بجائے جاں دار۔ نون کا اعلان نہیں ہونا چاہیے۔

۴۳ - میں ضمیر متکلم - ہے - ہو - ہوں کی تخفیف مصرع کے شروع میں مثلاً ع

میں کہتا رہ گیا ظالم مرا دل ہے مرا دل ہے

لیکن اس تخفیف کے بعد الف وصل آتا ہو تو تخفیف کو روا سمجھا گیا ہے مثلاً

ع میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

ع ہے لا مکاں کی ضرورت مکاں رہے نہ رہے

فعل کی تخفیف بھی محلِّ نظر ہے۔ مثلاً ع

ہم نے تمھیں تو دِل دیا ہے تم نے کیا دیا

یہاں دیا ہے کی تخفیف بار گوش ہے۔ یا یہ مصرع ع

شہرت عطا کی ہم نے تمھیں تم نے کیا دیا

(کی) فعل ہے اِس کی تخفیف بے جا ہے۔

تخفیفِ الفاظ کی بحث میں یہ بات تو مسلّم ہے کہ فارسی عربی الفاظ میں حروفِ علّت (الف - واؤ - ی) کا سقوط معیوب ہوتا ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ ان کے بعد الف وصل موجود ہو۔ مگر ہندی الفاظ کے ساتھ یہ پابندی لازم نہیں۔ اس رعایت کے باوجود فصحا کا قول ہے کہ جہاں تک ممکن ہو تخفیف سے بچنا چاہیے چناں چہ حضرت داغ فرماتے ہیں۔ ع

وہ فصاحت سے گرا شعر میں جو حرف دیا

وہ اور یہ کی تخفیف شروعِ مصرع میں البتہ ناگزیر ہے

ہندی الفاظ   بھلا - بُرا - بھلے - بُرے - بھلی - بُری - بھرا - بھرے - بھری -
کہاں - جہاں - وہاں - یہاں - لِئے - سیئے - پیئے - جیسے کی تخفیف بھی مصرع سست
کر دیتی ہے - مثلاً - ع

۱ - جو بات ہے دِل میں بھری محفل میں کہوں گا - (بھری کی تخفیف)

۲ - اے عندلیب کس لئے ہے بے قرار آج - (لئے کی تخفیف)

۴۴ - یعنی میں ی کی تخفیف - چوں کہ یہ عربی لفظ ہے اس لئے پورا ادا ہونا چاہئے - اس لفظ کو برائے توضیع مصرع کے آخر میں لانا بھی قابلِ ترک ہے -

۴۵ - شکستِ ناروا - فارسی اور اُردو کی شاعری میں بعض بحریں ایسی ہیں جن کی خصوصیت یہ ہے کہ پڑھنے میں ہر مصرع کے دو ٹکڑے ہو جایا کرتے ہیں - ایسے تمام اشعار میں اگر مصرعوں کے ٹکڑے علیحدہ علیحدہ نہ ہو سکیں بلکہ ایسا ہو کہ کبھی لفظ یا فقرے کا ایک حصّہ ایک ٹکڑے میں اور دوسرا حصّہ دوسرے ٹکڑے میں لازمی طور پر آتا ہو تو یہ بات یقیناً معیوب سمجھی جائے گی اور شاعر کی کمزوری پر دلالت کرے گی - شکستِ ناروا اسی عیب کا نام ہے یعنی یہ ایک ایسی شکست ہے جو ناروا ہے - مثلاً اقبالؔ ؎

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

"تڑپ رہے ہیں" کا پہلا حصہ یعنی "تڑپ رہے" مصرع ثانی کے پہلے ٹکڑے میں اور دوسرا حصّہ یعنی "ہیں" مصرع کے دوسرے ٹکڑے میں واقع ہوا ہے - اسی کو شکستِ ناروا کہتے ہیں -

عاشق دہلوی ؎

تھا اضطرابِ دل کا جس خط میں حال لکھا
سو بار بند کرنے پر بھی کھلا رہا ہے

"بند کرنے پر" ایک فقرہ ہے جس کا پہلا حصّہ یعنی "بند کرنے" مصرع ثانی کے پہلے ٹکڑے میں اور دوسرا حصہ یعنی "پر" مصرع کے دوسرے ٹکڑے میں ہے اور یہی معیوب ہے -

اس شکست کی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ اجزائے فعل کا ایک جزو پہلے نصف میں اور دوسرا جزو دوسرے نصف میں ہو جیسا کہ اقبال کے شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۲۔ جار مجرور میں مجرور کا ایک نصف میں رہ جاتا اور حرف جار کا دوسرے نصف کے شروع میں آجانا۔ جیسا عاشق دہلوی کے شعر میں مذکور ہوا۔

۳۔ مضاف مضاف الیہ میں سے مضاف الیہ اور حرفِ اضافت کا ایک نصف میں اور مضاف کا دوسرے نصف میں۔ اس کی قبیح صورت یہ ہے کہ حرفِ اضافت بھی دوسرے نصف کے شروع میں جا رہے۔

۴۔ نصف مصرع کا کوئی ٹکڑا ٹوٹ کر اِدھر اُدھر یعنی دوسرے نصف میں جا پڑتا ہے۔

مثلاً ع ستم و جفا کی نہ بات پوچھ کہ فرصت اس سے ملی نہیں

ستم و جفا کی نہ بات پو + چھ کہ فرصت اس سے ملی نہیں

متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن

پوچھ کا لفظ آدھا ایک حصّے میں اور آدھا دوسرے حصّے میں چلا گیا ہے۔

۵۔ مرکبِ عطفی میں معطوف علیہ پہلے نصف کے آخر میں اور معطوف دوسرے نصف کے شروع میں۔

۶۔ ندا منادے میں حرفِ ندا پہلے نصف کے آخر میں اور منادے دوسرے نصف کے شروع میں آئے۔

۷۔ فارسی اضافت میں مضاف کے بعد مضاف الیہ دوسرے نصف کے شروع میں۔ یعنی پہلا نصف مضاف پر ختم کر دینا۔

۸۔ فارسی عطف میں پہلا نصف حرفِ عطف پر ختم کرنا۔

۹۔ ایک محاورے کے کچھ لفظ پہلے مصرع میں اور کچھ دوسرے نصف کے شروع میں لانا۔

۴۶۔ منزل کے ساتھ گاہ۔ منزل گاہ ظرف الظرف ہے جو ناروا اور غیر فصیح ہے۔

۴۷۔ لطف بمعنی مہربانی بصورت انفرادی۔ کیونکہ انفرادی طور پر یہ لفظ مزا ہی کے لیے مانوس اور معتبر ہو سکتا ہے۔ مہربانی کے معنوں میں ترکیبی صورت ہی فصیح ہے۔

۴۸۔ صور بغیر اضافت فارسی۔ صور کو انفرادی طور پر لانا غیر فصیح ہے۔ اسے ترکیبی صورت
میں لانا چاہیئے جیسے صورِ اسرافیل۔

۴۹۔ اَور۔ بروزن فع۔ اسے غور۔ طور کے وزن پر لکھنا فصیح ہے۔

۵۰۔ خُوں۔ جاں۔ چیں۔ یہ تخفیف نون بہ صورت انفرادی۔ انفرادی صورت میں نون کا
اعلان ضروری ہے۔

۵۱۔ تو صیغہ واحد حاضر یہ تخفیف واؤ بہ شرطے کہ اس کے بعد الف وصل نہ ہو۔

۵۲۔ افلاطوں بجائے فلاطوں۔ شیدائی بجائے شیدا۔ حلقوم بجائے حلق نیشتر
بجائے نشتر۔

۵۳۔ میّت بفتح ثانی۔ اور وصال بمعنی وصل۔

مَیّت۔ (بفتح میم وکسر یائے مشدّد) بمعنی مردہ۔ وہ جو قریب مرگ ہو۔ جنازہ۔
لاش۔ اُردو میں بعض لوگ اسے بفتح یائے مشدّد بولتے ہیں جو درست نہیں۔ اِسی طرح
جَیّد۔ سَیّد۔ طَیّب۔ وغیرہ بہ کسر یاء صحیح ہیں۔ لیکن بفتح یاء غلط ہیں۔

وِصال۔ بکسر اوّل بمعنی موت۔ انتقال۔ وفات۔ بزرگانِ دین کا مرنا۔ وحدت
میں فنا ہو جانا۔ مثلاً اختر مینائی ؎

مُنہ سبو کے ڈھکے ہیں کیوں ساقی
کیا کسی مست کا وصال ہوا

ایک اَور صاحب فرماتے ہیں ؎

لوگ مرنے کو بھی کہتے ہیں وصال ۔۔۔ یہ اگر سچ ہے تو مر جاتے ہیں ہم

وصال بمعنی وصل۔ ملاقات۔ معشوق سے ملنا۔ اور جدید عربی زبان میں وصل رسید
کو بھی کہتے ہیں۔ وصل کے معنوں میں وجہ ترک یہ بھی ہے کہ راقم الحروف نے وصل کا
لفظ ہی ترک کر دیا ہے۔

۵۴۔ رکھا۔ چکھا۔ بے تشدید

۵۵۔ بھانا۔ بہ معنی پسند آنا اور اس کے تمام افعال مثلاً بھایا یا بھائی۔ بھاتا ہے
بھا گیا۔ بھایا تھا۔ بھائے گا وغیرہ۔

۵۶۔ بعد کے ساتھ لفظ "میں" کا لانا۔ معیوب ہے

۵۷۔ باٹ دیکھنا بہ معنی انتظار کرنا ۔ راہ دیکھنا۔

۵۸۔ باہم دِگر۔ بایک دِگر دونوں فارسیت کا نمونہ ہیں۔

۵۹۔ خفگی۔ وجہ ترک یہ ہے کہ خفگی میں "ف" متحرک ہونی چاہیئے۔ مگر عام بول چال اِس کو گوارا نہیں کرتی۔

۶۰۔ کیجیے۔ لیجیے۔ دیجیے بجائے کیجیئے۔ لیجیئے۔ دیجیئے وغیرہ

۶۱۔ جانے۔ بجائے کیا جانے یا نہ جانے۔

۶۲۔ ہر جا بجائے ہر جگہ کیوں کہ ہر جا میں فارسیت ہے۔

۶۳۔ یوں ہی بجائے یونہیں۔ سب ہی بجائے سبھی۔ تم ہی بجائے تمھیں۔ ہم ہی بجائے ہمیں۔ مجھ ہی بجائے مجھی۔

۶۴۔ محبوب کو حضور یا سرکار کہنا۔

۶۵۔ سو۔ ہُوا سو ہُوا۔ ہُو سو ہو اِن دونوں صورتوں کے علاوہ سو قابلِ ترک ہے۔

۶۶۔ حرفِ جار کے آجانے پر اُس کے بعد ضمیر مضاف الیہ یا مضاف الیہ لانے سے پرہیز کرنا ہی بہتر ہے۔ یعنی محبت میں ہماری۔ محبّت میں تمھاری۔ محبت میں اس کی وغیرہ صورتیں بلاشبہ قابلِ ترک ہیں مثلاً

مندرجہ ذیل صورتیں مکروہ اور تعقید کا نمونہ ہیں۔ ع

۱۔ کیوں تم کو توجہ نہیں روداد پہ میری ۔ (میری روداد پہ)

۲۔ آنکھوں سے میری جاری ہے کیوں آبشار آج (میری آنکھوں سے)

۳۔ شکایت میں اُن کی (اُن کی شکایت میں)

۴۔ محبت میں اُن کی (ان کی محبت میں)

۵۔ جفاؤں میں تمھاری (تمھاری جفاؤں میں)

۶۔ اداؤں میں تمھاری (تمھاری اداؤں میں)

۷۔ ہر زخم میں دل کے (دل کے ہر زخم میں)

۸۔ ہر بات میں اُس کی (اُس کی ہر بات میں)

۶۷۔ بادہ خانہ بجائے مے خانہ غیر فصیح ہے۔

۶۸۔ یا۔ جو۔ گویا کے بعد کاف لانا۔

مثلاً ؎ کون تھا جو کہ مرے حال پہ مغموم نہ تھا

یا کہ ۔ جو کہ ۔ گو یا کہ ۔ تینوں جگہ ک زائد ہے

۶۹۔ فارسیت ۔ توالی عطف ۔ توالی اضافت ۔ پسِ مردن ۔ پس ازمردن ۔ بعدازمرگ بعدازفنا ۔ پس ازفنا ۔ تابِ شنیدن ۔ تابِ گفتن ۔ بس کہ ۔ اے کہ کاش کہ ۔ تابمعنی جب تک ۔ نے بمعنی نہیں ۔

۷۰۔ اسم کے آخر الف ندا ۔ مثلاً دلا ۔ سعدیا ۔ حافظا وغیرہ مگر ساقیا اور خدایا مستثنیٰ ہیں ۔ وجہ یہ ہے کہ بعض محل ایسے بھی ہیں کہ وہاں یہی صورت زیب دیتی ہے ۔ مثلاً

۱۔ نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو

۲۔ ساقیا مژدہ کہ گھن گھور گھٹائیں آئیں

۷۱۔ بسمل ۔ دمِ بسمل ۔ بمعنی وقتِ ذبح ۔ بسمل بہ معنی ذبح نادرست ہے ۔ بِسمل بکسرِ اول بمعنی مذبوح ۔ مجروح ۔ گھایل ہے ۔ بمعنی ذبح غلط ہے ۔ اس لیئے دمِ بسمل ۔ وقتِ بسمل کہنا غلطی ہے ۔ نیم بسمل کہنا بھی غلط ہے ۔

۷۲۔ کیوں کر کا ایسا استعمال کہ اُس کی جگہ کیوں استعمال کیا جاسکے ۔ مثلاً ؎

کیوں کر نہ حالِ غیب ہو مستوں پہ آئینہ

۷۳۔ گھائل بکسرِ ثالث ۔ جو لوگ اس کو منزل ۔ ساحل وغیرہ کے قافیے میں لاتے ہیں غلطی پر ہیں ۔ مثلاً ۔ نسیم لکھنوی ؎

زخمی بدن ہیں نہ گھایل ہوئے ہیں
بےخوں ہیں کفن ہیں نہ بسمل ہوئے ہیں

لہو مل کے کشتوں میں داخل ہوئے ہیں
تمہارے شہیدوں میں شامل ہوئے ہیں

گل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے

تسلیم نے بفتحِ ثالث باندھا ہے اور یہی صحیح ہے ۔ ؎

گماں کیوں کر نہ ہو خلدِ بریں کا صحنِ مقتل پر
تصدق ہوتی ہیں حوریں ترے خنجر کے گھائل پر

۷۴۔ داماں بغیر ترکیب فارسی مثلاً ؎

گرد اڑ کر نہیں چھو سکتی ہے داماں تیرا

۷۵۔ طرف بمعنی سمت بسکون ثانی۔ رے ساکن ہو تو اس کے معنی گوشہ کے ہیں
مثلاً۔ غالبؔ ؎

سر پہ چڑھنا تجھے پھبتا ہے پر اے طرفِ کلاہ   مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے ترا لمبر سہرا

۷۶۔ اِس دم۔ جس دم۔ کس دم وغیرہ۔

۷۷۔ رہ بمعنی راہ بغیر ترکیب فارسی۔ مثلاً ؎

نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

۷۸۔ پیدائش بمعنی ولادت ترکیبی صورت میں مثلاً یومِ پیدائش۔

۷۹۔ شادی بمعنی بیاہ ترکیبی صورت میں۔ اصلی معنی خوشی کے ہیں۔ اِس لیے بیاہ کے
معنوں میں یہ صورت مفرد استعمال کرنا چاہیے۔

۸۰۔ خُوباں۔ مغاں۔ جاناں بے ترکیب فارسی۔

مغاں لفظ مغ کی جمع ہے۔ پیرِ مغاں اسی بنا پر اضافت کے ساتھ مستعمل ہے۔
یعنی مغوں کا پیر۔ لیکن بعض اساتذہ نے پیرِ مغاں کی بجائے صرف لفظ مغاں کو بطور
واحد استعمال کیا ہے۔ مثلاً ع

آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا

راقم کے نزدیک ایسا لکھنا بلاشبہ قابلِ ترک ہے۔ خوباں اور جاناں بھی اس قبیل
سے ہیں۔ غالبؔ ع

چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ

بُتاں بھی اِسی طرح استعمال ہوا ہے جو قابلِ ترک ہے مثلاً ع

آخر کار مِلا صاف ہی قاصد کو جواب   طاق پر رکھ کے مرے خط کو بُتاں بھول گئے

۸۱۔ نشّہ فعلن کے وزن پر بے ترکیب فارسی مثلاً ع

ہو گیا دل پہ مرے نشّہ کا عالم کس قدر

وجہ ترک یہ ہے کہ عام بول چال میں نَشہ بروزن نظر د اثر زبانوں پر جاری ہے۔
اور جو بولو وہ لکھو کا اصول مسلّم ہے۔ فعلن کے وزن پر ترکیبی صورت میں لکھنا فصیح
ہے۔ انفرادی صورت میں فَعَل کے وزن پر لکھنا چاہیئے۔

۸۲۔ صورت بہ معنی مانند بغیر ترکیب فارسی۔

مثلاً ع

۱- قدر پاتے ہیں جہاں میں وہ گہر کی صورت

۲- میری آنکھوں میں وہ پھرتے ہیں نظر کی صورت

۸۳- آن کر۔ آن گرا میں نون زائد ہے۔

۸۴- نبھانا۔ پنھانا بجائے نباہنا۔ پہنانا۔

۸۵- جا بمعنی جگہ بغیر ترکیب فارسی۔ مثلاً ع

کیوں کر میں کہوں ملک عدم عیش کی جا ہے

۸۶- غش بہ معنی غشی۔ مثلاً ع

غش پہ غش طاری ہوا

۸۷- فارسی۔ عربی الفاظ کی جمع الجمع مثلاً وجوہات۔ غرائبات۔

۸۸- بن بمعنی بغیر۔ مثلاً ع

بن کہے کبھی رہا نہیں جاتا

۸۹- طرح کے بعد سے مثلاً "بری طرح سے" اس میں "سے" زائد ہے۔

۹۰- رہائش۔ سکونت و قیام کے معنی میں یہ لفظ ہندی اور فارسی کا مرکب ہے۔ اور سراسر غلط ہے۔

۹۱- اہلِ ہنود۔ میں اہل حشو ہے۔ صرف ہنود کہنا کافی اور درست ہے۔

۹۲- دوانہ بجائے دیوانہ

۹۳- پہ۔ پر کی جگہ

۹۴- کے۔ کر کی جگہ

۹۵- برہمن۔ فاعلن کے وزن پر۔ وجہ ترک یہ ہے کہ اس لفظ کی عام بول چال فعولن کے وزن کا تقاضا کرتی ہے۔

۹۶- برابر میں۔ صرف برابر کافی ہے۔ میں زائد اور اس کا ترک واجب ہے۔ مثلاً داغ ؎

وحشت ایسی ہے کہ سایہ سے بھی میں کہتا ہوں

آپ کیوں میرے برابر میں چلے آتے ہیں

۹۷- پنے بجائے پن ۔ تھوڑی بجائے تھوڑا ہی تلے بجائے نیچے ۔ تئیں بجائے تک چھُٹ بمعنی سوا ۔ خوشی بجائے خوش ۔ تلے کا لفظ محاورے میں آئے تو جائز رکھا گیا ہے ۔

۹۸- دن بہ دِن ۔ بمعنی روز بروز ۔ دِن سنسکرت زبان کا لفظ ہے اس کے ساتھ حب فارسی نہیں لگانی چاہیئے ۔

۹۹- غیر شاعرانہ الفاظ کا استعمال ۔ یہ استعمال بدرجۂ غایت ناگوار سمجھا جاتا ہے مثلاً

بےخودؔ دہلوی ؎

عشر تک کیوں بات جائے کیوں پڑے غیروں کے مُنہ ۔ گھر میں سمجھوتا ہمارا آپ کا ہو جائے گا ۔

یہاں سمجھوتا کا لفظ غیر شاعرانہ ہے ۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں ۔

اشکؔ ؎

فتراکِ یار پر نہ پڑے میرے دھڑ کا بوجھ ۔ جب ہو چکا شکار یہ دھڑ کا لگا رہا

عرشؔ لکھنوی ؎

ہم جو مکان میں ترے آئیں گے یار ۔ غیر ہیں کیا اُن کے پدر جائیں گے

اخترؔ ؎

حلقۂ چشم کو پابوسی کی حسرت ہے بہت ۔ آنکھ میں کبھی مع پاپوش سماؤ صاحب

ان اشعار میں دھڑ کا ۔ پدر ۔ پاپوش غیر شاعرانہ الفاظ ہیں ۔ غزل میں ایسے الفاظ زیب نہیں دیتے ۔

۱۰۰- تذکیر و تانیث ۔ اُردو میں تذکیر و تانیث کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے ۔ سینکڑوں الفاظ مختلف فیہ ہیں ایسے عالم میں بول چال کی عمومی صورت ہی قابلِ لحاظ سمجھنی چاہیئے اور اپنا خاص دستور العمل مقرر کر کے اس پر سختی کے ساتھ کاربند رہنا چاہیئے ۔ بعض حضرات کسی خاص اصول پر کاربند نہیں رہتے اور ایک ہی لفظ کو کہیں مذکر اور کہیں مونث لکھ جاتے ہیں ۔ یہ دورنگی محلِ نظر ہے ۔ مختلف فیہ الفاظ میں ایک مقبول و مرغوب صورت انتخاب میں لا کر مستقل طور پر اپنا لائحہ عمل بنایا جا سکتا ہے ۔ مثلاً طرز ۔ آغوش ۔ غور ۔ فکر ۔ بلبل مختلف فیہ ہیں ۔ راقم ان کو ہر جگہ مونث استعمال کرتا ہے اور سختی کے ساتھ اس کا پابند ہے ۔ عربی مؤنث الفاظ کی جمع کو مذکر بولنے کا رواج بیشتر ہے ۔ مثلاً قسم ۔ شرط ۔ منزل ۔ مشکل ۔ وجہ وغیرہ الفاظ مؤنث ۔ اِن کی

جمع اقسام۔ شرائط۔ منازل۔ مشکلات اور وجوہ کو بعض حضرات مذکر بولتے ہیں اور قاعدہ یہ بنا دیا گیا ہے کہ مؤنث کی عربی جمع مذکر ہو جاتی ہے۔ یہ فلسفہ ادراک سے بالاتر ہے کہ بہت سی مؤنثیں مل کر مذکر کس طرح ہو جاتی ہیں۔ راقم کے نزدیک یہ استثنائے چند عربی کے مؤنث الفاظ کی جمع کو بھی مؤنث ہی بولنا چاہیئے۔ مثلاً مندرجہ بالا الفاظ اقسام۔ شرائط۔ منازل۔ مشکلات اور وجوہ کو راقم الحروف مؤنث ہی لکھتا اور بولتا ہے۔

۱۰۱۔ شتر گربہ۔ حضرت داغ فرماتے ہیں ؎

ایک مصرع میں ہو تو دوسرے مصرع میں ہو تم
یہ شتر گربہ ہُوا میں نے اسے ترک کیا

اسی طرح ایک مصرع میں تم اور دوسرے میں آپ آ جائے۔ یا ایک مصرع میں میرا اور دوسرے میں ہمارا آ جائے تو یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ مثلاً ؎

تیری باتوں کا کیا ٹھکانہ ہے　　آپ کا شاکی اِک زمانہ ہے
پاس جب سے ہمارا یار نہیں　　دل کو اِک دم مرے قرار نہیں

اس کو شتر گربہ اس لیے کہتے ہیں کہ اونٹ اور بلّی میں جو مناسبت ہے وہ صیغہ جمع و مفرد اور کلماتِ تعظیم و تحقیر میں بھی ہے۔

۱۰۲۔ ہی حرفِ حصر کا غلط استعمال۔ اس کے متعلق مقررہ قاعدہ یہ ہے کہ اس کو فاعل اور علامت فاعل)۔ (مفعول اور علامتِ مفعول)۔ (مجرور اور جار) کے درمیان لایا جائے۔ جیسے زید ہی نے کہا تھا۔ عمر و ہی کو مارا تھا۔ مثلاً غالب ؎

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

بعض حضرات ہی کے استعمال میں مندرجہ بالا اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں مثلاً ؎

اس سے ہی کوئی وصل کی صورت نکل آتی
عکس آپ کا آئینہ سے باہر نہیں ملتا

۱۰۳۔ عریانی و سخافت مضمون۔ مضمون کی سخافت اور بے پردگی سے بچنا لازم ہے۔ ورنہ کلام کے بازاری یا مکروہ ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

مثلاً ؎

کیا رہیں ہم کہ ترا چال چلن　　　　پاس رہ کر نہیں دیکھا جاتا

یہاں چال چلن کے بے پردہ لفظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محبوب کی عفت و عصمت مشکوک ہے۔

جب وہ ناداں عدو کے گھر میں پڑا
داغ اِک داغ کے جگر میں پڑا

گھر میں پڑنے کا مضمون زنانِ بازار کے سوا اَور کسی سے متعلق نہیں ہو سکتا اِس لیئے صریحاً معیوب اَور مذموم ہے۔

ہو گیا دل میں سوا ذوق غزل گوئی کا
حضرتِ دِلؔ کی رتنؔ نے جو عنایت دیکھی

ط دِلؔ شاہجہاں پوری

اِس حقیقت سے کسی کو نہیں انکار رتنؔ
عشق کا حُسن نِکھرتا ہے غزل میں آکر

ما حالِ خویش بے سروبے پا نوشتہ ایم

روزِ فراق را شبِ یلدا نوشتہ ایم

(نظیریؔ)

کیا تری دریا دلی ہے اے خدا میرے لئے
ہر قیامت ہر مصیبت ہر بلا میرے لئے

ہر جفا ہر جور ہر سختی روا ہے آپ کو
ہر شکایت ہر گلہ ہے نا روا میرے لئے

تیغ ابرو تیغ چیں، تیغ نظر تیغ ادا
کتنی تلواروں کا پہرا رکھ دیا میرے لئے

مجھ کو تیرے واسطے بے موت مر جانا پڑا
تو نہ لیکن بھول کر بھی جی سکا میرے لئے

کیوں نہ میری بے کسی پر رو اٹھے خود بے کسی
ہو گیا ہر آسرا بے آسرا میرے لئے

جو ترے کوچے میں آیا وہ سلامت کب رہا
مر گئی ہے محض میری ہی قضا میرے لئے

چیر کر طوفان کو کشتی کنارے جا لگی
بن گیا میرا خدا ہی ناخدا میرے لئے

کر دیا ناکامیوں کی انتہا نے کامیاب
بدنصیبی ہو گئی حاجت روا میرے لئے

جانِ جاں کے واسطے کیا جان جانے کا الم
کس لئے روتی ہے مخلوق خدا میرے لئے

حسن تیرا تیری گم راہی کا موجب بن گیا
عشق میرا بن گیا ہے رہنما میرے لئے

ہو سکا کوئی نہ مجھ افتادہ پا کا دست گیر
میری مشکل ہی ہوئی مشکل کشا میرے لئے

کی ترے غم نے دلِ غمگیں کی غم خواری مگر
ہے یہ غم خواری ہی دردِ لا دوا میرے لئے

چارہ گر کی چارہ جوئی کا اثر دیکھا تو یہ
بن گیا درماں بھی دردِ لا دوا میرے لئے

اب نہ جاؤں گا میں اُن کے آستاں پر اے رتنؔ
آستاں سے کم نہیں ہر نقشِ پا میرے لئے

شبِ فرقت تھے فقط دو ہی سہارے مجھ کو
دیکھتا تھا میں ستاروں کو ستارے مجھ کو

کیوں نہ ہوں اُن کے ستم جان سے پیارے مجھ کو
نفع سے بڑھ کے ہیں الفت میں خسارے مجھ کو

اپنی ہستی کے سوا کوئی سہارا نہ ملا
بے سہارا ہی ملے اور سہارے مجھ کو

میں نے جس وقت کناروں کی تمنا چھوڑی
خود بخود لینے چلے آئے کنارے مجھ کو

اُٹھ کے پہلو سے چلے ہو تو بتاتے جانا
چھوڑ کر جاتے ہو اب کس کے سہارے مجھ کو

سوچتا ہوں تو سہاروں کا سہارا میں ہوں
پھر کہاں دیں گے سہارا یہ سہارے مجھ کو

کیا یہ انداز انھیں تو نے سکھا رکھے ہیں
کیوں رُلاتے ہیں یہ ہنستے ہوئے تارے مجھ کو

کتنے نادم ہیں وہ خود وعدہ فراموشی پر
اب بلاتے بھی نہیں شرم کے مارے مجھ کو

وہ بہر طور مری جان کے دشمن ٹھہرے
لیکن اس پر بھی ہیں سو جان سے پیارے مجھ کو

عشق کی راہ میں یہ کون سی منزل آئی
خاک کے ذرے ہوئے آنکھ کے تارے مجھ کو

لوگ جیتے ہیں امیدوں کے سہارے لیکن
نا امیدی نے دیئے لاکھ سہارے مجھ کو

ہائے وہ وقت کہ جب چار ہوئی تھیں آنکھیں
آج تک یاد ہیں انداز تمہارے مجھ کو

جب میں طوفاں میں بڑھا نام خدا کا لے کر
اُٹھ کے ہر موج نے آداب گزارے مجھ کو

دوڑ کر میں نے رتن دھار پہ گردن رکھ دی
تیغِ قاتل نے کئے ایسے اشارے مجھ کو

آ گئی آہِ شرر بار زباں تک آخر
آگ کے نیچے دھواں رہتا کہاں تک آخر

منزلِ عشق میں چپ رہتے کہاں تک آخر
آ گیا قصۂ غم آج زباں تک آخر

توبہ کر کے نہ رہا دل میں وقارِ توبہ
فصلِ گل لائی درِ پیر مغاں تک آخر

کوئی موضوعِ سخن اور نکال اے واعظ
جنت و حور کے یہ وعدے کہاں تک آخر

چشمِ بینا کی کرامت کا کرشمہ کہیے
منکشف ہو کے رہا رازِ نہاں تک آخر

اُف یہ تاکیدِ خموشی کا نرالا انداز
کاٹ کر رکھ دی ستم گر نے زباں تک آخر

ہائے یہ تلخیِ غم ہائے یہ بربادیِ دل
ایسے عالم میں جیئے کوئی کہاں تک آخر

اپنی صورت میں نظر آتی ہے اُس کی صورت
بات پہنچی ہے محبت کی یہاں تک آخر

اب نہ جاؤں گا ترے در سے پلٹ کر اے دوست
جان پر کھیل کے پہنچا ہوں یہاں تک آخر

پرسشِ غم ہے نہ اربابِ وفا کی توقیر
حسنِ خوددار یہ انداز کہاں تک آخر

وہی تیور۔ وہی فطرت۔ وہی برہم نظریں
غم نصیبوں پہ یہ بیداد کہاں تک آخر

نہ چھپا رازِ محبت کسی عنواں نہ چھپا
آگیا نام ترا میری زباں تک آخر

تیری خواہش میں مجھے کوئی بھی خواہش نہ رہی
مٹ گئی دل سے تمنائے جہاں تک آخر

اب نہ وہ رنگِ سخن ہے نہ وہ اسلوبِ سخن
بدلا فن کار کا اندازِ بیاں تک آخر

اے رتن چھوٹ گیا دامنِ تسلیم و رضا
بات آ ہی گئی فریاد و فغاں تک آخر

دیوانگیِ دل کی تو اب حد نہیں کہیں
وہ آستاں کہیں ہے جھکی ہے جبیں کہیں

راہِ وفا میں خاک کے ذرّوں پہ ہے نظر
شاید پڑا ہوا ہو مرا دل یہیں کہیں

چلتا ہوں فرطِ شوق میں موجوں کے ساتھ ساتھ
ہو ہی رہوں گا ایک دن اب تہ نشیں کہیں

اتنی کہاں مجال کہ بے پروا دیکھتے
تیرے نشان ہم کو ملے ہیں کہیں کہیں

اِک تم ہی بدگماں نہیں دنیا ہے بدگماں
افسوس ہے کہ میرا ٹھکانہ نہیں کہیں

دیر و حرم کو چھوڑ کے جاؤں میں کس جگہ
دیکھا تھا چشمِ شوق نے تجھ کو یہیں کہیں

آئے ہیں اشک بار تیری رہ گزار سے
ہم دل کو چھوڑ آئے ہیں شاید وہیں کہیں

جاتی ہے کوئے یار میں تو روز اے صبا
اک پائے مالِ غم کو بھی لے چل وہیں کہیں

یوں تو ہے ہر حسین کو ناز اپنے حُسن پر
دیکھا نہیں ہے دہر میں تجھ سا حسیں کہیں

اے شیخ مے کدے کی مذمّت فضول ہے
ملتی ہے کیا بہشت میں ایسی زمیں کہیں؟

یہ اختلاف دیکھ کر آنکھیں ہیں اشک بار
رندانِ مے کدہ کہیں ہیں اہلِ دیں کہیں

کس سے کہوں فسانۂ ناکامئ نصیب
مُجھ کو سکونِ قلب میسّر نہیں کہیں

دل کی تلاش کیوں ہے رتنؔ ان کی بزم میں
دیکھوگے دھیان سے تو وہ ہوگا یہیں کہیں

موجوں نے ہاتھ دے کے اُبھارا کبھی کبھی
پایا ہے ڈوب کر بھی کنارا کبھی کبھی

کرتی ہے تیغ یار اشارا کبھی کبھی
ہوتا ہے امتحان ہمارا کبھی کبھی

چمکا ہے عشق کا بھی ستارا کبھی کبھی
مانگا ہے حُسن نے بھی سہارا کبھی کبھی

دریائے غم کا ہم کو کنارا نہ مِل سکا
دُنیا سے گو کیا ہے کنارا کبھی کبھی

زیبا نہیں ہے آپ کو غیروں پہ التفات
اُٹھّے نظر اِدھر بھی خدارا کبھی کبھی

طالب کی شکل میں ملی مطلوب کی جھلک
دیکھا ہے ہم نے یہ بھی نظارا کبھی کبھی

توہینِ حسن تھا مرا مرنا ترے بغیر
گو موت نے تو مجھ کو پکارا کبھی کبھی

یہ بھید کیا ہے راہِ وفا میں نیاز کو
ہوتا نہیں ہے ناز گوارا کبھی کبھی

شوخی ہے حسن کی یہ کہ جذبِ وفا کا سحر
اس نے ہمیں سلام گزارا کبھی کبھی

گُلشن کی آفتوں کا نتیجہ تھا سامنے
اس پر بھی آشیاں کو سنوارا کبھی کبھی

مجھ کو حریم ناز میں تو ہوش تک نہ تھا
رعنائیوں نے خود ہی پکارا کبھی کبھی

فریادِ غم روا نہیں دستورِ عشق میں
پھر بھی لیا ہے اس کا سہارا کبھی کبھی

رو رو کے ہم ہنسا کئے ہنس ہنس کے رو دیے
فرقت کا وقت یوں بھی گزارا کبھی کبھی

مشکل میں دے سکا نہ سہارا کوئی رتن
ہاں درد نے دیا ہے سہارا کبھی کبھی

طے ہوئی اُن سے ملاقات کی بات — رکھ لی قسمت نے مری بات کی بات

تیرے پہلو میں جو گزری اے دوست — آج تک یاد ہے اُس رات کی بات

اِک طرف میری طلب کا جادو — اِک طرف تیری کرامات کی بات

ہر نئی صبح اِک آفت کا نزول — کیا کہوں شدّتِ آفات کی بات

جس کا آغاز نہ کوئی انجام — کون کہہ سکتا ہے اُس ذات کی بات

آنکھ ملتے ہی قیامت ٹوٹی — پوچھتے کیا ہو شروعات کی بات

کچھ نہیں دوزخ و جنّت واعظ! — یہ ہے تیرے ہی خیالات کی بات

بازیٔ عشق نہ کوئی جیتا — فتح پاتی ہے یہاں مات کی بات

میرے اشکوں کی جھڑی تو دیکھو — کیوں سناؤں مجھے برسات کی بات

جب میسّر ہو نگاہِ بینا — چل نہیں سکتی حجابات کی بات

جیت سے بھی ہے جو بڑھ کر خوش کن — سر بسر وہ ہے مری مات کی بات

بات سے بات نکلتی ہے رتن
کیا کرے کوئی تری بات کی بات

عشق ہی نے حسن کو یکتا کیا — اِس پہ مگر حسن نے رسوا کیا

چارہ گروں کا یہ ستم دیکھئے — زخمِ جگر اور بھی گہرا کیا

مجھ پہ دکھایا یہ جنوں نے اثر — چاک بہت دامنِ صحرا کیا

موت نے بھی مجھ سے رہِ عشق میں — زندگیٔ خضر کا وعدہ کیا

دیکھ لیا بُت میں خدا کا جمال — دیر میں آباد یہ کعبا کیا
عشق کے رستے میں وُہ منزل ملی — حُسن نے خود عشق کا پیچھا کیا
جان ۔ جگر ۔ قلب دِیے آپ کو — اس کے عوض آپ نے کیا کیا کیا
آنکھ ملی دونوں کو حیرت ہوئی — اُس کو تو مَیں مجھ کو وہ دیکھا کیا

جوشِ طلب ہے کہ حقیقت رسی
میں نے رتنؔ خود ہی کو سجدا کیا

یا تو مرا عشق استوار نہیں ہے — یا تِرا دل ہی وفا شعار نہیں ہے
آج مِرے دل کو کیوں قرار نہیں ہے — مَوت بھی کیوں آج ناگوار نہیں ہے
مَوت پہ قُربان کیوں نہ جان کریں ہم — جینے کا تو کوئی اعتبار نہیں ہے
موت حزیں ۔ زندگی ملول و پریشاں — کون ہے جو میرا سوگ وار نہیں ہے
زخمِ جگر نے یہ خُوب رنگ جمایا — موسمِ گُل ہے مگر بہار نہیں ہے
خاص مقام آگیا ہے راہِ طلب میں — آج مجھے اس کا انتظار نہیں ہے
عمر گناہوں کی گود ہی میں گزاری — پھر بھی بشر دِل میں شرمسار نہیں ہے
اُس کی تجلّی تو آشکار ہے ہر سُو — چشمِ تماشا ہی رازدار نہیں ہے
زِندگیٔ مستعار پر نہ یقیں کر — اس کا ذرا بھی تو اعتبار نہیں ہے
اور تو ہر ایک شے ہے اس کی نظر میں — پیشِ نظر میرا حالِ زار نہیں ہے

تجھ سا نہیں ہے کریم دہر میں کوئی

اور رتنؔ سا گناہ گار نہیں ہے

مجبوب کے غصّے کی ادا اور ہی کچھ ہے
یہ زہر نہیں اس کا مزا اور ہی کچھ ہے

کعبے میں بھٹکتا ہے کوئی دیر میں کوئی
دھوکے میں ہیں دونوں ہی خدا اور ہی کچھ ہے

راحت میں مصیبت ہے مصیبت میں ہے راحت
یہ عشق کا نیرنگ ہے یا اور ہی کچھ ہے

گھر سے تو چلا تھا کہ انھیں رام کروں گا
محفل میں جو آیا ہوں قضا اور ہی کچھ ہے

کچھ اور ہی سنتا ہوں میں قاصد کی زباں سے
اُس بت نے مگر خط میں لکھا اور ہی کچھ ہے

اے جانِ ادا تیری ادا سحر ہے لیکن
مرتا ہوں میں جس پر وہ ادا اور ہی کچھ ہے

توبہ کی تو تلقین کئے جاتا ہے واعظ
باطن میں مگر دل کی صدا اور ہی کچھ ہے

میں خاک ہوا مٹ کے تری راہ گزر میں
اِس پر بھی تو کہتا ہے وفا اور ہی کچھ ہے

کعبا ہو کہ کاشی ہو مجھے ان سے غرض کیا
میری تو نگاہوں میں بسا اور ہی کچھ ہے

اک سمت بھٹکتا ہوں امیدوں کو لئے میں
اک سمت مگر تیری رضا اور ہی کچھ ہے

یہ درس دیا مجھ کو رتن ان کے ستم نے
ناکردہ گناہوں کی سزا اور ہی کچھ ہے

زمیں رہے نہ رہے آسماں رہے نہ رہے
مکیں کی خیر مناؤ مکاں رہے نہ رہے

بیاں کرے گی خموشی ہی داستاں دل کی
مری بلا سے دہن میں زباں رہے نہ رہے

ہمیں قفس ہی میں گلشن کا لطف آتا ہے
چمن رہے نہ رہے آشیاں رہے نہ رہے

جبینِ شوق جھکے تو جھکی رہے دائم
نظر کے سامنے گو آستاں رہے نہ رہے

کمالِ شوق سے اُس کا نشان پیدا کر
رہِ تلاش میں تیرا نشاں رہے نہ رہے

بسا لیا ہے تجھے ہم نے دل کی آنکھوں میں
عیاں رہے نہ رہے تو نہاں رہے نہ رہے

وہ مہرباں ہے ذرا عرضِ مدعا کر لوں
عجیب ہے کیا کہ وہ پھر مہرباں رہے نہ رہے

وہ اپنے وعدے پہ کھاتے تو ہیں خدا کی قسم
کسے خبر کہ خدا درمیاں رہے نہ رہے

بہار آئی تو دیوانے بول اٹھے فوراً
کہ خیر دشت کی ہو گلستاں رہے نہ رہے

کٹی ہے عمر ہماری تو بے نشانی میں　　　بلا سے مرنے پہ کوئی نشاں رہے نہ رہے

جدید رنگ زمانہ سے اے رتن ہم کو
گماں یہی ہے کہ اُردو زباں رہے نہ رہے

اچانک کھنچ گئی یہ کون سی تصویر آنکھوں میں　　　زباں پر اب کہاں ہے آ گئی تقریر آنکھوں میں
کسی کا سامنا ہوتے ہی آنسو ڈبڈبا آئے　　　یہ آئی کس پرانے خواب کی تعبیر آنکھوں میں
نظر والو مرا اُن کا تقابل دیکھتے جاؤ　　　اِدھر تصویر آنکھوں میں اُدھر تعزیر آنکھوں میں
شبِ فرقت کسی پہلو بھی آنکھ اپنی نہیں لگتی　　　گماں یہ ہے کہ آ بیٹھی ہے خود تقدیر آنکھوں میں
مرے غم کی کہانی کہہ نہیں سکتی زباں میری　　　ملے گی داستانِ درد کی تفسیر آنکھوں میں
کوئی تھامے مرے دل کو جگر کو اور سینے کو　　　نشانہ باندھ کر مارا ہے اُس نے تیر آنکھوں میں
تعجب ہے تصور تو ترا کرتا ہوں اے ہمدم　　　مگر پھرتی ہے میری اپنی ہی تصویر آنکھوں میں
وہ آغازِ محبت کی کہانی کس طرح بھولے　　　دمِ آخر بھی پھرتی ہے وہی تصویر آنکھوں میں
کبھی آنکھوں سے گرتا ہوں کبھی آنکھوں میں بستا ہوں　　　کئی رنگوں سے ہوتی ہے مری تشہیر آنکھوں میں
سحر آئی اندھیرا یاس کا آنکھوں تلے چھایا　　　رہی گو رات بھر اُمید کی تنویر آنکھوں میں
تصور میں حضوری کا مزا معلوم ہوتا ہے　　　خدایا پھر رہی ہے کون سی تصویر آنکھوں میں

رتن بچنا بڑا مشکل ہے اس گھمسان کے رن سے
یہاں چلتے ہیں آنکھوں کے ہزاروں تیر آنکھوں میں

ہر سانس ہے تلوار تو ہر آہ شرر ہے　　　ایسے میں بھی چپ ہوں تو یہ میرا ہی جگر ہے
دِل تفتہ۔ جگر سوختہ۔ تن خاک بہ سر ہے　　　لے دے کے یہی نخلِ محبت کا ثمر ہے
پتھر کے جگر لوہے کے دل چیرے ہیں اس نے　　　اے سحر نظر تیری نظر تیری نظر ہے
فریاد ترے در پہ کروں بھی تو کروں کیا　　　تاثیر ہے نالوں میں نہ آہوں میں اثر ہے
آثار یہ کہتے ہیں کہ کچھ ہو کے رہے گا　　　جلوہ ہے اُدھر تیرا اِدھر میری نظر ہے

آغازِ محبت میں انھیں مجھ سے حذر تھا ۔ اب وقت وہ آیا کہ مجھے اُن سے حذر ہے

جس بات نے اے حسن تری بات بنائی ۔ وہ عشق نظر باز کا اعجاز نظر ہے

اے حسن کی مستی میں مجھے بھولنے والے ۔ کس حال میں جیتا ہوں تجھے یہ بھی خبر ہے

اب خاک میں مل جاؤں گا لیکن نہ اٹھوں گا ۔ جس راہ میں بیٹھا ہوں تری راہ گزر ہے

دنیا نے نگاہوں سے گرایا ہے تو پھر کیا ۔ صد شکر کہ ناچیز پہ تیری تو نظر ہے

بنیادِ نشیمن کی رتن ہم نے تو رکھ لی
آواز دو بجلی کو وہ اس وقت کدھر ہے

عشق میں جب ہم کو جینا آگیا ۔ موت کو دانتوں پسینا آگیا

ناخداؤ اب خدا پر چھوڑ دو ۔ موج کی زد میں سفینا آگیا

لب پہ نالے ہیں نہ آنسو آنکھ میں ۔ مجھ کو جینے کا قرینا آگیا

رنگ لائی کفر کی تر دامنی ۔ ابرِ رحمت کو پسینا آگیا

دل کی امیدوں کا یہ اعجاز ہے ۔ مرتے مرتے مجھ کو جینا آگیا

دیکھیے کیا گل کھلاتا ہے جنوں ۔ پھول کھلنے کا مہینا آگیا

بس رہیں بادل سے برستی ہے شراب ۔ دیکھ ساقی وہ مہینا آگیا

عشق کے جوشِ طلب سے حسن کو ۔ دلربائی کا قرینا آگیا

پھر بڑھا وہ ہاتھ اے موج ادھر ۔ پھر کنارے پر سفینا آگیا

آتشِ مے کی حرارت سے رتن
میری توبہ کو پسینا آگیا

گو بہت دور ہے محبوب مگر دور نہیں ۔ آنکھ ہو آنکھ تو مستور بھی مستور نہیں

حسن سرکش ہی سہی فرض ہے طاعت اس کی ۔ سرکشی عشق کی سرکار کا دستور نہیں

غمِ الفت ہی مداوا ہے غمِ الفت کا ۔ اور تو کوئی دوائے دلِ رنجور نہیں

اے پریشانیٔ دل اور پریشاں کر لے
یاد رکھ یہ کہ شبِ غم کی سحر دور نہیں

چارہ گر زحمتِ مرہم میں پریشان رہا
جسم کا کون سا حصہ ہے جو ناسور نہیں

نمن اقرب سے ہوئی دل کو تسلی آخر
دُور سمجھے تھے جسے اصل میں وہ دور نہیں

در حقیقت ہے مسرّت کا خزانہ کلفت
جس کو مسرور سمجھتے ہو وہ مسرور نہیں

زندگی اپنے ہی اعمال سے بنتی ہے رتنؔ
آدمی کہنے کو مجبور ہے مجبور نہیں

سبق ہم کو ملا یہ زندگی سے
گزار و غم کی گھڑیاں بھی خوشی سے

کبھی تو بدگماں تھے دُشمنی سے
مگر اب دُشمنی ہے دوستی سے

صبا یہ کہہ رہی ہے ہر کلی سے
خزاں کا دَور کیوں آیا ابھی سے

ہمیشہ غم ہوا پیدا خوشی سے
خزاں پھُوٹی گلوں کی تازگی سے

اجل سے زندگی کیا مانگتے ہم
اجل خود کانپتی ہے زندگی سے

گناہوں نے درِ رحمت دکھایا
اُجالا پھُوٹ نکلا تیرگی سے

جو ہوتی آدمیت آدمی میں
فرشتے درس لیتے آدمی سے

یہ کیسا انقلاب آیا جہاں میں
گریزاں آدمی ہے آدمی سے

وہ اِس انداز سے مجھ سے مِلے ہیں
کہ جیسے ملتے ہیں اک اجنبی سے

ہَوَس جنت کی طاعت کے صلے میں
تجارت ہو رہی ہے بندگی سے

نگاہِ ناز کی ہلکی سی جنبش
بدلتی ہے فضا کو زندگی سے

رتنؔ دیکھو ہماری گوشہ گیری
وطن میں رہ رہے ہیں اجنبی سے

ہر ایک سنگِ راہ سے ٹکرا رہا ہوں میں
لیکن قدم بڑھائے ہوئے جا رہا ہوں میں

ہر حال میں ہے جب مرا مشکل کشا وہی
پھر مشکلوں میں کس لئے گھبرا رہا ہوں میں

مجھ کو فریبِ شوق نے گم راہ کر دیا
کچھ سوجھتا نہیں ہے کدھر جا رہا ہوں میں

تاریکیٔ قضا سے ملی روشنی مجھے
سیدھا رہِ حیات پر اب جا رہا ہوں میں

اے چشمِ شوق کیا نظر آتا ہے سامنے
ہر ہر قدم پہ آج جھجکتا جا رہا ہوں میں

سمجھا رہے تھے ہوش و خرد ایک دن مجھے
یہ دن بھی ہے کہ آج اُنھیں سمجھا رہا ہوں میں

آتا ہے یادِ موت کی آغوش کا سکوں
حسرت زدہ حیات کو بہلا رہا ہوں میں

کیا جانے کون سا یہ مقام آگیا ہے اب
دونوں جہاں کے عیش کو ٹھکرا رہا ہوں میں

کچھ خاص اہتمام ہوا اہلِ میکدہ
واعظ [illegible] ساتھ لیے آ رہا ہوں میں

اے بے کسیٔ بخت کہاں لے کے آگئی
اب [illegible] اپنے آپ کو ٹھکرا رہا ہوں میں

کہتے ہیں جس کو موت ہے [illegible]کاں رتنؔ
آیا تھا جس طرف سے اُدھ[illegible] رہا ہوں میں

خودی کچھ ایسی ہے طاری خدا کو بھول گئے
رہ[illegible]ے مسافر وفا کو بھول گئے

تری جفا سے ملی ہیں وہ لذّتیں ہم کو
کہ ہ[illegible]ی ہی سے لطفِ وفا کو بھول گئے

نوا گرانِ چمن کی یہ خود فراموشی
ہوائے سیرِ چمن میں قضا کو بھول گئے

جنونِ دولتِ دُنیا نے وہ ہوا یاد تھی
کہ زندگی ہی کے ہم مدّعا کو بھول گئے

ادائے ناز تمھاری ہے کیا عجیب ادا
نئی ادا میں پرانی ادا کو بھول گئے

سبق ملا ہے حسینوں کو یوں تو دونوں کا
جفا تو یاد رہی ہے وفا کو بھول گئے

کسی کے غم میں غمِ زندگی نہیں ہم کو
بلائے عشق میں ہم ہر بلا کو بھول گئے

پھری ہیں یوں وہ نگاہیں کبھی لڑی ہی نہ تھیں
وفا کا ذکر ہی کیا وہ جفا کو بھول گئے

بتوں کو بھی تو خدا ہی سمجھ کے پوجا ہے
غلط ہے یہ کہ ہم اپنے خدا کو بھول گئے

اُنھیں پہ رازِ محبت کا انکشاف ہوا
تری تلاش میں جو ماسوا کو بھول گئے

رہِ وفا میں ملی اُن کو منزلِ مقصود
جو ابتدا میں رتنؔ انتہا کو بھول گئے

حُسن ہے عشق کی تقدیر بنانے والا
عشق ہے حُسن کی توقیر بنانے والا

آئے الفت کے گنہ گار جو پیشی کے لئے
ہنس پڑا دفترِ تعزیر بنانے والا

کتنے ارمان کچل ڈالے ہیں اس نے افسوس
کاش کچھ سوچتا تقدیر بنانے والا

ہو گیا آپ بھی نخچیرِ محبّت آخر
دلِ پُرشوق کو نخچیر بنانے والا

وہ یہ کہتے ہیں مری خاک اڑا کر اکثر
ہے کوئی خاک کو اکسیر بنانے والا

کارگر کوئی بھی تدبیر نہ نکلی میری
ہائے مر جائے یہ تقدیر بنانے والا

دلکشی حُسنِ دل آویز کی دیکھے کوئی
خود بھی تصویر ہے تصویر بنانے والا

بھر دیئے سب کے لیے رنگ مگر میرے لئے
سو گیا نقشۂ تقدیر بنانے والا

دردِ الفت میں جو اکسیر کی دیکھی تاثیر
سخت حیران ہے اکسیر بنانے والا

عشقِ صادق کے سوا کوئی نہ دیکھا ہم نے
مصحفِ حُسن کی تفسیر بنانے والا

ایک اک حلقہ ہے دستورِ وفا کا پابند
ماہرِ عشق تھا زنجیر بنانے والا

کیوں شش و پنج میں ارزانیٔ رحمت ہے رتنؔ
چپ ہے کیوں دفترِ تقصیر بنانے والا

انسان گنہ گار بھی ہے اور نہیں بھی
اعمال میں مختار بھی ہے اور نہیں بھی

اے حسن، عیاں بھی ہیں نہاں بھی ترے جلوے
تو مخزنِ اسرار بھی ہے اور نہیں بھی

تدبیر پریشان ہے تقدیر کے آگے
وہ برسرِ پیکار بھی ہے اور نہیں بھی

رندوں کی طرف دیکھ کے زاہد ہے پشیماں
عقبیٰ کا طلب گار بھی ہے اور نہیں بھی

اب راہِ حقیقت میں عجب حال ہے میرا
دُنیا سے سروکار بھی ہے اور نہیں بھی

اُس رندِ خرابات کو سمجھے گا کوئی کیا
جو اصل میں مے خوار بھی ہے اور نہیں بھی

کیا سمجھے کوئی چشمِ حسیناں کے کرشمے
اِک وقت میں بیمار بھی ہے اور نہیں بھی

کچھ زادِ سفر چاہیئے عقبیٰ کے سفر میں
گو راہ یہ دشوار بھی ہے اور نہیں بھی

شادی میں بھی غم میں بھی گرفتار ہے انساں
یہ مرنے کو تیّار بھی ہے اور نہیں بھی

کرتا ہوں رتن ترکِ سخن کر نہیں سکتا
یہ مشغلہ بے کار بھی ہے اور نہیں بھی

آنسو کے ٹپکنے کا اثر ہو کے رہے گا
بے گھر کا دل یار میں گھر ہو کے رہے گا

ہر اشکِ زمیں گیر گہر ہو کے رہے گا
لبریز ثمر دیدۂ تر ہو کے رہے گا

وعدہ ہے اُدھر اور اِدھر جذبِ محبّت
مشکل ہے وفا ہونا مگر ہو کے رہے گا

مر جائے گا گھُٹ گھُٹ کے دل ضبط اثر میں
غم پر بھی مرے غم کا اثر ہو کے رہے گا

قسمت سے اگر قربِ خدا پایا بشر نے
ہر ایک فرشتہ بھی بشر ہو کے رہے گا

وُہ تیر و سناں لے کے اگر نکلے ہیں گھر سے
عاشق بھی اِدھر سینہ سپر ہو کے رہے گا

آئی ہے نیا درد لئے یاد کسی کی
اب دردِ جگر جزوِ جگر ہو کے رہے گا

اے راہ روِ زیست نہ ڈر راہِ اجل سے
اس راہ گزر سے تو گزر ہو کے رہے گا

اے مستِ امارت یہ تُجھے بھول نہ جائے
یہ نظمِ جہاں زیر و زبر ہو کے رہے گا

باطن کی نگاہوں سے تجھے دیکھ رہا ہوں
تو معتقدِ تابِ نظر ہو کے رہے گا

فریاد مری ڈوب کے نکلی ہے اثر میں
صیّاد کے دِل پر بھی اثر ہو کے رہے گا

سینہ میں بھڑک اُٹھی ہے یوں آتشِ حسرت
ہر نالہ مرا برق و شرر ہو کے رہے گا

بچ بچ کے چلے خاک سے انسان کہاں تک
خاکی ہے رتن خاک بہ سر ہو کے رہے گا

ایک بُتِ محشر سیرت کو دل میں بٹھائے بیٹھا ہوں
دُنیا سوتی ہے لیکن میں فتنہ جگائے بیٹھا ہوں

ضبطِ غم نے دردِ دل کو دل کے اندر ڈھانپ لیا
گھر کے مالک کو گھر ہی میں آج چھپائے بیٹھا ہوں

جی میں آئی ہے دل بھر کے باتیں کر لوں جی بھر کر
اُس کا تصور دل میں لاکر بزم سجائے بیٹھا ہوں

مقتل میں اُلفت کی بازی دیکھیے کس کے ہاتھ رہے
اُن کے خنجر کے سائے میں سر کو جھکائے بیٹھا ہوں

دَورِ خزاں کے جَور کا شکوہ میری زباں پر کیوں آئے
فصلِ گل میں کاشانے کو آگ لگائے بیٹھا ہوں

بھولنے والے نے جو بھلایا اس کا مجھے افسوس نہیں
قہر تو یہ ہے میں اپنے کو آپ بھلائے بیٹھا ہوں

جینے مرنے کے جھگڑوں سے مجھ کو تعلق ہو کیوں کر
موت سے پہلے ہی ہستی کو میں تو مٹائے بیٹھا ہوں

آج تو کچھ ہو کر ہی رہے گا داد سہی بے داد سہی
شام ہی سے اُن کی محفل میں پاؤں جمائے بیٹھا ہوں

دیکھوں کب تک اس کی رحمت کشتی بن کر آتی ہے
گرد ابوں میں پتواروں سے ہاتھ اٹھائے بیٹھا ہوں

کیا جانے اس افسوں گر نے کون سا افسوں پھونک دیا
آنکھ نہیں لگتی ہے جب سے آنکھ لگائے بیٹھا ہوں

وہ بھی ساعت یاد ہے جب وہ مجھ میں سمائے بیٹھے تھے
آج میں جذبِ شوق کے باعث ان میں سمائے بیٹھا ہوں

مرگ و ہستی کے سنگھم پر ارمانوں کی بھیڑ لئے
اُن کے محشر خیز الم کو دل سے لگائے بیٹھا ہوں
لوگ مجھے گم نام نہ سمجھیں گوشہ نشینی پر بھی رتنؔ
دیدہ وروں کے قلب و جگر میں نقش جمائے بیٹھا ہوں

زندگانی موت کا پیغام ہے
موت کیا ہے زندگی کا نام ہے
ہر مصیبت عیش کا پیغام ہے
ہر مسرّت مظہر آلام ہے
غم کی تاریکی کا یہ انجام ہے
صبح بھی میری نظر میں شام ہے
دیکھ لیں گے دشمنوں کی دوستی
دوستوں کی دشمنی تو عام ہے
آکے دُنیا میں مُسرت کی تلاش
حرفِ باطل ہے خیالِ خام ہے
موت کا ڈنڈا ہے سر پر رات دن
زندگی شاید کوئی الزام ہے
جس نے راحت کی تمنّا چھوڑ دی
بس اُسے آرام ہی آرام ہے
طائرو دھوکا نہ کھا جانا کہیں
دانہ جس کو کہہ رہے ہو دام ہے
ہم نے اپنا کام پورا کر لیا
قدر و قیمت اب خدا کا کام ہے
اِک سُرورِ جاودانی چاہیئے
مے سے مطلب ہے نہ شوقِ جام ہے
اے اجل تجھ کو ٹھہرنا چاہیئے
آج اُن کے لب پہ میرا نام ہے
زندگی کو اس جگہ لایا ہوں میں
جس جگہ دستِ اجل ناکام ہے
عشق کا انجام کیا سمجھے کوئی
اِس کا تو آغاز بھی انجام ہے
زندگی کو تو بتا دے زندگی
اے رتنؔ جینا اسی کا نام ہے

خُود ہی خود پہ فِدا ہو گئے ہم
عِشق کی انتہا ہو گئے ہم
آشنا ہو کے رازِ وفا سے
عِشق کا مدعا ہو گئے ہم

تم نہ سجدوں کی اُمیّد رکھّو
آپ اپنے خدا ہو گئے ہم

رہ زنی دیکھ کر رہ نما کی
اپنے خود رہ نما ہو گئے ہم

اب نہ کشتی نہ ساحل نہ دریا
ناخدا سے خُدا ہو گئے ہم

مِٹ گئی دِل سے یادِ حرم بھی
تجھ سے جب آشنا ہو گئے ہم

جس قدر بے وفا ہو گئے تم
اُس قدر با وفا ہو گئے ہم

پھر بچھائے گا جال اب مقدّر
پھر قفس سے رہا ہو گئے ہم

درد جب بڑھ گیا اپنی حد سے
درد کی خود دوا ہو گئے ہم

عالمِ یاس میں رہتے رہتے
یاس کا آسرا ہو گئے ہم

مِٹتے مِٹتے مٹے ہیں یہاں تک
سر بسر نقشِ پا ہو گئے ہم

ملتفت کوئی کافر ادا ہے
حاصلِ التجا ہو گئے ہم

اے رتنؔ موت سے پہلے مرکر
ایک نقشِ بقا ہو گئے ہم

حیات تو اُداس تھی اجل بھی اب اُداس ہے
رہِ وفا میں ہم نشیں یہ انتہائے یاس ہے

پہنچ گیا ہوں اُس جگہ وفا کی رہ گزار میں
نہ موت کا کہیں پتا نہ زندگی کی آس ہے

تجلیٔ بہار سے سکون کیا نظر کو ہو
فضا اُداس اُداس ہے چمن اُداس اداس ہے

صبا چمن میں لائی ہے کوئی پیامِ دِل شکن
خموش عندلیب ہے کلی کلی اُداس ہے

جہاں میں نور ہے ترا سرور دل میں ہے ترا
غضب ہے پھر بھی آج تک مری نظر اُداس ہے

تری تجلیّات کا سمجھ میں آئے راز کیا
خرد بھی اِن حدود میں پہنچ کے بدحواس ہے

تلاش اُس کی چھوڑ دے بس اپنی ہی تلاش کر
جو خود شناس ہے رتنؔ وہی خدا شناس ہے

بندگی ختم ہے بس آنکھ کے وا ہونے تک
دیر کیا لگتی ہے بندے کو خدا ہونے تک

وعدہ تو آپ نے آنے کا کیا ہے لیکن
عمر درکار ہے وعدے کے وفا ہونے تک

بہترین نسخہ ہے بیماریٔ الفت کا یہی
درد کو بڑھنے دیا جائے دوا ہونے تک

زندگی زندوں کو ہر گام پہ یہ کہتی ہے
ہست ہو جائیے ہستی کے فنا ہونے تک

سخت دشوار ہے انساں کا ہمیشہ جینا
موت کا سامنا رہتا ہے بقا ہونے تک

دید کے بعد تو میں تجھ میں سما جاؤں گا
میری ہستی ہے ترے جلوہ نما ہونے تک

پھر وہی دام وہی کنجِ قفس اے بلبل
رونقِ باغ ہے تو نغمہ سرا ہونے تک

جھکتے ہی سنگِ درِ یار میں چھپ جائے گا
ہے سرِ شوق فقط سجدہ ادا ہونے تک

حسن کے دل میں مگر رحم نہ آیا ہرگز
عشق سرگرم رہا سر کے جدا ہونے تک

ہم گلہ کرتے تو ہیں ان کی جفا کا لیکن
زندہ ہے نامِ وفا محض جفا ہونے تک

کتنا برباد کیا تیری تمنا نے مجھے
گھر سے بے گھر ہوں ترے گھر کا پتا ہونے تک

پھر بھی ہو نہ سکا جوشِ محبت ٹھنڈا
عشق کی حد ہے رتن جان فدا ہونے تک

بدنصیبی میں ہوں آہیں با اثر ممکن نہیں
بارور دورِ خزاں میں ہو شجر ممکن نہیں

عقل کہتی ہے حسینوں سے حذر کرتے رہو
دل یہ کہتا ہے حسینوں سے حذر ممکن نہیں

جب مقدر میں لکھی ہوں حسرتیں ہی حسرتیں
ہو سکے تدبیر کوئی کارگر ممکن نہیں

اہلِ زر کے گھر میں غم ہنستا ہوا پاتا ہوں میں
ہنستی ہو لیکن خوشی بے زر کے گھر ممکن نہیں

غم تو ہر ہر گام پر کرتا ہے غم خواری مگر
ایسی غم خواری ہو میری چارہ گر ممکن نہیں

ناامیدی میں ملے امید کی صورت کبھی
دل تو کہتا ہے کہ ممکن ہے مگر ممکن نہیں

جب بشر کے لفظ ہی میں ہے شرارت کا وجود
ایسے میں پھر شر سے خالی ہو بشر ممکن نہیں

نارسائی جب لکھی ہو نائے تقدیر میں
کر سکے کچھ خضر ایسا راہبر ممکن نہیں

جان کی بازی لگا کر تیرے در تک آ گیا — اب نہ بن جاؤں میں جز و سنگِ در ممکن نہیں
حُسن سے گھائل نہ ہو جو حُسن پر مائل نہ ہو — ایسا دل ممکن نہیں ایسی نظر ممکن نہیں
بات ایسی ہے کہ باتوں میں لگا رکھیں گے وہ — آ سکے جلدی پلٹ کر نامہ بر ممکن نہیں
جب ہو کامل ذوقِ دل ذوقِ نظر ذوقِ طلب — پردے سے یا ہر نہ ہو وہ جلوہ گر ممکن نہیں

اپنی پُونجی پھُول ہنس ہنس کر لٹاتے ہیں رتن
اِس طرح کوئی لٹائے گنج زر ممکن نہیں

ہر قدم پر جب تسلّی دے رہا ہے دل مجھے — کیا ڈرا سکتی ہے تو اے دُوریٔ منزل مجھے
تہ نشین ہونے پہ حاصل ہو گیا ساحل مجھے — خواہشِ منزل مٹی تو مل گئی منزل مجھے
غم کی بخشش تو مرے خالق نے کی دل کھول کر — پھر یہ ڈھایا کر بخشا ننھا سا اِک دل مجھے
دوڑ کر آگے بڑھو موجو مدد کا وقت ہے — دے رہا ہے دُور سے آواز پھر ساحل مجھے
آ گیا ہے رہ گزارِ شوق میں ایسا مقام — میں تو گُم ہوں ڈھونڈتی پھرتی ہے پھر منزل مجھے
دیکھئے کیا گُل کھِلے اب گلستانِ عشق میں — لے تو آئی اُن کی محفل میں تلاشِ دل سب مجھے
ہستیٔ باطل کی ہستی خود ہی ڈانواں ڈول ہے — پست کر سکتی ہے کیوں کر ہستیٔ باطل مجھے
کیا اثر انداز نکلا میرا اندازِ جنوں — کہہ اُٹھے سب اہلِ محفل رونقِ محفل مجھے
پردۂ حائل کے اندر اپنی ہی صورت ملی — مل گئی ذوقِ نظر کی آخری منزل مجھے
سُرخ روئی بخشتا ہوں خنجرِ قاتل کو میں — زندگانی بخشتا ہے خنجرِ قاتل مجھے
میری گم راہی نے کتنی سرفرازی بخش دی — پُوچھتا ہے راہ ہر اِک راہبرِ کامل مجھے
میری مُشکل دیکھ کر مشکل بھی خود مشکل میں ہے — مُشکلوں والے نے بخشی خوب یہ مشکل مجھے

دیکھئے انجام کیا ہو اِس کشاکش کا رتنؔ
کھینچتا ہے اِس طرف گرداب اُدھر ساحل مجھے

جو محبت میں فنا ہوتا ہے　　وہ بشر عینِ بقا ہوتا ہے
پھر مرے ہوش اُڑے جاتے ہیں　　پھر کوئی جلوہ نما ہوتا ہے
وہ جسے اپنی خبر ہو جائے　　آپ ہی اپنا خدا ہوتا ہے
زندگی دیکھ کے ناداروں کی　　موت کا دم بھی خفا ہوتا ہے
طُور پر ہوش اُڑے موسیٰ کے　　دیکھ لوں میں کبھی کیا ہوتا ہے
آج کل خاص کرم ہے اُن کا　　آئے دن ظلم نیا ہوتا ہے
چشمِ حق بیں کے لئے ہر ذرّہ　　مظہرِ نورِ خدا ہوتا ہے
جھوٹ ہے سب کو پسندِ خاطر　　سچ پہ طوفان بپا ہوتا ہے
کوئے محبوب کا ذرّہ ذرّہ　　عرشِ اعظم سے سوا ہوتا ہے
غیر ممکن ہے مٹانا اُس کا　　جو مقدّر میں لکھا ہوتا ہے
نہ سہی کوئی معاون نہ سہی　　غم نصیبوں کا خدا ہوتا ہے
دلِ مایوس ترا ہر آنسو　　ایک خاموش گلا ہوتا ہے
اِک قیامت ہی سہی راہِ وفا　　میرے ہم راہ خدا ہوتا ہے

ہمہ تن گوش ہوں اہلِ محفل
اب رتنؔ نغمہ سرا ہوتا ہے

اے طالبِ حقیقت محوِ مجاز ہو جا　　ادراکِ راز یہ ہے تو خود ہی راز ہو جا
تیری نیاز مندی اصلِ خدا رسی ہے　　یک سر نیاز بن کر تصویرِ ناز ہو جا
مطلوب اور طالب دونوں ہی ایک شے ہیں　　محمود خود ہی بن جا خود ہی ایاز ہو جا
پروانہ جلتے جلتے تاکید کر گیا ہے　　اے شمع فرطِ غم سے تو بھی گداز ہو جا
اِک جام پر ہیں قرباں تسنیم اور کوثر　　اِک گھونٹ پی کے زاہد توبہ کا باز ہو جا
بیماریٔ محبت اِک مژدۂ شفا ہے　　خود ہی مریض بن کر خود چارہ ساز ہو جا

جلوہ کر آشکارا پردے میں رہنے والے
اے کارساز میرے اب کارساز ہو جا

اے دوست اگر ہے تجھ کو تسکین دل کی خواہش
ہر رنج ہر خوشی سے تو بے نیاز ہو جا

احباب اے رتن سب مطلب پرست دیکھے
اس ظاہری وفا سے تو بے نیاز ہو جا

بڑا نادان ہوں دنیا کو اپنا گھر سمجھ بیٹھا
خزف کو میں فریب شوق میں گوہر سمجھ بیٹھا

حقیقت کی تجلی جس کی رگ رگ سے نمایاں تھی
اُسے کوتاہ بینی سے میں اک پتھر سمجھ بیٹھا

پیام زندگی ہے سر بسر تیغ نظر اُن کی
تعجب ہے اسے میں جاں ستاں خنجر سمجھ بیٹھا

رہ اُلفت میں ہر ہر گام پر دھوکا ہوا مجھ کو
وہ اکثر راہ زن نکلا جسے رہبر سمجھ بیٹھا

مرے جوش طلب کو کیا کہیں گے دیکھنے والے
تمہارے نقش پا کو میں تمہارا در سمجھ بیٹھا

اُدھر تو وہ مجھے دیوانۂ عاقل سمجھ بیٹھے
اِدھر ہوش و خرد کو میں جنوں پرور سمجھ بیٹھا

مری چشم تصور نے بھی کیا دھوکے دیے مجھ کو
نظر آئی جو صورت اُس کو صورت گر سمجھ بیٹھا

مرے اعمال ہی صورت بدل کر سامنے آئے
مگر میں بھول کر تقدیر کا چکر سمجھ بیٹھا

خدا جانے وہ کیوں مجھ سے خفا ہیں کیوں نہیں آتے
خطا کیا تھی جو اپنے گھر کو ان کا گھر سمجھ بیٹھا

سمجھ بیٹھے ہیں اِس کی بے پیے مستی کا باعث ہم
کسی کی چشم مے گوں کو رتن ساغر سمجھ بیٹھا

شاد رکھتے ہیں خواب راحت کے
کتنے اچھے ہیں دن مصیبت کے

اے نگاہِ طلب! سنبھل جانا
پردے اٹھتے ہیں اب حقیقت کے

ہے جھلک اِس کی ذرّے ذرّے میں
جلوے کثرت میں دیکھے وحدت کے

اُن کو دل میں بٹھائے رکھتا ہوں
یوں گزرتے ہیں لمحے فرصت کے

دھوم سن کر مرے گناہوں کی
چھائے بادل فلک پہ رحمت کے

پندِ واعظ پہ دل جمے کیوں کر
ہم تو خواہاں نہیں ہیں جنّت کے

پھر جلا دیں گے خرمنِ دل کو
شعلے بھڑکے ہیں پھر محبت کے

زہد و تقویٰ تو ایک دھوکا ہے
ضابطے اور ہیں محبت کے

برگِ گل کی زباں سے سنتا ہوں
چہچہے عندلیبِ فطرت کے

کوئے جاناں میں آکے بیٹھا ہوں
چل چکے اب فریب جنت کے

دل و جاں کو عزیز تر رکھنا
یہ مدارج نہیں ہیں الفت کے

موت آتی ہے زندگی بن کر
ہم سمجھتے ہیں راز الفت کے

دیکھنا تو رتنؔ ستاروں کو
یہ بھی چکر ہیں تیری قسمت کے

جان جاتے پر اگر وہ جانِ جاں آیا تو کیا
لٹ گیا جب لٹنے والا پاسباں آیا تو کیا

ہم تو پہلے ہی یہاں بیٹھے تھے پر توڑے ہوئے
ناوکِ صیاد سوئے آشیاں آیا تو کیا

ہم صفیرو اب اسیرانِ قفس کے واسطے
فصلِ گل آئی تو کیا دورِ خزاں آیا تو کیا

ہر نظر منزل ہے ہر اک سانس ہے ساحل مجھے
عشق کے رستے میں بحرِ بیکراں آیا تو کیا

میری خاموشی ہی اک تقریرِ پُر تاثیر ہے
اُن کی محفل میں اگر میں بے زباں آیا تو کیا

اس کو مٹتے دیکھتا وہ کاش اپنی آنکھ سے
دل کے مٹ جانے کے بعد اب دلستاں آیا تو کیا

خوب ہشیاری کی حاجت ہے رسائی کے لئے
راہ ہی میں لٹ لٹا کر کارواں آیا تو کیا

جو بھی آیا مجھ کو ٹھکرا کر گیا اس دہر میں
مہرباں آیا تو کیا نامہرباں آیا تو کیا

منزلِ مقصود ابھی ہے منزلوں آگے رتنؔ
سامنے میرے اگر باغِ جناں آیا تو کیا

لے جائے کہاں وحشت اب مجھ کو خدا جانے
اک سمت گلستاں ہیں اک سمت ہیں ویرانے

بستی کو بھی کہتے ہیں صحرا ترے دیوانے
ہیں اُن کی نگاہوں میں ویرانے ہی ویرانے

پھر موسمِ گل آیا پھر سب کو ہوا سودا
آباد ہوئے پھر سے اُجڑے ہوئے ویرانے

عالم میں نظر آیا عالم یہ دو رنگی کا
ویرانے میں گلشن ہیں گلشن میں ہیں ویرانے

اِک شے کے عدم میں ہے اِک شے کا وجود اکثر
ویران گلستاں ہیں آباد ہیں ویرانے

جب دید کی خواہش بھی ناکام نظر آئی
آنکھوں کو بھی میں سمجھا دو چھوٹے سے ویرانے

کیا خُوب گزرتی ہے سودائے محبت میں
اِس سمت بھی ویرانے اُس سمت بھی ویرانے

اے جوشِ جنوں تجھ کو یہ بھی تو خبر ہوگی
کیا مجھ کو بُلاتے ہیں اس سال بھی ویرانے

اِک دَشت ہی اے وَحشت ممنُون نہیں تیرا
اُوپر کی فضا میں بھی آباد ہیں ویرانے

وَحشت نے رتن کیا کیا توقیر بڑھادی ہے
آنکھوں پہ بٹھاتے ہیں مجھ کو مرے ویرانے

(بہ قیدِ یک قافیہ)

دیکھ کر اُن کو بڑھی کچھ اور حیرانی مری
آستاں بن کر رہے گی آج پیشانی مری

یہ پریشانی مجھے اپنی پریشانی پہ ہے
کر نہ دے اُن کو پریشاں یہ پریشانی مری

جتنا بڑھتا جا رہا ہوں بزمِ جاناں کی طرف
اُتنی بڑھتی جا رہی ہے اور حیرانی مری

سردمہری پر کمربستہ ہوا وہ شعلہ رُو
لے ہی آئی رنگ آخر شعلہ سامانی مری

شوق و حسرت کی کشاکش سے عجب عالم میں ہُوں
زندگی قرباں مجھ پر موت دیوانی مری

عمر بھر اُن کی جفا کو میں وفا سمجھا کیا
حق تو یہ ہے عین دانائی ہے نادانی مری

گھر سے بے گھر ہو کے پایا اُن کے گھر کا کچھ پتا
خانہ آبادی ہے گویا خانہ ویرانی مری

سُننے والے بھی عدم کی نیند میں ہیں اے رتن
کس قدر ہے داستانِ درد طولانی مری

رنگ اپنا جما لیا ہم نے
اُن کو دل میں بٹھا لیا ہم نے

اپنی منزل کو پا لیا ہم نے
خود کو بے خُود بنا لیا ہم نے

آ کے دُنیا میں کیا لیا ہم نے
بارِ عصیاں اُٹھا لیا ہم نے

جس کو ارض و سما ہیں ناکافی — اُس کو دل میں چھپا لیا ہم نے
زندگی کے حصول کی خاطر — زندگی کو مٹا لیا ہم نے
ذرّہ ذرّہ ہے پیکرِ خورشید — جُزو میں کُل کو پالیا ہم نے
کیا شکایت کریں مقدر کی — جو کیا تھا وہ پالیا ہم نے
خوش نصیبی ہے یہ تہ ہے احساں — اپنا ہی تو دیا لیا ہم نے
بجلیاں کیوں ہیں خوابِ غفلت میں — آشیاں تو بنا لیا ہم نے

غم ہیں آباد اپنے دل میں رتنؔ
اجڑے گھر کو بسا لیا ہم نے

زندگی ایسی فضاؤں میں بسر ہوتی ہے — شام ہی ہوتی ہے جن میں نہ سحر ہوتی ہے
جب سے جلوؤں کے تصور میں بسر ہوتی ہے — شام بھی میری نگاہوں میں سحر ہوتی ہے
آپ مختار ہیں جی بھر کے کریں جور و جفا — آہِ مظلوم مگر زود اثر ہوتی ہے
کیا سناؤں تجھے افسانۂ اُلفت اے دوست — دل کے آزار کی دل ہی کو خبر ہوتی ہے
کیوں نہ بیگانۂ پرسش ہو مرا حالِ زبوں — جب مری آہ بھی مایوس اثر ہوتی ہے
مسلکِ عشق ہے ناصح ترے مسلک سے جُدا — عشق میں بے خبری بھی تو خبر ہوتی ہے
سر جھکائے ہوئے بیٹھا ہوں صفِ آخر میں — کب اِدھر دیکھئے ساقی کی نظر ہوتی ہے

سخت حیرت ہے کہ رعنائیٔ مستور رتنؔ
جلوہ گر ہو کے حجاباتِ نظر ہوتی ہے

جو چشمِ شوق میں پیدا بصیرت اور ہو جاتی — حقیقت میں حقیقت کی حقیقت اور ہو جاتی
الٰہی جوشِ غم میں دل کی وسعت اور ہو جاتی — جہاں اتنی ہوئی تھی کچھ عنایت اور ہو جاتی
کرم کچھ اور ہو جاتا عنایت اور ہو جاتی — محبت میں مرے جینے کی صورت اور ہو جاتی
نگاہِ حق نگر محوِ وحدت اور ہو جاتی — نمایاں اُن کی یکتائی میں کثرت اور ہو جاتی

حضورِ یار اگر شرحِ محبت اور ہو جاتی
نمایاں جوشِ پنہاں کی حقیقت اور ہو جاتی

پسِ پردہ یہ جلووں کی فراوانی قیامت ہے
اگر وہ سامنے ہوتے قیامت اور ہو جاتی

مجھے بیم و رجا کی کشمکش حیران رکھتی ہے
سوالِ شوق کی اے کاش ہمت اور ہو جاتی

وفورِ غم حقیقت میں پیامِ عیش و عشرت ہے
مصیبت اور بڑھ جاتی تو راحت اور ہو جاتی

خودی ہی نے خدا سے عمر بھر مجھ کو جدا رکھا
اگر کچھ بے خودی ہوتی تو صورت اور ہو جاتی

رتنؔ یہ تہ نشینی ہے غنیمت بحرِ الفت میں
اگر ساحل پہ رہتے تو مصیبت اور ہو جاتی

دل کو وحشت ہے پری رویوں کا میلا دیکھ کر
میں نئی دنیا میں آ پہنچا یہ دنیا دیکھ کر

روئے جاناں کی تجلّی سے اُڑے ہوش و حواس
خود تماشا بن گیا ہوں یہ تماشا دیکھ کر

آنے جانے کا یہ قصّہ کس قدر دل چسپ ہے
آئے عقبیٰ دیکھ کر جاتے ہیں دنیا دیکھ کر

ذرّہ ذرّہ آستانِ یار ہے میرے لیئے
پھر یہ بے معنی ہدایت ہے کہ سجدا دیکھ کر

ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے دونوں میں مجھے
بت کدہ آنکھوں پھر جاتا ہے کعبا دیکھ کر

یا ہمیں بھیجا نہ ہوتا سیرِ دنیا کے لیئے
یا بلایا ہی نہ جاتا سیرِ دنیا دیکھ کر

زہد و رندی کا یہ شاید امتحاں ہونے لگا
جھومتی ہے میری توبہ جامِ صہبا دیکھ کر

کچھ گناہوں کی ندامت بوجھ کچھ آلام کا
آہ کیا کچھ لے چلے ہم سیرِ دنیا دیکھ کر

دل میں اس جانِ تمنّا کی تمنّا بڑھ گئی
آنکھ روشن ہو گئی داغِ تمنّا دیکھ کر

دیر و کعبا خود پیچھے آ ئے مری جانب رتنؔ
جب میں آگے بڑھ چلا ایک اور نقشا دیکھ کر

پھر فصلِ گل آ پہنچی ہے پھر چاک گریباں دیکھیں گے
آشفتگیٔ دل کہتی ہے اب عالمِ زنداں دیکھیں گے

جب چشمِ حقیقت اُٹھّے گی ذرّاتِ پریشاں دیکھیں گے
اُلفت کی فضائے دل کش کو انجام بداماں دیکھیں گے

پھر تابِ رُخِ گل یاد آئی پھر تازہ ہُوئے ہیں داغِ جگر
پھر کُنجِ قفس کے عالم میں ہم بزمِ چراغاں دیکھیں گے

ہر ذرّۂ کوئے محبت پر لکھا ہے ہمارا افسانہ
ہم عشق کو حیراں دیکھ چکے اب حُسن کو حیراں دیکھیں گے

پھر ذوقِ خلش کی رنگینی زخموں کے پھُول کھلاتی ہے
پھر دل کے ویرانے میں ہم انوارِ گلستاں دیکھیں گے

بربادئ دل کا نظّارہ جب دیکھے گا وہ شوخ نظر
اس اجڑے ہُوئے ویرانے کو ہم رشکِ گلستاں دیکھیں گے

مشتاق نظر ہو جائے گی جب پردۂ حائل سے باہر
اے چھُپنے والے پھر تجھ کو ہم دل میں نمایاں دیکھیں گے

جب ذوقِ تمنّا کی حد سے بڑھ جائے گا اپنا عشق رتن
وہ ہم کو خنداں دیکھیں گے ہم اُن کو خنداں دیکھیں گے

اُن کی جانب سے یہ محفل میں سوال اکثر اُٹھا
یہ بلاکش مرتے مرتے کب اُٹھا کیوں کر اُٹھا

سنگِ طفلاں کو مری افتاد کیا مرغوب تھی
سر کا اُٹھنا تھا کہ اُس کے ساتھ ہی پتھر اُٹھا

یاد آیا کون سا بھولا ہوا ارماں ہمیں
یک بہ یک دل میں جو اک طوفانِ اشکِ تر اُٹھا

کس قدر لرزاں تھا ان کے سامنے جاتے ہوئے
نامہ بر کوچے میں اُن کے بار ہا گر کر اُٹھا

مشکلیں راہِ طلب کی کیا کہوں اے ہم نشیں
جو قدم اُٹھا وہیں اِک فتنۂ محشر اُٹھا

کس قدر دشوار ہے الفت کی منزل کا سفر
میں تو کیا خود رہ نما بھی بار ہا گر کر اُٹھا

عشق کی افتاد ہے سب سے جدا سب سے الگ
یہ وہ عالم ہے کہ اس سے جو اٹھا مر کر اٹھا

منزلِ الفت مجھے دشوار کیوں ہوتی رتن
جو قدم اٹھا وہی بن کر مرا رہبر اٹھا

خوشی کی مستیوں کو عیش کا ماتم سمجھتے ہیں
جسے کوئی نہیں سمجھا اسے کچھ ہم سمجھتے ہیں

حقیقی طور پر رازِ حقیقت ہم سمجھتے ہیں
مسرت موت کو تو زندگی کو غم سمجھتے ہیں

جنھیں دم ساز سمجھا تھا وہ دم دیتے رہے ہم کو
مگر ہم پھر بھی اُن کو آج تک ہمدم سمجھتے ہیں

کمالِ شوق نے ہم کو کہاں پہنچا دیا آخر
جہانِ عشق ہی کو حسن کا عالم سمجھتے ہیں

ہماری کوششِ ناکام اصلِ کامرانی ہے
مگر کم حوصلہ اس راز کو کچھ کم سمجھتے ہیں

بسا اوقات ان کو بھی یہاں بھولا ہوا پایا
جو حسن و عشق کی راہوں کے پیچ و خم سمجھتے ہیں

ابھی یہ رازِ پنہاں رازکی دنیا میں پنہاں ہے
ہمیں وہ کیا سمجھتے ہیں انھیں کیا ہم سمجھتے ہیں

تماشائے جہاں کی ہم کو خواہش ہو نہیں سکتی
رتن ہم اہلِ دل ہیں دل کو جامِ جم سمجھتے ہیں

دلِ پُر داغ میں ہر دم نگاہ یار رہتی ہے
اسی گلشن میں خنداں نرگسِ بیمار رہتی ہے

حدودِ ہوش سے آگے قدم رکھا ہے جس دن سے
اسی دن سے ہماری بے خودی ہشیار رہتی ہے

مریضِ عشق کی مجبوریاں ہم سے بیاں کیا ہوں
یہاں آکر دوا تو کیا دعا بے کار رہتی ہے

خدا جانے قدم اٹھتے ہی کس منزل میں جا پہنچے
زباں خاموش رہتی ہے نظر سرشار رہتی ہے

وہاں تک ہے نگاہِ شوق کے احساس کی دنیا
جہاں تک بے قراری طالبِ دیدار رہتی ہے

گہر باری کبھی ابرِ کرم کی دیکھ ہی لوں گا
ابھی تو معصیت کی آنکھ دریا بار رہتی ہے

مٹے شیخ و برہمن دوزخ و جنت کے جھگڑے میں
نظر عرفانیوں کی ان حدوں سے پار رہتی ہے

ہمارے اشتیاقِ دید کی تاثیر تو دیکھو
تجلّی بے حجابی کے لئے تیار رہتی ہے

جسے مرنا نہیں آتا اُسے جینا بھی کیا آئے
جدا ہو کر اجل سے زندگی بے کار رہتی ہے

سمجھ سے بھی ہے بالاتر سمجھنا دل کی منزل کا / خرد ادراک سے کیوں مائل پیکار رہتی ہے

نگاہیں مست ہیں طاری ہے دل پر شکر کا عالم
رتن پھر بھی خموشی مائل گفتار رہتی ہے

تمھاری سرگرانی سے گراں جانی نہیں جاتی / اسی کی تو عنایت سے پریشانی نہیں جاتی

جدھر بھی آنکھ اٹھائی اپنا ہی پیکر نظر آیا / ترے کوچے میں آکر دل کی حیرانی نہیں جاتی

طلسم زندگی ٹوٹا تو محشر سامنے آیا / مجھے کیوں چھوڑ کر میری گراں جانی نہیں جاتی

گریباں کو سنبھالا تو قبا کی آگئی شامت / کسی تدبیر سے یہ چاک دامانی نہیں جاتی

شراب عشق کی پاکیزگی میں شک نہیں ہرگز / مگر افسوس ہر مے کش سے یہ چھانی نہیں جاتی

مجھے عذر گنہ نے کر دیا محروم رحمت سے / اسی تقصیر پہ میری پشیمانی نہیں جاتی

کہیں شادی کہیں ماتم کوئی غمگیں کوئی شاداں / خدا کی مصلحت ہم سے تو پہچانی نہیں جاتی

در رحمت سے آئے اے رتن سب کامراں ہو کر
مری عرض تمنا کیوں وہاں مانی نہیں جاتی

نگاہیں بند کر کے حسن جاناں دیکھ لیتا ہوں / اندھیرا ہے مگر خورشید تاباں دیکھ لیتا ہوں

خیال آتا ہے جب دل کی حقیقت کے سمجھنے کا / اٹھا کر چند ذرات پریشاں دیکھ لیتا ہوں

معاذاللہ جوش غم نے کیا کیا گل کھلائے ہیں / جگر کو دیکھ کر صحن گلستاں دیکھ لیتا ہوں

شب فرقت وفور یاس کی پہلی ہی منزل میں / حیات و موت کو دست و گریباں دیکھ لیتا ہوں

نظر آتی ہے ساحل کی حیات افروز رعنائی / سفینہ اپنا جب میں نذر طوفاں دیکھ لیتا ہوں

خدا کی جستجو میں طور پہ میری بلا جائے / نگاہ غور سے ہر شکل انساں دیکھ لیتا ہوں

عبث کوشش ہے ان کی اے رتن پردہ گرانے میں
انھیں میں سو حجابوں میں نمایاں دیکھ لیتا ہوں

توبہ بسِ گناہ کیۓ جا رہا ہوں میں
واعظ سے بھی پناہ کیۓ جا رہا ہوں میں

دیکھوں گا حشر میں کرمِ عام کا اثر
فردِ عمل سیاہ کیۓ جا رہا ہوں میں

قسمت پہ منحصر ہے رسائی کا مرحلہ
ہر ہر قدم پہ آہ کیۓ جا رہا ہوں میں

راہِ وفا میں ٹوٹے ہوۓ دل کے حال پر
ہلکی سی اِک نگاہ کیۓ جا رہا ہوں میں

بازی گہہِ نیاز میں شوقِ جمال کو
شرمندۂ نگاہ کیۓ جا رہا ہوں میں

ہے آستانِ یار ہی مقصودِ زندگی
سر نذرِ بارگاہ کیۓ جا رہا ہوں میں

کوئی تو عذر چاہیۓ بخشش کے واسطے
عصیاں سے رسم و راہ کیۓ جا رہا ہوں میں

منظور ترکِ صحبتِ ساقی نہیں رتنؔ
توبہ کو اشتباہ کیۓ جا رہا ہوں میں

ملے گا دشت کے ہر ذرّے میں نشاں اپنا
بکھر کے لاکھ جگہ بن گیا مکاں اپنا

کھلاۓ کون سا گُل دیکھیۓ نشاں اپنا
چمن میں ڈھونڈتی ہے برق آشیاں اپنا

کرشمہ سازیٔ ذوقِ نظر کو کیا کہیۓ
قفس میں بھی نظر آتا ہے آشیاں اپنا

کسی طرح بھی رسائی نظر نہیں آتی
حدِ نگاہ سے آگے ہے آشیاں اپنا

ہماری خاک کے ہر ذرّے پر ہے دل کا گماں
یہی ہے مرحلۂ عشق میں نشاں اپنا

وہ میری آہ و فغاں پر بھی مسکراتے ہیں
ابھی کچھ اَور ہے منظور امتحاں اپنا

نہ باغباں سے گلہ ہے نہ برق سے ہم کو
جلایا آتشِ گُل ہی نے آشیاں اپنا

تلاشِ یار میں کچھ ایسا کھو گیا ہوں رتنؔ
کہ مل سکا نہ کہیں بھی مجھے نشاں اپنا

لاگ پھر جوشِ نمو کو ہوئی دیوانے سے
پھر اُٹھا ایک بگولہ مرے ویرانے سے

چشمِ پُر آب میں دیکھے کوئی دل کا عالم
رازِ شیشے کا عیاں ہوتا ہے پیمانے سے

شمع رُویوں سے کوئی دل نہ لگاۓ ہرگز
بزم میں کی نہ وفا شمع نے پروانے سے

ہوگیا عشق میں جو حدِّ خرد سے باہر
اُس کو کعبے سے غرض اور نہ بت خانے سے
اہلِ محفل کو رتن چاک گریباں پایا
یہ بڑھا جوشِ جنوں کا مرے افسانے سے

جو یہ پوچھے مری منزل کہاں ہے
کہو اُس سے کہ تیرا دل کہاں ہے
پہنچنا منزلِ مقصود تک کیا
ابھی یہ سوچتا ہوں دل کہاں ہے
ہر اِک نقشِ قدم پر جھک رہا ہوں
مگر یہ کیا خبر منزل کہاں ہے
بتا اے بے دلی میں کیا بتاؤں
کوئی یہ پوچھتا ہے دل کہاں ہے
فضا میں کچھ تجلّیٰ دیکھتا ہوں
خدا جانے نگاہِ دل کہاں ہے
وفائے عشق سے اب مطمئن ہوں
غمِ ماضی و مستقبل کہاں ہے
اُڑا کر دل وہ مجھ سے پوچھتے ہیں
رتن یہ تو بتا دو دل کہاں ہے

دیکھو تو نگاہِ فتنہ زا کو
اُٹھ اُٹھ کے کُھلتی ہے قضا کو
کیا دخل ہے عشق میں شفا کو
لے جا اے چارہ گر دوا کو
احساسِ جفا ذرا نہیں ہے
کیا دوگے جواب تم خدا کو
ہر گام ہے پیکرِ قیامت
کیا کہیے خرامِ فتنہ زا کو
کیا عشق میں خوفِ مرگ اے دل
تو عینِ بقا سمجھ فنا کو
کب تک پسِ پردہ لن ترانی
پہچان لیا تری صدا کو
ہم نے راہِ طلب میں اکثر
خود راہ بتائی رہنما کو
مے خانے میں ہم نے مست و مخمور
دیکھا ہے رتن سے پارسا کو

رحم کر اپنی نوازش میں نہ اب تاخیر کر
رکھ دیا ہے سامنے تیرے کلیجا چیر کر

ایک دن آباد ہو کر میں دکھا دوں گا تجھے
جس قدر برباد کر سکتی ہے اے تقدیر کر

رہ نہ جائے کوئی ارمانِ ستم دل میں ترے
اور کچھ نازل مصیبت مجھ پہ اے تقدیر کر

بود پر ہے اس قدر کیوں تجھ کو سودائے نمود
خوابِ ہستی کو نہ یوں شرمندۂ تعبیر کر

عشق کے جوہر سمجھنے کی اگر ہے آرزو
گردنِ تسلیم وقفِ جوہرِ شمشیر کر

جامِ مے میں غرق کر دے خواہشِ فردوس کو
قلقلِ مینا سے پیدا نعرۂ تکبیر کر

رحمتیں تجھ پر برسنے کے لیے تیار ہیں
اک دفعہ تو اعترافِ کثرتِ تقصیر کر

راز یہ توقیر کا اے طالبِ توقیر سن
خود پسندی چھوڑ کر توقیر کی توقیر کر

نورِ ایماں کفر کی ظلمت سے پیدا کر رتنؔ
سنگِ اسود پر تو اپنا بت کدہ تعمیر کر

سامنے نظروں کے بزمِ ناز ہے
اب مرا ہر راز شرحِ راز ہے

جلوۂ دل کش ہے محشر آفریں
مضطرب دنیائے سوز و ساز ہے

عالمِ جوشِ تجلی دیکھئے
خود نمائی کو بھی اُن پر ناز ہے

سرگزشتِ طور ہے پیشِ نظر
آشنائے گوش ہر آواز ہے

خاک سمجھے رازِ سربستہ کوئی
عشق کا انجام بھی آغاز ہے

اُٹھ چلے آگے قدم اے رہ نما
ذرّہ ذرّہ اِک جہانِ راز ہے

بن گیا ہر ذرّہ دنیائے وفا
مٹ کے بھی دل کا وہی انداز ہے

کیا تسلّی ہو نظر کو اے رتنؔ
سامنے آ کر بھی وہ اِک راز ہے

پھر ہے دردِ عشق کو اک قلبِ بسمل کی تلاش
موجِ دریا کو ہوئی آغوشِ ساحل کی تلاش

جلوۂ دل کش تڑپ اُٹھتا ہے خود زیرِ حجاب
بارک اللہ کس قدر ہے حسن کو دل کی تلاش

جس جگہ ارماں کا ماتم حسرتوں کا خون ہو
ہے دلِ غم آشنا کو ایسی محفل کی تلاش

رات دن اک محشرِ خاموش ہے پیشِ نظر — کوئی دیکھے تو کہاں لائی ہے منزل کی تلاش
دیکھئے یہ برقِ مضطر کس کے خرمن پر گرے — اُس نگاہِ شوخ کو ہے پھر کسی دل کی تلاش
چشمِ عبرت دیکھ لے تصویرِ انجامِ وفا — خاک کے ذروں میں کرتا ہے کوئی دل کی تلاش

وائے محرومی کہ مٹ کر رہ گیا ہوں اے رتن
پھر بھی دل میں چٹکیاں لیتی ہے منزل کی تلاش

شکر ہے اُن کا آستاں پایا — منزلِ عشق کا نشاں پایا
حدِّ ادراک سے گزرتے ہی — دل کو جلووں کا رازداں پایا
کون ہو آشنائے دل شبِ غم — جب فغاں کو نہ ہم زباں پایا
اُن کے نقشِ قدم کو کیا کہیئے — ذرّے ذرّے میں آسماں پایا
رازِ پنہاں رہا عیاں ہو کر — خامشی کو بھی داستاں پایا
کس کا نقشِ قدم ہے پیشِ نظر — کہ زمیں کو بھی آسماں پایا
راہِ الفت کی اُف رے دشواری — ہر قدم پر اک امتحاں پایا

اے رتن ہر نظر ہے اک منزل
دل نے شاید وہ آستاں پایا

درد کو درد کی دوا سمجھے — ہم جو سمجھے ہیں کوئی کیا سمجھے
عالمِ بے خودی کہیں کیا ہم — ہر صدا کو تری صدا سمجھے
ایک محشر ہوا ابتدا جس کی — کوئی کیا اس کی انتہا سمجھے
ہو گئیں منزل سے آشنا نظریں — ہم جب اندازِ نقشِ پا سمجھے
رازِ مستور ہے کسی کا جمال — کوئی سمجھے اسے تو کیا سمجھے
راہِ اُلفت میں خاک ہونے پر — دل کو ہم جانِ مدّعا سمجھے

شوقِ منزل ہے کیا جنوں پرور — ہم تو منزل کو نقشِ پا سمجھے

ہاتھ پہنچا رتن گریباں تک

ایسی وحشت کو کوئی کیا سمجھے

جذبۂ عشق نے بدلا ہے یہ پہلو دل میں — آنکھ تک آ کے پلٹ جاتے ہیں آنسو دل میں

دل کے ہر گوشے میں ہے وادیِ سینا کا ظہور — آ کے بے پردہ ہوا کیا وہ پری رو دل میں

کوئی دیکھے تو مرے جوشِ جنوں کی تاثیر — خاک سی اڑتی نظر آتی ہے ہر سو دل میں

رنگ لائی ہے یہ تاکیدِ خموشی اُن کی — بن کے ارمان رہے جاتے ہیں آنسو دل میں

ہوئی ناکامیِ گریہ سے خجالت کیا کیا — مسکراتے ہیں مرے حال پہ آنسو دل میں

جب سے اُس جلوہ گہِ ناز میں پہنچی ہے نظر — کوندتی پھرتی ہے اک برق سی ہر سو دل میں

پھر کوئی برقِ نظر سامنے آتا ہے رتن

آج پھر رقص میں ہے جلوۂ دلجو دل میں

ہر اک پستی بلندی کا نشاں معلوم ہوتی ہے — زمیں میری نظر میں آسماں معلوم ہوتی ہے

اگر دشتِ جنوں پرور سے اُٹھی ہے صدا کوئی — تو وہ بانگِ وداعِ کارواں معلوم ہوتی ہے

مری خوں باریاں کچھ کم نہیں ہیں موسمِ گل سے — قفس میں بھی فضائے گلستاں معلوم ہوتی ہے

معاذ اللہ نگاہِ شوق کس عالم میں جا پہنچی — کہ برقِ آشیاں اب آشیاں معلوم ہوتی ہے

خموشی بن گئی رودادِ دل بزمِ تمنّا میں — مری ہر آہ شرحِ داستاں معلوم ہوتی ہے

نہیں ناکامیاں قسمت کی ہیں بازارِ الفت میں — متاعِ دل بھی جنسِ رائیگاں معلوم ہوتی ہے

ڈبو دے گی تلاشِ ساحلِ مقصود اب مجھ کو

رتن ہر موجِ بحرِ بیکراں معلوم ہوتی ہے

جوشِ غم سے نہ تھا اتنا تو پریشاں کوئی — لبِ پردہ ہے مگر سلسلہ جنباں کوئی

یہ نظر آتا ہے اے بیخودیِ شوق مجھے — سامنے کھول رہا ہے درِ زنداں کوئی

تڑپ اُٹھتی ہے جبیں راہِ محبت میں وہیں | دیکھ لیتا ہوں جہاں ذرّہ نایاں کوئی
خرمنِ گل میں نظر آتا ہے اک شعلۂ طور | اِس قدر بھی نہ کرے حسن کو عریاں کوئی
تیری رحمت نے چھپایا وہیں دامن میں اُسے | جب گناہوں سے ہوا دل میں پشیماں کوئی
وُسعتِ دشت نظر آتی ہے ہر ذرّے میں | کر گیا اپنی حقیقت کو نمایاں کوئی
ایک دنیائے سکوں بن گئی ہر کاوشِ غم | خانۂ دل میں ہے جس روز سے مہماں کوئی

سخت مشکل ہے رتنؔ اصل میں شاعر ہونا
لاکھ اپنے کو کہے جائے سخن داں کوئی

آج پھر دیکھتا ہے چاک گریباں کوئی | کاش محسوس کرے جوشِ رگِ جاں کوئی
جی میں ہے دل کی تمنّا بھی گزارش کر دوں | پوچھنے آیا تو ہے حالِ پریشاں کوئی
جوش میں آئے ہیں پھر جلوے بہارِ گل کے | پھر مجھے کھینچتا ہے جانبِ زنداں کوئی
دیر و کعبہ میں بھٹکتی تو رہی ہیں نظریں | مجھ کو سمجھا نہ سکا حاصلِ ایماں کوئی
تیرے کوچے میں ہے کیا جوشِ جنوں کا عالم | پھاڑتا ہے کوئی دامن تو گریباں کوئی
سانس لیتا ہے جو رُک رُک کے مریضِ اُلفت | رہ گیا ٹوٹ کے کیا سینے میں پیکاں کوئی
کوئی دیکھے تو سہی حسن کی یہ شانِ حجاب | دل میں رہتے پہ بھی ہے آنکھوں سے پنہاں کوئی

دردِ دل کو حدِ درماں سے گزرنے دے رتنؔ
آکے خود ہوگا مرے حال کا پرساں کوئی

اے دل انجام پر بھی ایک نظر | ہاتھ اُٹھتے تو ہیں گریباں پر
کیوں نہ دیوانہ ہو دلِ مضطر | ہر فضا میں ہے طور کا منظر
دشتِ ایمن ہو یا فضائے ازل | ہر تجلّی سے آشنا ہے نظر
عشق میں ایسی بھی ہے اِک منزل | خود بھٹک جاتے ہیں جہاں رہبر
قسمتِ نارسا کو کیا کہیئے | ہر تجلّی ہے اِک حجابِ نظر

کہیئے کیا سرگزشتِ طور و کلیم
ہیں شرر بار آج تک پتھر
دل کی وارفتگی معاذ اللہ
جھک رہی ہے نگاہ ہر در پر
اُٹھ گیا ہر حجابِ دیدہ و دل
حاصلِ بیخودی ہے پیشِ نظر
جانتا ہوں مآلِ عشق رتن
سخت محتاط ہو چکی ہے نظر

جم گئی حسنِ مجازی پر نظر
دِل حقیقت سے ہے کتنا بے خبر
ذرّہ ذرّہ اِک طلسمِ راز ہے
سوچتا یہ ہوں کہاں پہنچی نظر
وُسعتِ عالم جسے کافی نہیں
ہے دِل پُرشوق میں وہ جلوہ گر
دُور ہو کر بھی نگاہِ شوق سے
سامنے رہتا ہے اُن کا سنگِ در
ہم کہیں گے اِس کو معراجِ وفا
ہو گیا دل مٹ کے خاکِ رہ گزر
ہائے وہ آغاز کی رنگینیاں
ہو گیا انجام سے دِل بے خبر
ایک ہنگامہ بپا ہے ہر طرف
آ گئی شاید اب اس کی رہ گزر
اے دلِ مضطر خدا حافظ ترا
آہ بے بنیاد نالہ بے اثر
بے خودی ایسی ہوئی ہے اے رتن
ذرّہ ذرّہ ہے کسی کا سنگِ در

منزلِ عرفاں فضائے نور ہے
ذرّہ ذرّہ جلوہ گاہِ طور ہے
آج تک باقی ہے الزامِ حیات
اے دلِ تا فہم منزل دُور ہے
اُن سے ملنے کی تمنّا کیا کروں
یاد مجھ کو سرگزشتِ طور ہے
ڈھونڈتی پھرتی ہے جس کو چشمِ شوق
دِل کے ہر گوشے میں وہ مستور ہے
دیکھتا ہوں تیرے جلووں کا اثر
ایک عالم نور سے معمور ہے

دِل کی دُنیا ہی بدل دی آپ نے
ہر صدا اب نغمۂ منصور ہے

اے رتن وہ محفل آرائے الست
کیوں نگاہِ شوق سے مستور ہے

نکل کر آہ دل سے آسماں پیمانہ ہو جائے
یہ ڈر ہے آشنائے رازِ غم دنیا نہ ہو جائے

جنونِ عشق میں آدابِ الفت یاد ہیں کس کو
ادائے شکر بھی اے دل کہیں شکوا نہ ہو جائے

سرِ محشر یہ اندازِ خرامِ ناز رہنے دو
قیامت میں قیامت دوسری برپا نہ ہو جائے

اُٹھاتا ہے رُخِ زیبا سے اب کوئی نقاب اے دل
کہیں کوتاہیٔ شوقِ نظر پردا نہ ہو جائے

مری بے تابیاں اب جوشِ طوفاں ہوتی جاتی ہیں
رتن ڈر ہے کہ میرا اشکِ غم دریا نہ ہو جائے

اُن کی نظروں میں ہے اب حالِ پریشاں میرا
حاصلِ عشق ہوا چاک گریباں میرا

نہ ملے ڈھونڈنے والوں کو مرے نقشِ قدم
ہر بیاباں سے کچھ آگے ہے بیاباں میرا

سیر ہوتی نہیں رعنائیٔ دل کش سے نظر
آج پہنچا ہے کہاں دیدۂ حیراں میرا

سوچتا یہ ہوں کہوں بھی تو کہوں کیا آخر
پوچھتی ہے وہ نظر حالِ پریشاں میرا

اب قدم جانبِ منزل ہے اٹھانا دشوار
بن گیا نقشِ کفِ پا دلِ حیراں میرا

ہاتھ اُٹھتے ہی زمانے کی نگاہیں اُٹھیں
ایک نظارۂ دل کش ہے گریباں میرا

خلشِ شوق اسیری بھی ہے اک پردۂ راز
کس نے رُخ پھیر دیا جانبِ زنداں میرا

عشق میں کاوشِ جاں سوز ہوئی وجہِ سکوں
درد سمجھا تھا جسے ہے وہی درماں میرا

دیر و کعبہ میں بھی نظروں کو تسلّی نہ ہوئی
رازِ سربستہ رہا دیدۂ حیراں میرا

دامنِ دشت جہاں سامنے آتا ہے رتن
میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی ہے گریباں میرا

ترقی کوئی دیکھے تو جنونِ فتنہ ساماں کی
تماشا بن گئی ہیں دھجیاں میرے گریباں کی

وہ اکثر سامنے آکر بھی پنہاں ہیں نگاہوں سے
کوئی وارفتگی دیکھے ہماری چشمِ حیراں کی

قفس میں بھی بہارِ گل کے جلوے دیکھ لیتا ہوں
مری نظروں میں ہیں رعنائیاں اب تک گلستاں کی

ذرا چشمِ حقیقت بیں سے دیکھ اے دیکھنے والے
عیاں ہے ذرّے ذرّے سے تجلّی حسنِ جاناں کی

مجھے بھی وہ خلش کھینچے لئے جاتی ہے اے وحشت
کہیں سے خاک چھنوائی ہے مجنوں سے بیاباں کی

کہیں تو ختم ہوتا سلسلہ غم ہائے پنہاں کا
کہیں تو انتہا ہوتی مرے حالِ پریشاں کی

نظر آتا ہے مجھ کو اے رتنؔ انجام وحشت کا
ہوا میں اڑ رہی ہیں دھجیاں میرے گریباں کی

ہمارا عشق ہوگا زیبِ عنواں ہم نہیں ہوں گے
تمہارا حسن ہوگا جب پشیماں ہم نہیں ہوں گے

دغا دے جائے گی عمرِ گریزاں ہم نہیں ہوں گے
فضا میں ہوں گے ذرات پریشاں ہم نہیں ہوں گے

بہت سے اور بھی آئیں گے مہماں ہم نہیں ہوں گے
بہت پُرکیف ہوگی بزمِ دوراں ہم نہیں ہوں گے

ہمارے خاک ہونے پر محبّت رنگ لائے گی
ہمیں ڈھونڈیں گے وہ ہو کر پشیماں ہم نہیں ہوں گے

حیاتِ عشق فانی ہے وجودِ حسن لافانی
یہ دونوں مل کے ہو جائیں گے یکساں ہم نہیں ہوں گے

ہمارے جیتے جی تو آپ ہیں اک رازِ سربستہ
مگر جب آپ ہوں گے جلوہ ساماں ہم نہیں ہوں گے

تجلّی کا جہاں عرفاں ہوا مشتاق نظروں کو
وہاں ہوگے تمھیں ہر سو نمایاں ہم نہیں ہوں گے

یہی جلسے یہی رونق یہی رنگیں فضا ہوگی
رتنؔ اس بزم میں لیکن غزل خواں ہم نہیں ہوں گے

قفس میں یاد آگئیں تمہاری خوش بیانیاں
مگر کسے سناؤں میں یہ دکھ بھری کہانیاں

بنی تھی بات جو ابھی وہی بگڑ کے رہ گئی
تباہ کر گئیں مجھے تری یہ قہرمانیاں

ستم بھی ہے کرم مجھے جفا بھی ہے وفا مجھے
تری یہ ظلم کوشیاں ہیں عین مہربانیاں

ہجوم یاس فرطِ غم ۔ وفورِ گریہ ۔ داغِ دل
اجڑ چکا ہے گھر مگر یہ رہ گئیں نشانیاں

بہا چکے ہیں اشکِ خوں دکھا چکے ہیں زخمِ دل
ہنوز بدگمان کی وہی ہیں بدگمانیاں

جفائے حُسن کا گلہ کوئی کرے تو کیا کرے
ہنسی سمجھ رہے ہیں وہ کسی کی سرگرانیاں

بقائے حُسن منحصر ہے عشق کے وجود پر
ازل سے کی ہیں آج تک اسی نے پاسبانیاں

غمِ نہاں کا ماجرا کہوں تو اُن سے کیا کہوں
نہ وہ زباں رہی ہے اب نہ اُس کی ترزبانیاں

زباں کی فصاحتیں سخن وروں نے چھوڑ دیں
فسانہ بن کے رہ گئیں رتنؔ کی خوش بیانیاں

زمین و آسماں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں
مرے دونوں جہاں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

ستارہ میری قسمت کا کچھ اس انداز سے ٹوٹا
کہ ساتوں آسماں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

کوئی بجلی چھپی بیٹھی ہے شاید سبز شاخوں میں
ہمارے آشیاں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

نگاہِ برق وش کس کی یہ جو پھولوں کو تکتی ہے
چمن کے پاسباں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

وطن والو ذرا سوچو وطن کا حال کیا ہوگا
ہمارے نوجواں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

فقط ہیں ہی نہیں آشفتہ خاطر اُن کی محفل میں
وہاں تو رازداں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

گلستانوں پہ جو گزری بیاں میں آ نہیں سکتی
ابھی تک باغباں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

مجھے شوقِ رسائی نے وہاں پہنچا دیا آخر
فرشتے بھی جہاں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

یہ اُردو دشمنی کا نقشِ اوّل دیکھتے جاؤ
رتنؔ سے ترزباں سہمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں

چمن والو چمن کی داستاں کچھ اور کہتی ہے
ذرا سُنتا تو بلبل کی فغاں کچھ اور کہتی ہے

زبانِ خلق پر کیوں کر کسی کو اعتبار آئے
یہاں کچھ اور کہتی ہے وہاں کچھ اور کہتی ہے

جہاں اُٹھا کسی کا سر وہیں پتھر پڑا آکر
جہاں والو! یہ رودادِ جہاں کچھ اور کہتی ہے

ہزاروں شکوے گلے میری زباں پر اُن کی فرقت میں
مگر اب سامنے آکر زباں کچھ اور کہتی ہے

ابھی تک تو تسلّی تھی جوابِ خط کے آنے کی
مگر افسوس قاصد کی زباں کچھ اور کہتی ہے

فنا کا ذکر ہی کیا ہے مری بزمِ تمنا میں
مجھے میری حیاتِ جاوداں کچھ اور کہتی ہے

نگاہِ یار پوچھا چاہتی ہے اور کچھ ہم سے
ہماری بے زبانی کی زباں کچھ اور کہتی ہے

سرِ راہِ طلب اے سر جھکا کر بیٹھنے والے
تجھے اُٹھ اُٹھ کے گردِ کارواں کچھ اور کہتی ہے

بشر جس زندگی کے واسطے جیتا ہے مر مر کر
رتنؔ اُس زندگی کی داستاں کچھ اور کہتی ہے

تیری فطرت پر اعتبار کیا
اور بھی دل کو بے قرار کیا

ہم نے اُن کے وقار کی خاطر
اپنی ہستی کو بے وقار کیا

تیری رحمت کا آسرا لے کر
ہم نے خود کو گناہ گار کیا

کہہ کے افسانہ اے دلِ غم گیں
کیا کیا اُس کو شرمسار کیا

دلِ ناداں ترا خدا حافظ
اس نے تیرِ نظر سے وار کیا

میرے ہی عشق کی حرارت نے
حُسنِ جاناں کو شعلہ بار کیا

موت سے پہلے موت اُسے آئی
جس نے جینے پہ اعتبار کیا

چشمِ بینا کا معجزہ کہیئے
اُن کے جلووں کو آشکار کیا

رنگ لایا کمالِ شوق آخر
حُسنِ دل کش کو جلوہ بار کیا

دل تو پہلے نثار تھا تم پر
زندگی کو بھی اب نثار کیا

دورِ اُردو کشی میں ہم نے رتنؔ
شعر گوئی کو اختیار کیا

آپ آئے ہیں تو ٹھہریں مرے گھر آج کی رات
میں زیادہ تو نہ روکوں گا مگر آج کی رات

حُسنِ قسمت سے وہ آئے مرے گھر آج کی رات
کاش رک جائے یہ کم بخت سحر آج کی رات

اشک برسائے نہ کیوں دیدۂ تر آج کی رات
نظر آتے نہیں آثارِ سحر آج کی رات

میرا مہمان ہے اِک رشکِ قمر آج کی رات
در و دیوار ہیں فردوسِ نظر آج کی رات

میرا ہر نالہ ہے تخریب اثر آج کی رات
کیوں نہ ہو نظمِ جہاں زیر و زبر آج کی رات

ہر فضا نور میں ڈوبی نظر آتی ہے مجھے
کس کے جلووں سے ہے جنت مرا گھر آج کی رات

چار غم خوار دیئے مجھ کو غمِ فرقت نے
دردِ دل۔ دردِ جگر۔ دیدۂ تر۔ آج کی رات

موت کا شوق بھی جینے کی تمنا بھی ہے
ہجر کے روگ کا دیکھو تو اثر آج کی رات

چشمِ بینا نے حجابات نہ باقی چھوڑے
حسنِ مستور ہوا پیشِ نظر آج کی رات

جل چکا میرا نشیمن تو مری آہوں سے
کیوں ہیں سرگرمِ جفا برق و شرر آج کی رات

در و دیوار ہیں افسردہ فضا ہے تاریک
مجھ سے رخصت ہوا اک رشکِ قمر آج کی رات

اُس کے جلووں سے ہیں محروم ابھی تک نظریں
اے صبا تو ہی اٹھا پردۂ در آج کی رات

غم زدہ ہو کے کھچے آئے وہ غم خانے میں
دیکھئے تو مری آہوں کا اثر آج کی رات

سوزِ پیہم کی یہ تاثیر تو کوئی دیکھے
اے رتن جل اٹھا ہر داغِ جگر آج کی رات

حقیقت جاننے والے بہت خاموش رہتے ہیں
جنھیں کچھ ہوش آجاتا ہے وہ بے ہوش رہتے ہیں

تلاشِ حق مجھے اُس منزلِ الفت میں لے آئی
جہاں جام و سبو آپس میں ہم آغوش رہتے ہیں

ہماری پارسائی خاک سمجھے گا کوئی زاہد
حرم میں بیٹھ کر ہم محوِ ناؤ نوش رہتے ہیں

نگاہِ شوق اُن کی دید سے سرشار رہتی ہے
کبھی یہ میں نہ مانوں گا کہ وہ روپوش رہتے ہیں

الٰہی کیا کوئی تازہ مصیبت آنے والی ہے
مری فریاد پر اب وہ ہمہ تن گوش رہتے ہیں

تعجب ہے انھیں چشمِ تماشا کس طرح دیکھے
سراپا نور ہونے پر بھی جو روپوش رہتے ہیں

یہ توبہ اور پھر امیدِ رحمت کی ارے واعظ
وہیں رہتی ہے رحمت بھی جہاں مے نوش رہتے ہیں

حسیں در پردہ ہنستے ہوں تو ہنستے ہوں کبھی شاید
بظاہر تو وہ غصے میں بہت پر جوش رہتے ہیں

رتن ہم پر گناہوں کی گراں باری ہی کیا کم تھی
پھر اس پر دو فرشتے بن کے بارِ دوش رہتے ہیں

چند روزہ زندگی کو جاوداں سمجھا تھا میں
موت کو گویا سراسر داستاں سمجھا تھا میں

اُن کے دل کو اپنے دل کا رازداں سمجھا تھا میں
بے زبانی کو محبت میں زباں سمجھا تھا میں

وقت آنے پر یہی کمبخت رہزن بن گئی
عقل کو اُلفت میں دل کی پاسباں سمجھا تھا میں

یاد کرکے وہ گھڑی پچھتا رہا ہوں رات دن
جب کسی نامہرباں کو مہرباں سمجھا تھا میں

کچھ نہ پوچھو کس طرح وہ بجلیاں بن کر گرے
چار تنکے جن کو اپنا آشیاں سمجھا تھا میں

غور سے دیکھا تو باطن میں عیاں پایا اُسے
جس تجلّی کو نگاہوں سے نہاں سمجھا تھا میں

بن گئے آخر وہی میری مصیبت کا سبب
جن کے در کی خاک کو دارالاماں سمجھا تھا میں

وہ محبّت ہی سبیلِ زندگی ثابت ہوئی
جس محبّت کو فقط اِک داستاں سمجھا تھا میں

ہر قدم پر حادثے تھے ہر قدم پر انقلاب
تیرے کوچے کی زمیں کو آسماں سمجھا تھا میں

درد سمجھا تھا جسے نکلا وہی درماں مرا
سُود کو بھی وائے نادانی زیاں سمجھا تھا میں

در حقیقت وہ جبینِ شوق ہی کا عکس تھا
اے رتن جس کو کسی کا آستاں سمجھا تھا میں

یہ نہ پوچھو کس قدر مجبور ہوں
زندہ رہ کر زندگی سے دُور ہوں

تیرے جلوے کیا نظر آئیں مجھے
آپ اپنی آنکھ سے مستُور ہوں

اپنے باطن میں اُنھیں پاتا ہوں میں
گو بظاہر اُن سے کوسوں دُور ہوں

اُس کی نزدیکی کا دعویٰ کیا کروں
میں تو اپنے آپ سے بھی دُور ہوں

نام لوں اس کا تو ملتی ہے سزا
اے محبّت میں بھی کیا منصُور ہوں

قیدِ ہستی ہو کہ قیدِ نیستی
ہر جگہ ہر حال میں مجبُور ہوں

غائبانہ دیکھتا ہوں میں تمہیں
سب سمجھتے ہیں کہ تم سے دُور ہوں

ہے اگر ناز اُن کو اپنے حسن پر
میں نیازِ عشق پر مغرور ہوں

کیوں تلاشِ نور ہو مجھ کو رتن
میں بذاتِ خود سراپا نُور ہوں

ترے حسن کا جو طلب گار ہوگا
وہ پہلے خود اپنا پرستار ہوگا

وہ ساعت بھی گزرے گی عاشق کے دل پر
کہ مجبور ہو کر بھی مختار ہوگا

جھکا ہوں بڑی آرزوؤں کو لے کر
جبیں ہوگی یا اب درِ یار ہوگا

ستم تیری چتون کا گو دل شکن ہے
مرے دل میں پھر بھی وہی پیار ہوگا

عبث ہے سفینہ عبث ناخدائی
جو موجوں سے الجھا وہی پار ہوگا

مرا شوقِ الفت یہی کہہ رہا ہے
تمھاری عداوت میں بھی پیار ہوگا

مری موت کی آرزو کرنے والے
ترا حسن بھی پھر تو بے کار ہوگا

وہاں اک عقیدت ہی درکار ہوگی
نہ تسبیح ہوگی نہ زنّار ہوگا

رہِ عشق میں سرفروشی ہے لازم
سرِ دار چڑھ کر تو سردار ہوگا

اٹھیں گے رتن جب حقیقت کے پردے
میں اُس کا وہ میرا پرستار ہوگا

دردِ دل کس سے کہوں کوئی بھی میرا نہ رہا
اور تو اور میں اب آپ بھی اپنا نہ رہا

سرخ رو ہو گئی تیغ آپ کی یہ کیا کم ہے
میرے سر کی نہ کریں بات رہا یا نہ رہا

کیا شکایت ہو مسیحا کی مسیحائی سے
درد وہ سینے میں ہے جس کا مداوا نہ رہا

شبِ فرقت کے تصور نے قیامت ڈھائی
روزِ روشن کی فضا میں بھی اُجالا نہ رہا

کس توقع پہ میں اب کوئی سہارا ڈھونڈوں
جب مرے پاس مقدر کا سہارا نہ رہا

دل سے دل ملنے پہ تھے گہرے نقوشِ الفت
آج آغاز کے نقشوں کا وہ نقشا نہ رہا

مجھ کو تسکین عطا کی ہے نشاطِ غم نے
غم کا شکوہ نہ رہا عیش کا سودا نہ رہا

دلِ دیوانہ کو بہلانے کہاں لے جاؤں
میری وحشت کے لیے ایک بھی صحرا نہ رہا

غمِ محبوب نے بھی پھیر لیں آنکھیں مجھ سے
دلِ مایوس کا اب کوئی سہارا نہ رہا

آج تک تیرے کرم پر تھا بھروسا مجھ کو
وقت وہ آیا کہ اب تو بھی شناسا نہ رہا

ہم نے جس دن سے تمنّا کی تمنّا چھوڑی — خود تمنّا کو بھی احساسِ تمنّا نہ رہا

قابلِ داد مری چشمِ تماشا ہے رتنؔ
جب ذرا آگے بڑھی حسن کا پردا نہ رہا

سر جھکاؤں کون سے در پر ترے در کے سوا — اور بھی کیا گھر ہے کوئی اس بھرے گھر کے سوا
نور بن کر چھپ رہا ہے نور کے پردے میں تُو — کیا کہوں میں اور تجھ کو نور پیکر کے سوا
ساقیا بے سُود ہیں بے کار ہیں باتیں تری — کچھ نہیں درکار مجھ کو ایک ساغر کے سوا
دیکھتا ہے کیا منجم میرے ہاتھوں کے نقوش — کچھ نہیں ہے ان میں برگشتہ مقدر کے سوا
کیسے کیسے دن دکھائے میری قسمت نے مجھے — زندگی میں کچھ نہ دیکھا ایک چکر کے سوا
اک اشارے سے گرا دے جو مرے دل کا محل — دوسرا کوئی نہیں ہے اس ستم گر کے سوا
جاگزیں ہے میرے ہی دل میں زمانے بھر کا غم — مل سکا اس کو کہیں مسکن نہ اس گھر کے سوا
سامنے محبوب ہے اب کون سا نذرانہ دُوں — اور میرے پاس ہی کیا ہے فقط سر کے سوا
سنگ فطرت ہم انھیں سمجھیں گے جب کہتے ہیں یہ — بت کدے میں کیا دھرا ہے ایک پتھر کے سوا

سامنے آکر کرے جو گفتگو محبوب سے
اے رتنؔ یہ کس میں طاقت ہے سخن ور کے سوا

آج تیری رحمتوں کا امتحاں ہونے لگا — راز میری پارسائی کا عیاں ہونے لگا
وقف کردی زندگی کی زندگی تیرے لئے — وقت آنے پر مگر تو بدگماں ہونے لگا
مہربانی تو نے کی نامہربانوں کی طرح — مہرباں ہونے پہ کیوں نامہرباں ہونے لگا
موت آنے پر تو میں سمجھا تھا منزل آگئی — لو دوبارہ زندگی کا امتحاں ہونے لگا
حدِ ہستی سے گزر کر جب ہوا میں بے نشاں — بے نشانی سے عیاں میرا نشاں ہونے لگا
آہیں اس انداز سے اٹھیں دلِ بیتاب سے — آسماں پر اور پیدا آسماں ہونے لگا
اس طرف تم مجھ سے آنکھیں پھیر کر جانے لگے — اس طرف جذبہ محبّت کا جواں ہونے لگا

دیکھئے رنگینیاں ہیں فرطِ غم میں کس قدر — پھوٹ کر ہر زخم دل کا گلفشاں ہونے لگا

لڑ گئیں شاید نگاہیں جلوۂ مستور سے — اب دلِ نا آشنا بھی رازداں ہونے لگا

جلوۂ مستور سے دِل جگمگا اُٹھا رتنؔ
اس مکاں ہی سے ظہورِ لامکاں ہونے لگا

بکھرے ملے زمیں پر اک بے زباں کے ٹکڑے — دیکھا اُٹھیں تو نکلے میری فغاں کے ٹکڑے

سر جھک چکا ہے اپنا اب یہ بھی دیکھنا ہے — ہوں گے جبیں کے ٹکڑے یا آستاں کے ٹکڑے

صیادِ فتنہ گر کو سوجھی یہ کیا شرارت — لٹکا دیئے قفس پر کیوں آشیاں کے ٹکڑے

اِک امتحاں ہے یہ بھی دِل دادۂ وفا کا — مقتل میں ہو رہے ہیں جسمِ نیم جاں کے ٹکڑے

تاثیر بھی تو دیکھو سحر آفریں زباں کی — وہ جمع کر رہے ہیں میرے بیاں کے ٹکڑے

تاکیدِ خامشی پر یہ احتیاط میری — ملفوف کر رہا ہوں اپنی زباں کے ٹکڑے

تقسیمِ ہند پر ہے سارا جہان برہم — ٹکڑے یہ ہند کے ہیں سارے جہاں کے ٹکڑے

ہندوستاں کے ٹکڑے کھا کر پلا کیئے جو — وہ دے گئے صلے میں ہندوستاں کے ٹکڑے

ہر ذرۂ وطن سے آواز اٹھ رہی ہے — پھر جوڑ دے الٰہی ہندوستاں کے ٹکڑے

یہ ظلم یہ تعصب کیا کم ہے اے رتنؔ کچھ
ہم خود اڑا رہے ہیں اردو زباں کے ٹکڑے

خوب آرام سے مشروط گزارا ہوتا — ہم ترے ہوتے اگر تو بھی ہمارا ہوتا

حسن بھی عشق کے آزار کا مارا ہوتا — عشق بے چارے کا یہ ایک تو چارا ہوتا

یا مرے دل میں تمنا ہی نہ ہوتی یارب — دی تمنا تو کوئی اس کا سہارا ہوتا

بعد مرنے کے بھی ہستی کی کشاکش نہ گئی — کاش اس غم کے سمندر کا کنارا ہوتا

عمرِ انساں کی روتے ہوئے کٹ جاتی ہے — کوئی لمحہ تو ذرا ہنس کے گزارا ہوتا

اس کو آنے میں تو کچھ دیر نہیں لگتی ہے — دل کی آواز سے اِک بار پکارا ہوتا

غم کے ماروں سے تغافل نہ یہ ہوتا تجھ کو
تو نے کبھی غم میں اگر وقت گزارا ہوتا

زندگانی کی کوئی بات نہ بنتی ہرگز
موت کا اس کو جو حاصل نہ سہارا ہوتا

زندہ رہنے کی تمنّا ہی نے مارا اس کو
کاش انسان کو مرنا بھی گوارا ہوتا

اپنی ہستی کبھی زمانے میں نہ اپنی نکلی
ایسے عالم میں رتنؔ کون ہمارا ہوتا (بلا عطف و اضافت)

بھول جائیں گے مجھے آپ یہ معلوم نہ تھا
رخصتی وقت کے وعدے کا یہ مفہوم نہ تھا

تو ہی انصاف سے اے داورِ محشر کہہ دے
کیا گھڑی بھر کے لئے چین بھی مقسوم نہ تھا

میری ہستی ہی نے معدوم بنایا مجھ کو
ورنہ موجود ہی تھا میں کبھی معدوم نہ تھا

نامہ بر نے تو دلائی تھی بہت کچھ امید
خط جو کھولا تو کوئی حرف بھی مرقوم نہ تھا

ہجر کی رات سیہ پوش، فضا تھی خاموش
کون ایسا تھا جو میرے لئے مغموم نہ تھا

عصمتِ عشق نے ہی حسن کو عصمت بخشی
ورنہ یہ صاحبِ تزویر تھا معصوم نہ تھا

ہوسِ خام نے مذموم بنایا تجھ کو
ورنہ اے عشق تو پاکیزہ تھا مذموم نہ تھا

کس قدر راحت و آرام و سکوں تھا اُس وقت
جب نہ تھا حکم کسی کا کوئی محکوم نہ تھا

اور تو ساری جفائیں تھیں نگاہوں میں رتنؔ
وہ مکر جائیں گے دل لے کے یہ معلوم نہ تھا

باتیں ایسی تھیں کہ ہر بات پہ رونا آیا
ہر گھڑی تلخیٔ حالات پہ رونا آیا

آئی ساون کی گھٹا ساتھ لئے یاد اُن کی
ہائے برسات میں برسات پہ رونا آیا

دیکھی جاتی نہیں اب اپنی تباہی مجھ سے
اپنے بگڑے ہوئے حالات پہ رونا آیا

وہی بگڑے ہوئے تیور وہی بگڑی ہوئی خو
حسنِ دل کش کی روایات پہ رونا آیا

پہلے تھی بات کے چلنے کی تمنّا دل میں
جب چلی بات تو ہر بات پہ رونا آیا

دیکھ کر میری پریشان نظری محفل میں
خود اُنھیں اپنے جوابات پہ رونا آیا

باتوں باتوں میں وہ یہ بات بھی کہہ جاتے ہیں
کیا ہُوا کیوں مری ہر بات پہ رونا آیا
کوئی دیکھے تو رتنؔ میری پریشاں حالی
آج اُنھیں بھی مرے حالات پہ رونا آیا

ہم نے تو دل دیا ہے تمھیں تم نے کیا دیا
دِل لے کے اس غریب کو دل سے گرا دیا
دِل لے کے دل کا درد عنایت کیا ہمیں
سوچو ذرا کہ تم نے لیا کیا ہے کیا دیا
تیری جفا کو کیوں نہ میں اصلِ وفا کہوں
مجھ کو اسی جفا ہی نے درسِ وفا دیا
مجھ سے کیا ہے خوب یہ انصاف آپ نے
خود ہی بٹھایا بزم میں خود ہی اُٹھا دیا
میں شکوہ بجلیوں کا کروں بھی تو کیا کروں
آہوں کی آگ ہی نے نشیمن جلا دیا
داد و دہش پہ کس لئے مغرور ہے بشر
جو کچھ دیا ہے اس نے خدا کا دیا دیا
جوشِ تلاشِ دوست میں وہ آ گیا مقام
دیکھا جو نقشِ پا کوئی سر کو جھکا دیا
تاجِ شہی پہ کس لئے میری نظر اُٹھے
مجھ کو خدا نے جذبۂ صبر و غنا دیا
اُلفت کی رہ گزار میں مر مر کے جی اُٹھے
یوں زندگی نے موت کو نیچا دکھا دیا
کہیئے تمھاری طرزِ تغافل کو کیا کہوں
مجھ کو بھی اپنا وعدہ سمجھ کر بھلا دیا
کتنا غرور خاک کے پُتلے میں ہے رتنؔ
خاکی بشر نے خاک کا خاکا اُڑا دیا

آنکھ روتی ہے دِل بھی روتا ہے
بدنصیبی کا سوگ ہوتا ہے
حُسن ہنستا ہے عشق روتا ہے
یوں محبّت کا کھیل ہوتا ہے
اِک تماشا ہے تیرا دیوانہ
رو کے ہنستا ہے ہنس کے روتا ہے
جاگ اٹھتی ہیں آفتیں لاکھوں
جب کسی کا نصیب سوتا ہے
ناخدا تو ہے حافظِ کشتی
جب ڈبوئے خدا ڈبوتا ہے
عشق کا خواب بھی ہے بے داری
حسن بے دار رہ کے سوتا ہے

آپ کا ہر دروغ بھی سچا — میرا ہر سچ بھی جھوٹ ہوتا ہے

بے ستونِ وفا پہ جو آئے — جانِ شیریں سے ہاتھ دھوتا ہے

حق اُسی کو ہے زندہ رہنے کا — بہرِ جاناں جو جان کھوتا ہے

میرا شرمِ گناہ پر رونا — میرے عصیاں کے داغ دھوتا ہے

نیند مجھ کو نصیب ہو کیوں کر — ایک مدت سے بخت سوتا ہے

اے رتنؔ قربِ یار کا رُتبا

ہوتے ہوتے نصیب ہوتا ہے

وہ مرے نام سے بے زار نظر آتے ہیں — اب مجھے حشر کے آثار نظر آتے ہیں

ہائے وہ رنجشِ بے جا، وہ ادائے برہم — ہائے وہ فتنے جو بے دار نظر آتے ہیں

سحر ہے سحر ہے خم خانۂ الفت کی فضا — جو یہاں مست ہیں ہشیار نظر آتے ہیں

زر پرستوں کو نہ زردار سمجھیے ہرگز — میری نظروں میں تو نادار نظر آتے ہیں

حُسن والوں کا نہ ایمان نہ کوئی دستور — نخوتِ حُسن سے سرشار نظر آتے ہیں

عالمِ حُسن کے اسرار کوئی کیا سمجھے — اِس کے دیوانے سردار نظر آتے ہیں

کُفر برساتی ہوئی آئی ہے ساون کی گھٹا — زہد و تقویٰ بھی گنہ گار نظر آتے ہیں

میں کبھی ان کا طلب گار نظر آتا تھا — آج وہ میرے طلب گار نظر آتے ہیں

حُسن والوں کی رتنؔ شعلہ مزاجی توبہ

جب اُنھیں دیکھیے بے زار نظر آتے ہیں

محبت میں اب تک جیے جا رہا ہوں — اجل کو بھی دھوکا دیے جا رہا ہوں

ترے در پہ سجدے کیے جا رہا ہوں — اُمیدوں کو ڈھارس دیے جا رہا ہوں

پریشاں نہیں میں عدم کے سفر سے — گناہوں کا توشہ لئے جا رہا ہوں

جو ساتھ اپنے لایا تھا ملکِ عدم سے — وہی واپسی پر لئے جا رہا ہوں

کبھی وہ مری آرزو خود بھی پوچھیں — اسی آرزو میں جیئے جا رہا ہوں
ادھر وہ برسنے پہ آئے ہوئے ہیں — ادھر میں لبوں کو سیئے جا رہا ہوں
کلیجے سے سیلابِ غم اُٹھ رہا ہے — مگر آنسوؤں کو پیئے جا رہا ہوں
اثر ہی نہیں پندِ واعظ کا مجھ پر — جو کہتا ہے وہ میں پیئے جا رہا ہوں
اجل فرطِ غم سے مری جا رہی ہے — کچھ اس ڈھنگ سے میں جیئے جا رہا ہوں
بہار آئی پھر نذرِ وحشت کی خاطر — گریباں پھر اپنا سیئے جا رہا ہوں
ہمیشہ رہی بے اثر اشک ریزی — عبث خونِ دل کا پیئے جا رہا ہوں

دیا دل تو دردِ جگر مل گیا ہے
رتن کیا دیئے کیا لیئے جا رہا ہوں

پیئو پلاؤ نہ پروا کرو زمانے کی — گزر گئی جو گھڑی پھر نہیں وہ آنے کی
چمن کی سیر میں اب لطف آ نہیں سکتا — تباہیاں ہیں نگاہوں میں آشیانے کی
نگاہِ برق نے اُس کو تلاش کر ہی لیا — بنا چمن میں جہاں ڈالی آشیانے کی
کہاں سے آئے تھے مر کر چلے ہیں کس جانب — ہمیں تو کچھ خبر آنے کی ہے نہ جانے کی
رہِ حیات میں ہر اک نے ساتھ چھوڑ دیا — اگر کسی نے وفا کی بھی تو قضا نے کی
تم آ گئے در و دیوار مسکرا اُٹھے — بدل گئی ہیں فضائیں غریب خانے کی
اُڑائے ہوش گزرتے ہوئے زمانے نے — خبر کہاں مجھے گزرے ہوئے زمانے کی
وہ چھپ کے بیٹھ رہے ہیں ہزار پردوں میں — نہیں ہے کوئی بھی تدبیر ان کو پانے کی
فضائے طور کا منظر ہے سامنے ہر دم — نگاہ میں ہے تجلّی اسی زمانے کی

کبھی تو آہ کبھی اشکِ خوں کبھی نالہ
یہ سرخیاں ہیں رتن عشق کے فسانے کی

انسان کا اعزازِ خلافت کوئی دیکھے — پھر اس کی امانت میں خیانت کوئی دیکھے

اِنسان کو لے ڈوبا ہے انسان کا درجہ
دِل تھام کے اعمال کی شامت کوئی دیکھے

غیبت میں عداوت ہے مگر سامنے اُلفت
احباب کا معیارِ محبّت کوئی دیکھے

آئی ہے مری موت کو بھی موت شبِ غم
ناکامِ تمنّا کی یہ قسمت کوئی دیکھے

اب دِل میں تمنّا کی تمنّا بھی نہیں ہے
سرمستِ وفا کی یہ قناعت کوئی دیکھے

کھُل جائے گی خود اس پہ حقیقت کی حقیقت
کچھ غور سے اپنی بھی حقیقت کوئی دیکھے

وہ شوخ بھی شرما کے نظر نیچی کئے ہے
پرشوق نگاہوں کی کرامت کوئی دیکھے

روتی رہی شمع سرِ محفل بھی سحر تک
پروانے کی یہ شانِ شہادت کوئی دیکھے

موقوف ہے خود حسن کی عظمت بھی اِسی پر
ٹھکرائے ہوئے عشق کی عظمت کوئی دیکھے

شاہد ہی میں مستور ہے مشہود کی صورت
کثرت میں رتن جلوۂ وحدت کوئی دیکھے

گناہوں کی عنایت سے یہاں تک بات آپہنچی
کہ خود رحمت کے دِل سے بھی زباں

محبت کے آنسو کھیے جو نکلے کیا پُر اثر نکلے
نہیں جب بڑھ گئی حد سے تو واں تک بات آپہنچی

نگاہوں سے نگاہیں لڑ گئی تھیں ناگہاں اک دن
خطا اتنی ہی تھی لیکن کہاں تک بات آپہنچی

پسینہ آگیا لُطف و کرم کو میری صُورت سے
سرِ محشر ندامت سے کہاں تک بات آپہنچی

جہاں امید تھی اخلاص و اُلفت کی یگانوں سے
وہاں بھی جوہرِ تیغ و سناں تک بات آپہنچی

حقیقت آشنائی نے اٹھائے ضبط کے پردے
نکل کر دِل کے پردوں سے زباں تک بات آپہنچی

مرے شوقِ شہادت کی الٰہی شرم رکھ لینا
مدد اے تیغِ قاتل امتحاں تک بات آپہنچی

مریضِ عشق کا حالِ زبوں اب پوچھتے کیا ہو
مسیحا بھی جہاں چپ ہو وہاں تک بات آپہنچی

مبارک اے جبینِ شوق وقتِ امتحاں آیا
سنبھل جا اب کسی کے آستاں تک بات آپہنچی

تعین کی حدوں کو پھاند جائے چشمِ نظارہ
کسی کی جستجو میں لامکاں تک بات آپہنچی

شروعِ عشق میں تو اے رتن چرچا نہ تھا مطلق
مگر اب ہوتے ہوتے داستاں تک بات آپہنچی

بے خودی کا راز جو پاتا نہیں
عمر بھر وہ ہوش میں آتا نہیں

عشق کو جب حسن گرماتا نہیں
عشق اپنے حسن پر آتا نہیں

جن کو مرنے کا مزا معلوم ہے
لطف جینے کا انھیں آتا نہیں

خامشی ہی کہہ سکے گی حالِ دل
حالِ دل تقریر میں آتا نہیں

کون لے جائے گا منزل پر مجھے
راہ بر بھی راہ پر آتا نہیں

مجھ کو سمجھانے تو آ جاتے ہیں سب
کوئی ان کو جا کے سمجھاتا نہیں

بے خیالی میں بھی ہے ان کا خیال
یہ مرض جانے پہ بھی جاتا نہیں

آ کے پہروں در پہ یوں بیٹھے رہیں
اس طرح آنا ہمیں آتا نہیں

زندگی ہے خود عذابِ زندگی
موت سے تو کوئی گھبراتا نہیں

کس قدر بے باک ہے دستِ جنوں
ان کے دامن سے بھی شرماتا نہیں

اک معمہ بن گیا ذکرِ عدم
کچھ پتا آتا نہیں جاتا نہیں

خلد کا لالچ دیئے جاتا ہے شیخ
اس پہ کہتا ہے میں بہکاتا نہیں

در قفس کا وا نشیمن سامنے
وائے ناکامی اڑا جاتا نہیں

اس کے چھپنے کا نرالا ڈھنگ ہے
آنکھ میں رہ کر نظر آتا نہیں

آتشِ غم جب بھڑکتی ہے رتنؔ
دیدۂ پرنم بھی کام آتا نہیں

دل جس کا تری چاہ پہ مائل نہیں ہوتا
عاقل کی نگاہوں میں وہ عاقل نہیں ہوتا

آتی ہیں رہِ شوق میں ایسی بھی فضائیں
طالب بھی جہاں طالبِ منزل نہیں ہوتا

کچھ رحم نہ انصاف نہ اخلاص ہے ان میں
پہلو میں پری رویوں کے کیا دل نہیں ہوتا

ہوتا ہے خلل اپنے ہی اندازِ عمل میں
ہر کام جو مشکل ہے وہ مشکل نہیں ہوتا

جس عقل نے دیوانے کو فرزانہ کیا ہے
اس عقل کا حق دار تو عاقل نہیں ہوتا

نظّارہ کی ہو تاب اگر چشمِ طلب میں
پھر پردۂ حائل بھی تو حائل نہیں ہوتا

ہر گام پہ ہے حسن کسی دل کا سوالی
پھر مان لیں کیوں کر کہ یہ سائل نہیں ہوتا

پوشیدہ ہے حاصل کا نشاں حُسنِ عمل میں
حاصل کی طلب ہی سے وہ حاصل نہیں ہوتا

جب تک نہ ہو معنی میں جھلک حسن بیاں کی
شاعر بھی رتن شاعرِ کامل نہیں ہوتا

لے کے آئی ہے گھٹا مے خانے کا مے خانہ آج
بادہ کش بھر لیں سبو و ساغر و پیمانہ آج

تُل گیا جی بھر کے پینے پر دلِ دیوانہ آج
ساقیا بھر بھر کے لا پیمانے پر پیمانہ آج

چھا گیا یوں ہر فضا پر جلوۂ جانانہ آج
کعبہ کے اندر نظر آیا مجھے بت خانہ آج

عشق ہے ہر وقت مجرم حسن ہر دم بے قصور
کہہ رہا ہے آپ کا اندازِ معصومانہ آج

اے دلِ حسرت زدہ اب تک بھی وہ آئے نہیں
کیا چھلک جائے گا میری عمر کا پیمانہ آج

شوقِ منزل لے کے آ پہنچا کہاں مجھ کو رتن
دُور ہیں چشمِ طلب سے کعبہ و بت خانہ آج

کیا ہوا، دردِ جگر میں کیوں کمی ہونے لگی
یہ بھی کیا تازہ عنایت آپ کی ہونے لگی

دِل میں جب سے رحمتِ حق کا یقیں ہونے لگا
معصیت کی تیرگی میں روشنی ہونے لگی

بُت کدے میں جس قدر کفر آشنا ہوتا گیا
اُس قدر ایماں سے مجھ کو آگہی ہونے لگی

کچھ تو کہیئے یہ تغافل آشنائی کس لئے
رہ بری کی شکل میں کیوں رہ زنی ہونے لگی

خود ہی بڑھتے جا رہے ہو مجھ کو تنہا چھوڑ کر
خضر صاحب یہ بھی اچھی رہ بری ہونے لگی

اے رتن اپنے عالم کا عجب دستور ہے
دین و دنیا سے گئے تو شاعری ہونے لگی

اے تغافل کیش میری التجا کا لطف دیکھ
ابتدا میں آ گھر رہا ہے انتہا کا لطف دیکھ

نا امیدی اِک طرف جوشِ تمنّا اِک طرف
اس تنوّع میں ذرا بیم و رجا کا لطف دیکھ

بوئے منزل اِس کے ہر ذرے سے آتی ہے مجھے
اے دلِ ناکام خاکِ نقشِ پا کا لطف دیکھ

انتہائے غم ہے آغازِ مسرت کی دلیل
اے گرفتارِ بلا اس کی رضا کا لطف دیکھ

دل میں عیشِ جاودانی کی تمنا ہے اگر
شدتِ آلام و طوفانِ بلا کا لطف دیکھ

میرے استقلال پر آخر وہ مائل ہو گئے
انتہائے جوش کا جوشِ وفا کا لطف دیکھ

بھول کر راہِ وفا میں ہو گئے منزل شناس
سالکانِ عشق کے سہو و خطا کا لطف دیکھ

دیکھ لی لذت ترے جور و ستم کی دیکھ لی
اے جفا جو تو بھی اب میری وفا کا لطف دیکھ

کثرتِ عصیاں ہی آخر بابِ رحمت بن گئی
معصیت میں اے رتن لطفِ خدا کا لطف دیکھ

حقیقت کی کھلی آنکھیں ملا نکتہ حقیقت کا
ہزاروں کثرتوں کا ساز ہے پردہ یہ وحدت کا

نہ کھینچیں تیر دل سے کھینچنے والے ٹھہر جائیں
سنیں بھی کیا تقاضا ہے کسی بسمل کی حسرت کا

دھرا ہے آئنہ اس ماہ پیکر نے مقابل میں
پڑا ہے سامنا آ کر قیامت سے قیامت کا

ندامت ہی میں ڈوبے ہیں کراماً کاتبین آخر
مری تر دامنی تھی یا کوئی طوفان رحمت کا

جہاں میں ہر نظر مشتاق ہے ہر دل ہے سودائی
پری رویوں کی صورت کی پری رویوں کی صورت کا

تمھارے نام پر وہ اے رتن خاموش رہتے ہیں
حقیقت میں یہ کوئی راز ہے اُن کی محبت کا

(بلا عطف و اضافت)

دی دردِ لا دوا ہی نے آخر شفا مجھے
منت کشِ مسیح نہ ہونا پڑا مجھے

کس کو سناؤں کاوشِ پنہاں کی داستاں
ملتا نہیں ہے ایک بھی راز آشنا مجھے

اُٹھی جدھر نگاہ تری رہگزار میں
ٹکڑے دلِ حزیں کے ملے جابجا مجھے

اللہ رے بیخودی جدھر اُٹھتی ہے چشمِ شوق
ملتا ہے اب جہاں بھی کوئی نقشِ پا مجھے

اعمال میرے قابلِ دوزخ ہی تھے مگر
ہدیہ ملا بہشت کا روزِ جزا مجھے

دِل سے نکل کے لے تو چلی ہے پیامِ شوق | دھوکا نہ دے کہیں مری آہِ رسا مجھے
رہبر تو راہِ عشق میں خود بے حواس تھا | منزل پہ لے گئی مری آہِ رسا مجھے

مٹ کر وفائے عشق میں ہوں مطمئن رتن
لُطفِ حیات دے گئی تیغِ جفا مجھے

کتنی مطلب پرست ہے دُنیا | جوشِ مستی میں مست ہے دُنیا
نیستی پر بنا ہے دُنیا کی | کون کہتا ہے ہست ہے دُنیا
ذرّہ ذرّہ ہے نور کا عالم | جلوہ گاہِ الست ہے دُنیا
زہد اِس کا ہے اک ریاکاری | کافرِ مے پرست ہے دُنیا
موت سے جب حیات ملتی ہے | کیوں نہ کہئے کہ ہست ہے دُنیا
تشنہ کامی کا ہے گلہ سب کو | یوں تو ساغر بدست ہے دُنیا
خندہ زن موت ہے سرِ بالیں | عیشِ فانی میں مست ہے دُنیا
بے زروں کی کہیں نہیں پرسش | اس قدر زر پرست ہے دُنیا
حق پرستی کو کفر سمجھا ہے | کتنی باطل پرست ہے دُنیا

کیا سُنے گی کسی کی آہ رتن
خوابِ راحت میں مست ہے دُنیا

میری اُلفت کا جب اُس کو کچھ یقیں ہونے لگا | وہ ستم گر اور مجھ پر خشمگیں ہونے لگا
خاک ہو جانے پہ مجھ کو مِل گئی معراجِ عشق | ذرّہ ذرّہ ہمسرِ عرشِ بریں ہونے لگا
اک طلسمِ راز ہے ہنگامۂ یاس و اُمید | کچھ یقیں ٹوٹا بھی لیکن پھر یقیں ہونے لگا
لے کے آ پہنچا کہاں یہ ذوقِ نظّارہ مجھے | دشت کا ہر ذرّہ محمل آفریں ہونے لگا
جب تعیّن کی حدوں سے بڑھ گیا ذوقِ نظر | مجھ کو نظّارہ مسرّت آفریں ہونے لگا

جھک گئی میری جبیں ایسی کہ اب اٹھتی نہیں
سر مراندر نگاہ شرمگیں ہونے لگا

پھر طبیعت کچھ سنبھلتی جا رہی ہے اے رتنؔ
پھر کسی کا ناوکِ غم دل نشیں ہونے لگا

زندگی بے کار ہے تیرے بغیر
موت بھی دشوار ہے تیرے بغیر

دل سے نکلی ہے کلیجا چیر کر
سانس اک تلوار ہے تیرے بغیر

کیا کروں میں کوثر و تسنیم کو
خلد آتش بار ہے تیرے بغیر

جس کے دم سے تو مسیحا بن گیا
اُف وہی بیمار ہے تیرے بغیر

رنگ لائیں ہجر کی بے رنگیاں
چشمِ تر خوں بار ہے تیرے بغیر

ہر نفس مر مر کے جینا ہے مجھے
زندگی آزار ہے تیرے بغیر

طوقِ اُلفت جو گراں ہرگز نہ تھا
اب گلے کا ہار ہے تیرے بغیر

کیا کہے حالِ تپِ فرقت رتنؔ
نُور اس کو نار ہے تیرے بغیر

کُنجِ قفس سے دُور غمِ آشیاں سے دور
میرا جہان بس گیا دونوں جہاں سے دُور

اُس بدنصیبِ شوق کی قسمت پہ رویئے
جو آہ! تھک کے بیٹھ گیا کارواں سے دُور

لائی ہے اُس چمن میں مری بے خودی مجھے
جس کی بہار رہتی ہے دورِ خزاں سے دُور

تیری جفا کا کوئی بھی خطرہ نہیں مجھے
رہتا ہے سرفروش کبھی امتحاں سے دُور

پُرسانِ حال کون ہو میرا یہاں رتنؔ
رہتی ہیں بجلیاں بھی مرے آشیاں سے دُور

بے خودی میں خود شناسی کا جہاں پیدا کریں
سجدہ ریزی سے کسی کا آستاں پیدا کریں

یوں بیانِ عشق میں حسنِ بیاں پیدا کریں
ہر نظر سے داستاں در داستاں پیدا کریں

گلستاں سے دُور اک دارالاماں پیدا کریں
دام کے رشتے میں شاخِ آشیاں پیدا کریں

جو ہمیں آگاہ کردے عشق کے ہر راز سے / راز کی دُنیا میں ایسا رازداں پیدا کریں

نام ہی کا فرق ہے لیکن نشاں تو ایک ہے / اس کو پانے کے لئے اپنا نشاں پیدا کریں

ہم کلامی کا شرف اُن سے اگر مطلوب ہے / جو دہن ہی میں نہ ہو ایسی زباں پیدا کریں

آشیانے کی فضا کا آسماں تو بن چکا ہے / اب قفس کی سرزمیں کا آسماں پیدا کریں

اس بسیطِ کل کا پانا پھر کوئی مشکل نہیں / دل میں پہلے وسعتِ کون و مکاں پیدا کریں

رشکِ صد مغرب تھا جو شانِ کمالِ دہر تھا / ہند کو ہم پھر سے وہ ہندوستاں پیدا کریں

جیب و دامن سے گزر کر ہاتھ آگے بڑھ چلے
دامنِ دل کی رتنؔ اب دھجیاں پیدا کریں

مُجھ کو دل کی کامیابی کا یقیں ہونے کو ہے / مسکرا کر اُن کی جانب سے نہیں ہونے کو ہے

آج پھر وہ تُند خو چیں بر جبیں ہونے کو ہے / حاصلِ عشق و محبت دِل نشیں ہونے کو ہے

دیکھنا دریائے غم میں ڈوب جانے کے مزے / تہ نشیں ہو کر کوئی ساحل نشیں ہونے کو ہے

سوزِ الفت کی شرر باری کا عالم دیکھنا / آشیانہ نذرِ آہِ آتشیں ہونے کو ہے

جُھک گئی ہے آج کس انداز سے میری جبیں / نقشِ سجدہ ہم سرِ چرخِ بریں ہونے کو ہے

پھر کلیجے میں تمنا چٹکیاں لینے لگی / پھر خدنگِ نازِ شاید دل نشیں ہونے کو ہے

جوشِ الفت میں کسی کے سامنے سر رکھ دیا / اب تو ہر فریاد شرحِ آفریں ہونے کو ہے

سامنے شاید حریمِ ناز آ پہنچی رتنؔ
ہر نگاہِ شوق منزل آفریں ہونے کو ہے

نغمہ قمری سے تو بلبل نے ترانا سیکھا / ہم نے دُنیا میں مگر غم کا فسانا سیکھا

حُسن نے چاہنے والوں کو ستانا سیکھا / میرے دِل نے سرِ تسلیم جھکانا سیکھا

حُسن نے پہلے تو پردے کا اٹھانا سیکھا / اُس پہ یہ قہر کہ پھر آنکھ چُرانا سیکھا

چرخِ بد بیں کے مظالم کی شکایت کیسی / رونے والوں کے مقدر نے رُلانا سیکھا

تابِ نظّارہ پہ موقوف رہا جلوۂ رُخ　　حُسن نے خُوب یہ چھُپنے کا بہانہ سیکھا

کُنجِ خلوت میں بھی راحت نہ ملی مجھ کو رتنؔ

خامُشی نے بھی یہاں شور مچانا سیکھا

دیدکے اضطراب نے مارا　　حُسنِ زیرِ نقاب نے مارا

موت آتی تو مدّعا پاتے　　زندگی کے عذاب نے مارا

مر کے بھی فردِ معصیت کی طلب　　اس حساب وکتاب نے مارا

موت آئی جواب آنے تک　　انتظارِ جواب نے مارا

آج تک ہے مری نظر محروم　　اُن کے شوقِ حجاب نے مارا

خواب میں بھی نہ بے رُخی چھوڑی　　آپ کے اِجتناب نے مارا

آستاں بوس ان کا ہوں میں رتنؔ

بس اسی انتساب نے مارا

جی میں ہے بھُولے ہوئے رنج کو پھر یاد کریں　　دل کا ویرانہ کہیں بیٹھ کے آباد کریں

جب فقط کُنجِ قفس اپنا نشیمن ٹھہرا　　کیوں اسیری پہ عبث شکوۂ صیاد کریں

اُف رے خاموشیٔ عشاق کا یہ حسنِ فریب　　ضبطِ فریاد کے پردے میں بھی فریاد کریں

مذہبِ عشق کی تکمیل کا حاصل یہ ہے　　ہو کے پابندِ فنا روح کو آزاد کریں

حسرتِ جلوۂ مستور ہے جن کا شیوہ　　دِل کو پابند کریں جان کو آزاد کریں

جب ہمیں بندِ حوادث سے چھڑاتی ہے اجل　　پھر یہ کیا حق ہے کہ ہم نالہ و فریاد کریں

ہے رتنؔ حسرتِ پیہم ہی کمالِ اُلفت

کیوں تمنّائے سکونِ دلِ ناشاد کریں

ترے آستاں پر مٹا چاہتا ہوں　　فنا سے حصولِ بقا چاہتا ہوں

تلاشِ حقیقت بھی کتنی کٹھن ہے　　کہ ہر ہر قدم پر مٹا چاہتا ہوں

حجابوں کے پردوں میں کب تک رہے گا | ترے نور کو بے ملا چاہتا ہوں
بہت مضطرب ہوں حجابِ نظر سے | فقط اِک نگاہِ رسا چاہتا ہوں
بلا سے اگر پھونک ڈالے مجھے بھی | فقط ایک آہِ رسا چاہتا ہوں
مبارک ہو اے دل تجھے تہ نشینی | بس اب میں کنارے لگا چاہتا ہوں
جبینِ نیاز آستاں بن گئی ہے | سراپا تجلیٰ ہوا چاہتا ہوں
جو بیم و رجا کی حدوں سے ہو باہر | اِک ایسا جہانِ بقا چاہتا ہوں

جیسے جیتے جی خواب میں بھی نہ دیکھا
رتنؔ مر کے اس سے ملا چاہتا ہوں

اے جنوں یوں شرحِ جذباتِ دلِ دیوانہ کر | میرے ویرانے میں پیدا اور اِک ویرانہ کر
دل ہے تو آباد دل میں عشق کا مے خانہ کر | بادۂ پُرکیف سے لبریز یہ پیمانہ کر
آسماں پر گا رہی ہے گیت ساون کی گھٹا | ہر سبُو کو ساقیا منّت کشِ پیمانہ کر
تیری منزل دین و ایماں کی حدوں سے دُور ہے | بھول جا کعبے کا سجدا ترکِ ہر بت خانہ کر
درد ہو۔ ایثار ہو۔ پاسِ وفا ہو۔ جوش ہو | دِل کے اس چھوٹے سے گھر کو اِک عجائب خانہ کر
آشنائی کے لئے ناآشنائی شرط ہے | دِل کو محوِ راز کر دے آنکھ کو بیگانہ کر
طالبِ راحت ہے تو لطفِ نشیمن چھوڑ دے | برق کی آغوش میں آباد اِک کاشانہ کر

کچھ تنوّع چاہیے مہماں نوازی میں رتنؔ
ہر نئے غم کے لیئے پیدا نیا غم خانہ کر

نوجواں ہے پھر گلستاں کی بہار | پھر ہے دل میں داغِ سوزاں کی بہار
مانتا ہوں تیرا احساں اے جنوں | تجھ سے ہے میرے بیاباں کی بہار
دشت میں اِک جنّتِ نظّارہ ہے | میرے ذرّاتِ پریشاں کی بہار
حاصلِ ذوقِ خلش تو دیکھئے | ہے بیاباں میں گلستاں کی بہار

اے دلِ پُرشوق منزل آگئی — دیکھ لے اب باغِ رضواں کی بہار
پاؤں کے چھالوں سے پوچھا چاہیے — خارہائے گل بداماں کی بہار
مرحبا اے ہمّتِ جوشِ جنوں — رشکِ گلشن ہے بیاباں کی بہار
بے خودی کا فیض ہے یہ اے رتنؔ
سامنے ہے روئے تاباں کی بہار

ہم مل سکے نہ اُن سے جُدا بھی نہ ہو سکے — زندہ نہ رہ سکے تو فنا بھی نہ ہو سکے
منزل سمٹ کے آگئی پیشِ نیاز میں — اُف بےخودی کہ ہوش بجا بھی نہ ہو سکے
آزارِ عشق میں دمِ عیسیٰ ہے بے اثر — یہ درد وہ ہے جس کی دوا بھی نہ ہو سکے
ہم جن کو چارہ ساز سمجھتے تھے آج تک — افسوس وہ شریکِ دعا بھی نہ ہو سکے
واعظ کو کس قدر تھا خدا کے کرم پہ ناز — جلوے نصیب روزِ جزا بھی نہ ہو سکے
اس قلبِ مضطرب کو بھی ہوگا سکوں کہیں — ہم تو رہینِ پیکِ فنا بھی نہ ہو سکے
مدت سے تھی نگاہ کو جلوے کی آرزو — دیکھا اُنھیں تو ہوش بجا بھی نہ ہو سکے
اُفتادگیٔ بخت سے ہوں منفعل رتنؔ
اس آستاں پہ سجدے ادا بھی نہ ہو سکے

مری خاموشیوں میں بھی ہے غم کی داستاں پیدا — جگر کے گوشہ گوشہ میں ہے دنیائے فغاں پیدا
یہ آگاہی نہ تھی ہے سعئی حاصل وجہِ بربادی — نشیمن کی بنا کے ساتھ ہوں گی بجلیاں پیدا
چمن کی سیر کے مشتاق کچھ تو باخبر ہوتے — ہوئے جاتے ہیں برگِ گل سے آثارِ خزاں پیدا
حجابِ ناز میں ظاہر ہوا جوشِ نیاز آخر — مرے نقشِ جبیں سے ہے کسی کا آستاں پیدا
تجلّی زارِ ایمن میں کوئی سنبھلے تو کیا سنبھلے — ہوئیں موسیٰ کے ہر نقشِ قدم سے بجلیاں پیدا
کہیں ہم خستہ حالوں کا بھی دنیا میں ٹھکانا ہے — فغاں سے ہر جگہ ہوتی ہے برقِ آشیاں پیدا
کسی ڈھب سے رتنؔ ہم حال اپنا اُن سے کہہ دیتے — نہ تھی منہ میں تو ہوتی کاش آنکھوں میں زباں پیدا

ہو گئیں بے ہوشیاں طاری دلِ مہجور پر
حاشئے چڑھنے لگے ہیں سرگزشتِ طور پر

لے چلا شوقِ رسائی سوئے منزل جب ہمیں
اپنا پہلا ہی قدم تھا منتہائے طور پر

اُف تجلّی زارِ ایمن کی قیامت خیزیاں
بجلیاں اب تک تڑپتی ہیں فرازِ طور پر

ذوقِ نظّارہ کی وُسعت کوئی دیکھے تو سہی
ہر نظر اُٹھتے ہی چھا جاتی ہے اوجِ طور پر

دِل کی دُنیا سرمدی جلووں سے مالامال ہے
اُٹھ چکی چشمِ حقیقت آشنا اب طور پر

ذرّہ ذرّہ میں تجلّی ریز ہے حسنِ ازل
کوئی مُوسیٰ سے یہ پوچھے کیا دھرا ہے طور پر

شوقِ منزل میں عجب کی دل کشی ہے اے رتنؔ
خود تڑپ اُٹھتے ہیں سجدے آستانِ طور پر

(بہ قیدِ یک قافیہ)

گلہ کیا ہو سکے اب آسماں سے
جَلا ہے آشیاں میری فغاں سے

گری ہے برق شاید آسماں سے
دُھواں سا اُٹھ رہا ہے آشیاں سے

مجازآخر ہوا وجہِ حقیقت
کہاں پہنچی نظرِ عشقِ بتاں سے

کہے گا نامہ بر رودادِ غم کیا
وہ سُنتے داستاں میری زباں سے

کوئی دیکھے تصوّر کی بہاریں
قفس میں کھل رہے ہیں گلستاں سے

فریبِ شوقِ ہر جلوہ تھا ۔ لیکن
جبیں اُٹھّی نہ تیرے آستاں سے

دمِ آخر تری حسرت ہے دِل میں
لئے جاتا ہوں یہ توشہ یہاں سے

رتنؔ اِک آگ سی دِل میں لگی ہے
بنی ہے جان پر ضبطِ فغاں سے

دل ہم آغوشِ مدعا نہ ہوا
مِٹ کے بھی راحت آشنا نہ ہوا

کس طرح حالِ غم کہیں اُن سے
نالۂ دل بھی جب رسا نہ ہوا

سامنے تھا وہ جلوۂ مستور
دِل مگر راز آشنا نہ ہوا

دِل ہُوا مٹ کے مے کدے ہی کی خاک — ذرّہ خورشید سے جدا نہ ہُوا
پردہ اُٹھنے پہ ہے حجاب وہی — جلوہ آرا وہ مہ لقا نہ ہُوا
خاک ہو کر اٹھا حجابِ نظر — زندگی میں یہ عُقدہ وا نہ ہُوا
دلِ حیرت زدہ کو کیا کہیے — آج تک منزل آشنا نہ ہُوا

سب ہیں بے گانہ جوشِ غم میں رتنؔ
کوئی بھی درد آشنا نہ ہُوا

پھر جبیں کو ہے آستاں کی طلب — خاک کو پھر ہے آسماں کی طلب
وجہِ راحت ہے خانہ ویرانی — اُٹھ گئی دل سے آشیاں کی طلب
وہ تصوّر سے جا نہیں سکتے — اب کہاں اُن کے آستاں کی طلب
خوفِ صیاد و برق ہے ہر دم — کیا کرے کوئی آشیاں کی طلب
پائی تسکیں قفس کے گوشے میں — مٹ چکی دِل سے گلستاں کی طلب
عشق کی سختیاں معاذ اللہ — دل کو ہے مرگِ ناگہاں کی طلب

مٹ چکا آشیاں رتنؔ - لیکن
نہ مٹی خاکِ آشیاں کی طلب

آئے تھے ہم گھر کو ویراں چھوڑ کر — اب کہاں جائیں بیاباں چھوڑ کر
خوفِ برق و خطرۂ گل چیں نہیں — مطمئن ہوں میں گلستاں چھوڑ کر
اُن کا اندازِ ستم تو دیکھیے — چل دیئے مجھ کو پریشاں چھوڑ کر
غم نہیں دل میں تو یادِ غم ہے اب — تیر نکلا بھی تو پیکاں چھوڑ کر
اہلِ زنداں یاد آتے ہیں مجھے — میں رہا زنداں میں زنداں چھوڑ کر

جا چکا کوئی بیاباں چھوڑ کر　　　ہر فضا ہے ایک دُنیائے سکوں

کون جائے کوئے جاناں چھوڑ کر　　　گلشنِ جنّت سکونِ دل سہی

اے رتنؔ وہ دُشمنِ مہر و وفا

جا رہا ہے مجھ کو گریاں چھوڑ کر

متفرقات

ہوتی ہے پہلے دیکھئے کس کو چِتا نصیب　　آئی ہے میرے ساتھ مری بے کسی کی لاش

رحم کر رحمٰن میری بے کسی پر رحم کر　　یہ اگر ممکن نہیں ہستی مری ممکن نہیں

تجلّی خود تڑپ اُٹھّے ترے جذبات کے آگے　　وفا کی ابتدا بن جا جفا کی انتہا بن جا

پسِ حجاب اشاروں سے فائدہ کیا ہے　　مزہ تو جب تھا کوئی بات رُوبرو کرتے

کبھی اے اہلِ دل مرنا ہی مقصد ہے محبت میں　　کبھی کچھ سوچ کر مر مر کے پھر جینا ہی پڑتا ہے

نظر آتی ہے لرزاں مجھ کو دُنیا　　نگاہِ فتنہ زا ہے اور میں ہوں

مآلِ زہد و تقویٰ دیکھئے اے ہم نشیں کیا ہو　　نظر آتے ہیں وہ ساغر بکف پرہیزگاروں میں

جانتا ہوں اِک فریبِ شوق ہے　　پھر بھی نظروں کو ہے محمل کی طلب

کاوشِ پیہم کا احساس اُٹھ گیا
بن گئی راز انتہائے دردِ دل

قدم قدم پہ رہی مرگ و زندگی درپیش
رہِ طلب میں رہا وقفِ امتحاں کے لئے
مِٹا جو راہِ وفا میں وہ اوج پا ہی گیا
جو دِل کی خاک اڑی تھی وہ آسماں کے لئے

ہوگا نہ کوئی دہر میں مجھ سا بھی بدنصیب
اپنے ہی آشیانے کی برقِ بلا ہوں میں

گم ہو کے راہِ عشق میں پایا یہ مرتبہ
اُن کے حریمِ ناز کا رازآشنا ہوں میں

قفس میں ہو وہی رعنائی گلشن نگاہوں میں
جلا کر آشیاں کو حاصلِ برقِ فنا بن جا

مرنے کے بعد پھر وہی ہستی کی جُستجو
تسکینِ دل کہوں گا نہ ہرگز فنا کو میں

کیا کرے اپنی رسائی کی تمنّا کوئی
چھانتی خاک درِ یار پہ جنّت دیکھی

وارفتگیٔ دِل تو ہے زنداں سے آشنا
اے آرزوئے دشت نہ تو بے قرار ہو

خدا جانے مرا جوشِ طلب آخر کہاں پہنچا
قدم اب جو بھی اُٹھتا ہے سرِ منزل سے اُٹھتا ہے

گور میں بھی دم بخود ہیں عشر کے پیغام سے
مر گئے لیکن ہمیں فرصت نہیں آلام سے

اندیشۂ مآل کہاں پھر نگاہ میں
جوشِ طلب کا جب کوئی حاصل نہیں رہا

آزاد اب تو قیدِ مکاں سے نگاہ ہے
پابندِ دیر و کعبہ مرادل نہیں رہا

محسوس ہو رہا ہے یہ اب چشمِ شوق کو
پردہ نیاز و ناز میں حائل نہیں رہا

کیا رسائی ہو کسی کے جلوۂ مستور تک
جب ہجومِ نور سے بےہوش ہے رہبر کا دل

نہ زندگی کا وجود کوئی نہ موت کی ہے کوئی حقیقت
یقین جانو مرے گا انساں نہ دوسری زندگی ملے گی

حاجت نہیں ہے دامنِ تقویٰ کی عشق میں
یہ مے وہ مے نہیں کہ جسے چھانتا رہوں

جھکا جاتا ہوں ہر ہر گام پر جوشِ عقیدت میں
کسی کے نقشِ پا سے کم نہیں تحریر پتھر کی
اُٹھا کر آنکھ انوارِ حقیقت دیکھ لیتا ہوں
تجلّی طور کی رکھتی ہے ہر تصویر پتھر کی

جان دے کر جو زندگی پائی
میں سمجھتا ہوں پھر بھی سستی ہے

کیا کہوں رعنائیِ مستور کا جوشِ نمود
پردہ داری بھی ہے اس پر جلوہ آرائی بھی ہے

رہ گزارِ شوق میں یہ کون سا آیا مقام
کچھ تسلّی بھی ہے لیکن ناشکیبائی بھی ہے

دُعائے مرگ بھی مقبول جب ہوتی نہیں ہیں تو آہِ با اثر کو بے اثر کہنا ہی پڑتا ہے
خدا جانے دلِ پر شوق کس منزل میں آپہنچا کہ اب ہر راہ رو کو راہ بر کہنا ہی پڑتا ہے

نہ پوچھ مجھ سے ہم نفس شکستِ دل کا ماجرا عذابِ جاں ہیں آج کل کسی کی مہربانیاں

گو لاکھ کوئی معدوم کہے یا مجھ کو نا معلوم کہے زندہ ہے مجھی سے نامِ بقا میں اور نہیں تو اور نہیں

جوشِ وحشت لے گیا ہے کس بلندی پر مجھے آسماں بن کر اڑی ہے میرے ویرانے کی خاک

خاک بھی اہلِ وفا کی نام پیدا کر گئی کر گئی ہے خم کدے آباد ستانے کی خاک

چشمِ گریاں نے کیا سارے جہاں کو بے نیاز اب پپیہا بھی نہ مانگے گا دعا برسات کی
کیا بتاؤں کیا گزر جاتی ہے ہجرِ یار میں سامنے سے جب گزرتی ہے ہوا برسات کی

نگاہِ شوق کو دیر و حرم سے کیا مطلب پہنچ گیا ہوں کہاں اُن کی جستجو کرتے

بحرِ ہستی بھی اک تماشا ہے ڈوب کر خود ہی پھر ابھرتا ہوں

کیا ہے چاک جن ہاتھوں سے ہم نے دامنِ ہستی انھیں ہاتھوں سے پھر ہر چاک کو سینا ہی پڑتا ہے

کھلے ہوں پھول بھی۔ ساغر میں بھی ہو پھول اے ساقی — زبانِ توبہ پر پھر ہر چہ بادا باد ہوتا ہے
خودی سے جب خدا بینی کا عالم سامنے آئے — تو پھر انسان خود ہی صید خود صیاد ہوتا ہے

اُن کے دِل پر نقش ہو جائے مرا جوشِ وفا — قتل گہ میں اِس طرح نقشہ جما کر دیکھ لوں

یہ چشمِ طلب کا ہے کرشمہ — ویسے تو کوئی حسیں نہیں ہے
واعظ کو پٹھاؤ مے کدے میں — جنت میں یہ سرزمیں نہیں ہے

مرگِ حیات خیز سے خائف نہیں ہوں میں — ہستی کے رنج و غم ہی سے اندوہ گیں ہوں میں
منزل پہ جا کے غور سے دیکھا تو یہ کھُلا — پہلے تھا جس مقام پر اب تک وہیں ہوں میں
ہر ایک سانس خنجرِ قاتل سے کم نہیں — شاید کسی حسین کی چینِ جبیں ہوں میں

کون سا یہ مقام آ گیا ہے — بدگمانی سی ہے راہ بر سے
نامہ بر بھی نہیں جانتا ہے — اس نے کیا کہہ کے بھیجا ہے گھر سے

تمھارے زہد پر تو معصیت بھی خون روتی ہے — مگر سنتے ہیں اے زاہد بڑے ہی پارسا تم ہو

خلش تھی میرے ارمانوں میں بھی لیکن نہ تھی اتنی — جگر میں رہ گئے شاید تمھارے تیر کے ٹکڑے
غرورِ حسن کو مدِ مقابل کب گوارا ہے — اُڑائے اس پری تمثال نے تصویر کے ٹکڑے

جوشِ جنوں کو کیا ہوا اے محشرِ وفا — مدت ہوئی ہے چاکِ گریباں سئے ہوئے

دِلا چو پیر شدی حُسن و نازکی مفروش
کہ ایں معاملہ با عالمِ شباب رود

(حافظ)

شری گورو نانک دیو

اے علم بردارِ وحدت اے حریمِ رازِ حق
سوز ہے تیرا سراسر اِک نوائے سازِ حق

عالمِ بالا کی محفل میں بھی ہے بالانشیں
یہ ترا جوشِ حقیقت یہ ترا اعزازِ حق

ذرّے ذرّے کو تجلّی گاہِ عرفاں کر گئی
تیری ہستی تھی سراپا جلوۂ اعجازِ حق

جلوہ زارِ معرفت تھا تو جہانِ شوق میں
جستجوئے حق نے تجھ کو کر دیا ممتازِ حق

تیرے نغموں سے ابھی تک اِک جہاں مسحور ہے
بج رہا ہے آج تک دُنیا میں تیرا سازِ حق

ہر نوائے شوق تیری تھی حقائق آفریں
مرحبا کہتا تھا دِل سُن کر تری آوازِ حق

رُوشنی تھی تیرے دم سے محفلِ آفاق میں
اِک حقیقی نور پنہاں تھا ترے اخلاق میں

تُو نے روشن سب پہ اسرارِ حقیقت کر دیئے
اہلِ کثرت آشنائے رازِ وحدت کر دیئے

تیری تلقین و نصیحت کام اپنا کر گئی
سینکڑوں گم راہ شیدائے طریقت کر دیئے

تیرے مسلک نے مِلا دیں دیر و کعبہ کی حدیں
جوش زن ہر دل میں جذباتِ عقیدت کر دیئے

قصرِ ایماں کی بِنا ڈالی تیری تعلیم نے
منہدم ایوانِ کفر و شرک و بدعت کر دیئے

تیرے ہر انداز میں تھا ایک کیفِ سرمدی
دین و دُنیا تو نے مرہونِ کرامت کر دیئے

تیرا عشقِ پاک ہے حسن افروزِ ازل
جلوہ ساماں تو نے انوارِ صداقت کر دیئے

گو نگاہوں سے رتن کی آج تُو روپوش ہے
دل مگر اس کا عقیدت میں سراپا جوش ہے

بھگوان ویاس دیو

اے اساسِ معرفت اے بزم آرائے الست
اے علم بردارِ عرفاں دشت پیمائے الست

اے حقیقت آشنا اے کاشفِ رازِ ازل
اے سرودِ زندگی اے زخمۂ سازِ ازل

تُو بظاہر ویاس جی کے نام سے مشہور ہے
میری نظروں میں مگر اک جلوۂ مستور ہے

ہادیٔ منزل شناس و مرشدِ کامل ہے تُو
کاشفِ اسرار ہے تو زہد کا حاصل ہے تُو

سینکڑوں رعنائیاں ہیں تیرے ہر انداز میں
سینکڑوں اعجاز پنہاں ہیں تری آواز میں

کس قدر بالانشیں ہے دہر میں ہستی تری
موت سے آگے کہیں آباد ہے بستی تری

گو تو پاراشر کا فرزندِ نکوکردار تھا
فی الحقیقت آدمی کے رُوپ میں اوتار تھا

حسنِ مطلق کی ادائے دل رُبا کہیے تجھے
یا کوئی روحانیت کا دیوتا کہیے تجھے

تیرے نغماتِ حقیقت جنّتِ ہر گوش ہیں
دیوتا تیری تجلّی دیکھ کر مدہوش ہیں

تو نے لامحدود کو محدود ثابت کر دیا
عالمِ معدوم کو موجود ثابت کر دیا

خود شناسی کے حجابوں میں خداجوئی تری
حق شناسی حق پرستی اور حق گوئی تری

یوگ بل پر ایک عالم آج تک مبہوت ہے
ہر قدم تیرا فضائے منزلِ لاہوت ہے

تیری عظمت ہے درخشاں وادیٔ لاہوت میں
تیری رفعت ہے نمایاں پستیٔ ناسوت میں

وہ تری شانِ تصوّف وہ کمالِ بےخودی
وہ حجابِ عشق میں تیرا جلالِ بےخودی

پردۂ کثرت میں وہ تلقینِ وحدت کا کمال
وہ عبادت کے کرشمے وہ ریاضت کا کمال

وہ بنائے شاستر وہ سجدہ گاہِ صوفیاں
درحقیقت جس کو کہیے شمعِ راہِ صوفیاں

ہے مہابھارت تری جادو نگاری کا ثبوت
بھاگوت کا ہر ورق عصمت شعاری کا ثبوت

تیری ویدوں کی رچائیں گیان کا بھنڈار ہیں
یہ برہم سُوتر سراپا مخزنِ اسرار ہیں

بدر کی پانڈو کی ہستی تیری مرہونِ کرم
اور کورو کی ترقی تیری ممنونِ کرم

تجھ سے سنجے کو نگاہِ معرفت حاصل ہوئی
تجھ سے گت دھاری کی ہستی ہستیٔ کامل ہوئی

ہے پرانوں میں حیاتِ جاوداں کا فلسفہ
ہر مکاں کے فلسفے میں لامکاں کا فلسفہ

سالک و مجذوب کا تو ہے طریقت آزما
اہلِ دل تجھ کو سمجھتے ہیں حقیقت آزما

کیا رتن تیری بھلا مدحت سرائی کر سکے
دیوتا بھی جب نہ اِس میں لب کشائی کر سکے

عید الفطر

آج ہم آغوشِ پھر جام و سبو ہونے لگے
پھر مئے عرفان و وحدت سے وضو ہونے لگے

حسنِ فطرت کی تجلّی نور برسانے لگی
گلشنِ دل پر ضیائے طور برسانے لگی

عید آئی یا پیامِ شادمانی آگیا
مُردہ رُوحوں میں بھی جوشِ زندگانی آگیا

آسماں پر گھِر کے رحمت کی گھٹا آنے لگی
اشربُو کی بزمِ رِنداں میں صدا آنے لگی

سختیاں روزوں کی خود سہتی ہوئی آئی ہے عید
مرحبا شوّال کو کہتی ہوئی آئی ہے عید

ہر طرف رُوحانیت کی جلوہ باری دیکھئے
محرمِ اسرارِ حق کی راز داری دیکھئے

کفر کی ظلمت میں پھیلا ہے مسلمانی کا نور
جنّتِ ہر چشم ہے آیاتِ قرآنی کا نور

عید کیا ہے جوشِ الفت کی حسین تصویر ہے
اصل میں لولاک کے فرمان کی تفسیر ہے

اتحادِ قوم کا پیغام لاتی ہے یہی
شربتِ ایماں سے بھر کر جام لاتی ہے یہی

درحقیقت یہ محبّت کی علم بردار ہے
اِس کے دم سے میرے مولا کی رضا سرشار ہے

سرمدی جلوؤں کی نورانی فضا تو دیکھئے
حسنِ برکاتِ درودِ انبیا تو دیکھئے

عید لائی ہے پیام اہلِ وطن کے واسطے
فرقہ داری چھوڑ دو ربِّ ذوالمنن کے واسطے

اے رتن چھڑک جا درِ خیر البشر کی خاک پر
بھیج تسلیم و درودِ احمد کے نامِ پاک پر

سناتن دھرم

ہے ذکر اُس دھرم کا سناتن کہیں جسے
دُنیائے ہست و بُود کا مامن کہیں جسے

اِس نے ہمیں نجات کا رستہ دکھا دیا
جویانِ حق کا رہبرِ پُر فن کہیں جسے

بستا ہے اِس کے سائے میں وہ عالمِ نشاط
آسائشِ دوام کا مسکن کہیں جسے

بندے کو اس دھرم نے خدا سے مِلا دیا
عارف کی آرزوؤں کا خرمن کہیں جسے

سمجھائے اِس نے وید کے اسرارِ سرمدی
عرفان کے رموز کا مخزن کہیں جسے

بستی بسائی اس نے حدودِ فنا سے دُور
راہِ بقا میں وادیٔ ایمن کہیں جسے

اب تک نہ چل سکا کہیں آغاز کا پتا
یہ وہ دھرم ہے سب سے پُراتن کہیں جسے

ہر قسم کے فنون کا مصدر یہی تو ہے
جملہ علومِ دہر کا معدن کہیں جسے

اِس کے کرم سے کھِل گئے علم و عمل کے پھول
انسان کی حیات کا گلشن کہیں جسے

وہ بارگاہِ حسنِ حقیقت ہے یہ دھرم
رعنائیٔ ازل کا نشیمن کہیں جسے

پروانہ وار جان نچھاور دھرم پہ ہو
سب اہلِ ذوق جذبۂ احسن کہیں جسے

دیکھا ہے اِس کے فیض سے بیتابؔ ہیں خدا رتن
عرفانیوں کا مقصدِ روشن کہیں جسے

اُستاد

تیری ہی ذات ہے کہ مسیحا کہیں جسے
یا شاہرِ علوم کا شیدا کہیں جسے

انساں کو تیرے فیض نے انساں بنا دیا
خاموشیوں میں بھی لبِ گویا کہیں جسے

دامانِ شوقِ علم کو وسعت وُہ تو نے دی
تیری نگاہِ لطف کی دنیا کہیں جسے

اِک فیضِ عام ہے تری ہستیٔ دل نشیں
علم و عمل کا گوہرِ یکتا کہیں جسے

مضمر ہے تیری ذات میں وہ شانِ ارتقا
رُتبے میں جلوہ گاہِ ثریا کہیں جسے

تیرے عمل نے دہر میں وہ رنگ بھر دیا
اندازِ دل نوازی کی دنیا کہیں جسے

آیا جو در پہ زندۂ جاوید ہو گیا
ہستی ہے وہ کہ شانِ مسیحا کہیں جسے

تو خادمِ جہاں بھی ہے مخدومِ خلق بھی
تیرا عمل وہ ہے کہ تماشا کہیں جسے

چراغ سحر

اے داستانِ عالمِ تصویرِ بے کسی
اے سرگزشتِ حسرتِ نخچیرِ بے کسی

اے مظہرِ حقیقتِ تفسیرِ بے کسی
اے شاکیٔ مظالمِ شمشیرِ بے کسی

عبرت اثر ہے صبح کو دم توڑنا ترا
بزمِ نشاط و عیش سے منہ موڑنا ترا

گو عام کی نظر میں چراغِ سحر ہے تُو
ہر صاحبِ نظر کو فریبِ نظر ہے تُو

پست و فرازِ دہر کا اک راہبر ہے تُو
شان و شکوہِ ماضیہ کا نوحہ گر ہے تُو

تیرا وجود شاہدِ انجامِ سرکشی
لرزاں ترے مآل سے ہے نامِ سرکشی

ویرانہ ہے تُو حسنِ رعونت مآب کا
افسانہ ہے کسی کے گزشتہ شباب کا

پیغام بر ہے زلزلۂ انقلاب کا
تجھ میں ہے اضطراب خمارِ شراب کا

چمکا کیا ہے رات کو چقماق کی طرح
اب زرد رُو ہے چہرۂ عشاق کی طرح

تُو نے رنگے ہیں ہاتھ شہیدوں کے خون سے
شب بھر بجھائی پیاس مریدوں کے خون سے

کھیلا کیا ہے اُن کی اُمیدوں کے خون سے
رغبت ہے تجھ کو زخم رسیدوں کے خون سے

پہلو میں کشتگانِ محبت پہ اک نظر
اِن بے کسوں کے جوشِ شہادت پہ اک نظر

ہے سازِ زندگی ترے سوز و گداز میں ... یعنی چھپی ہوئی ہے حقیقت مجاز میں
تو اک شبیہہ ناز ہے جوشِ نیاز میں ... جینے کا راز ہے ترے جلنے کے راز میں

تو نے شبِ سیہ کو تو پُر نور کر دیا
گو اپنے تن کو صورتِ ناسور کر دیا

عزمِ سفرِ عدم کا کئے جا رہا ہے تُو ... پہلو میں حسرتوں کو لئے جا رہا ہے تو
خود تو اجل کا جام پئے جا رہا ہے تُو ... درسِ حیات ہم کو دیئے جا رہا ہے تو

تُو دوسروں کے واسطے قربان ہو گیا
ایثار کا جہان میں عنوان ہو گیا

تپِ دق

اے تپِ دق تُو سراپا ظلم ہے بیداد ہے ... تیرے ہاتھوں اِک زمانہ مائلِ فریاد ہے
موت کا پیغام بن کر گھر میں آجاتی ہے تُو ... سینکڑوں آبادیاں ویراں بنا جاتی ہے تُو
تیرے خنجر سے ہزاروں مہ جبیں مارے گئے ... نازپیکر۔ نازنیں۔ ناز آفریں مارے گئے
مائیں کھو کر اپنے بچّوں کو ترستی رہ گئیں ... ہر پدر کی آرزوئیں خون ہو کر بہ گئیں
شوہروں کے غم میں کتنی بیویاں بے تاب ہیں ... بیویوں کے غم میں شوہر ماہیِ بے آب ہیں
بھائیوں کے رنج میں بہنوں کا ابتر حال ہے ... چشم گریاں۔ دِل پریشاں۔ زندگی پامال ہے
بھائیوں کو بھی ہے بہنوں کی جدائی کا الم ... زندگی کی انتہائی بے وفائی کا الم
دوستوں کے غم میں لاکھوں ہستیاں ماتم زدہ ... قلبِ محزوں سے زیادہ جانِ محزوں غم زدہ
نازنینوں کے شبابِ حسن کی دشمن ہے تُو ... شعلہ در ہنب ہے تُو یا برق در گلشن ہے تُو

کوہ پیکر، دیوصورت، شیر افگن، پیل تن — تیرے ڈر سے ہو گئے روپوش سب زیرِ کفن
تیری ہیبت سے ہراساں ہے زمانے کی فضا — تیرے جھونکوں سے پریشاں ہے زمانے کی فضا
راحت و فرحت کی دولت چھین لے جاتی ہے تُو — ایک اک دل کو ہزاروں داغ دے جاتی ہے تو
رحم کی بُو تک ترے اخلاق میں اصلا نہیں — توڑتا ہو دم کوئی لیکن تجھے پروا نہیں
گھر میں گھسنے کے بہانے خوب تجھ کو یاد ہیں — کونے کونے میں ترے پیغام بر آباد ہیں
ہر طرح ہر حال میں تو جان لیوا ہی رہی — خون پینے کی تجھے ہر دم تمنّا ہی رہی
لے تجھے سب کی نگاہوں سے گرا دیتا ہوں میں — آج سے اہلِ وطن کو یہ صدا دیتا ہوں میں

ہند یونا بود کر دو اس ستم ایجاد کو
شاد کیوں کرتے نہیں اپنے دلِ ناشاد کو

کشمیر

کشمیر ایک خطّۂ جنّت نظیر ہے — تصویرِ شانِ رحمتِ ربِّ قدیر ہے
ہر ذرّہ اِس کی خاک کا راحت خمیر ہے — خود حسن اِس کے دامِ فضا میں اسیر ہے

خواہش ہے قدسیوں کو بھی اِس کے جمال کی
دیتا ہے خود کمال شہادت کمال کی

ہر گام پر ہے جلوۂ مستور آشکار — اہلِ نظر نے دیکھ لیا نور آشکار
وادیٔ کوہ سار ہے یا حور آشکار — ہے ہر صدا سے جذبۂ منصور آشکار

جلوے تڑپ رہے ہیں حقیقت کے ہر طرف
انوار چھا رہے ہیں مشیّت کے ہر طرف

اشجارِ سبز پوش کی رعنائیاں نہ پوچھ — جوشِ بہار کی چمن آرائیاں نہ پوچھ
چشموں کے آس پاس کی زیبائیاں نہ پوچھ — بادِ حیات زا کی مسیحائیاں نہ پوچھ

گل چیں کا خوف برقِ بلا کا خطر نہیں
یہ وہ چمن ہے جس میں خزاں کا گزر نہیں

وہ ندیوں میں آبِ رواں کی تجلیاں — جھیلوں میں چلتے پھرتے مکاں کی تجلیاں
وہ کوہ سارِ عرش نشاں کی تجلیاں — ہیں شرم سارِ باغِ جناں کی تجلیاں

ڈل دیکھئے تو کم نہیں ہے سلسبیل سے
باغِ نسیم کم نہیں باغِ خلیل سے

پانی میں شانِ بزمِ چراغاں تو دیکھئے — اِک کہکشاں زمیں پہ نمایاں تو دیکھئے
جادو بھرا شگفتہ گلستاں تو دیکھئے — موجوں میں ماہ تاب کو رقصاں تو دیکھئے

تختے گلوں کے زینتِ جو تیرتے ہوئے
ملتے ہیں حسن و عشق بہم پیرتے ہوئے

وہ دل فریب منظرِ انوار دیکھنا — پھر کشتِ زعفراں سرِ کہسار دیکھنا
وہ چوٹیوں پہ برف کے انبار دیکھنا — سیمیں لباس پیکرِ اسرار دیکھنا

منظر سکوت خیز فضا دل پذیر ہے
سرمست جس سے عارفِ روشن ضمیر ہے

لالے کی وہ پہاڑ پہ ہیں رنگ بیزیاں — جیسے شفق کی زیبِ فلک صبح خیزیاں
تنہائیوں میں ندیوں کی نغمہ ریزیاں — گرتے ہوئے پہاڑ سے پانی کی تیزیاں

نغمے نشاط و عیش کے گاتے ہیں آبشار
مستی کا اِک پیام سناتے ہیں آبشار

ہر سو نشاط خیزئ فصلِ بہار ہے — تنویرِ حسنِ صنعتِ پروردگار ہے
خلدِ نظر فضائے لبِ جوئبار ہے — موجِ صبا سے چشمۂ فیض آشکار ہے

میری نظر میں پرتوِ حسنِ ازل ہے یہ
نقّاشِ حق کا نقشِ عدیم البدل ہے یہ

طالبِ منزل سے خطاب

منزلِ مقصود کے شیدا کبھی شیدا بھی ہو
اِک دلیلِ کامیابی ہے اگر رسوا بھی ہو

رازدارِ حسن ہو پی کر شرابِ معرفت
خانقاہِ عشق میں دِل دادۂ صہبا بھی ہو

اِک طلسمِ راز بن جا رہ گزارِ عشق میں
گلستاں کا پھول بھی ہو دشت کا کانٹا بھی ہو

سامنے نظروں کے خود آئیں گے جلوہ حسن کے
شرط لیکن یہ ہے سر میں درد کا سودا بھی ہو

تیری ہستی میں ہوں حسن و عشق کی رنگینیاں
عاشقِ بے تاب بھی ہو شاہدِ رعنا بھی ہو

مرجعِ شیخ و برہمن ہو دلِ وحدت پسند
سب کی نظروں میں تو بت خانہ بھی ہو کعبا بھی ہو

قطرہ قطرہ میں ہے ناداں وسعتِ قلزم نہاں
ہاں! مگر تیری نگاہِ نکتہ رس بینا بھی ہو

ہمتِ مردانہ و قفِ شوقِ منزل ہی رہے
مٹ کے راہِ جستجو میں شکلِ نقشِ پا بھی ہو

لطف اندوزی ہے بس سرشارِ وحدت کی یہی
نغمۂ حق میں نمایاں قلقلِ مینا بھی ہو

کاش آزادِ ترقی ہوں تری پابندیاں
قیدیٔ زنداں بھی ہو سرگشتۂ صحرا بھی ہو

آ رہی ہے کامیابی تیرے استقبال کو
اُٹھ کے مستقبل کا اپنے انجمن آرا بھی ہو

تو زمانہ کی نگاہِ آرزو کا نور ہے
دل اگر جویائے مقصد ہے سرور افزا بھی ہو

ہر قدم پر تیرے قرباں ہوں ہزاروں منزلیں
جوشِ مجنوں بھی درائے ناقۂ لیلےٰ بھی ہو

بامِ منزل ہے رتّن تیری نظر کے سامنے
سعی و ہمت کی میسر نعمتِ عظمےٰ بھی ہو

حضرت محمد صاحب صلعم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

آیا ہے لب پہ نام رسولِ کریم کا
جلوہ تڑپ اٹھا ہے ریاضِ نعیم کا

برسا جو ابر آپ کے لطفِ عمیم کا
گلزار بن کے کھل گیا شعلہ جحیم کا

بحرِ عدن میں لاکھ ہوں لولوئے شاہوار
کچھ رنگ روپ اور ہے درِّ یتیم کا

اے اہلِ بزم جانبِ بطحا چلا ہوں میں
پیغام لے کر آیا ہے جھونکا نسیم کا

خلدِ بریں نجچے مری نظروں میں کس طرح
دیکھا ہے ایک پھول ریاضِ نعیم کا

اللہ رے خاکِ بیتِ مقدس کا مرتبہ
مسجود ذرہ ذرہ ہے عرشِ عظیم کا

حسنِ ازل نے بھی شہ والا کی داد دی
اعجاز جب عیاں ہوا ماہ دونیم کا

وحدت کو ناز کیوں نہ ہو احمد کی ذات پر
سمجھا ہے جس نے راز الف لام میم کا

شافع اگر حضور رسالت مآب ہوں
پھر کیوں نہ فیضِ عام ہو ربِّ کریم کا

شاہد نہ ہو سکا کبھی مشہود سے الگ
نورِ خدا ہے نورِ رسولِ کریم کا

کیوں کر بیاں ہو مدحتِ خیر البشر رتنؔ
ہے تنگ قافیہ مری طبع سلیم کا

انسانیت

جسے ہم نے ابرِ گہربار پایا
ہمیشہ چراغِ شبِ تار پایا

شرابِ حقیقت میں سرشار پایا
فرشتوں میں بھی جس کو سردار پایا

وہ انسانیت ہے وہ انسانیت ہے

جسے آفرینش کا آغاز کہیے　　جسے حسنِ مستور کا راز کہیے
جسے دل نوازی کا انداز کہیے　　جسے سوز کہیے جسے ساز کہیے

وہ انسانیت ہے وہ انسانیت ہے

جو بندے کو شانِ خدا کر دکھائے　　جو گم گشتہ کو رہ نما کر دکھائے
جو تاریکیوں کو ضیا کر دکھائے　　جو دارِ فنا کو بقا کر دکھائے

وہ انسانیت ہے وہ انسانیت ہے

جو وحدت میں کثرت کا پیغام لائی　　جو عصیاں میں رحمت کا پیغام لائی
جو دوزخ میں جنت کا پیغام لائی　　جو ہر دکھ میں راحت کا پیغام لائی

وہ انسانیت ہے وہ انسانیت ہے

تصدق ہے جس پر خلافت کی دولت　　نچھاور ہے جس پر فضیلت کی دولت
عطا جس نے کی ہم کو عزت کی دولت　　عطا جس نے کی ہم کو عصمت کی دولت

وہ انسانیت ہے وہ انسانیت ہے

فرشتوں کو جس کا پرستار دیکھا　　مشائخ کو جس کا طلب گار دیکھا
طریقت کو جس کا خریدار دیکھا　　جسے ساری دنیا کا غم خوار دیکھا

وہ انسانیت ہے وہ انسانیت ہے

فسادات ۱۹۴۷ء

ہر طرف شورِ قیامت ہر طرف جوشِ محن　　موت کی صورت میں اُٹھی ہے صدائے گیر و زن
خون روتا ہے زمیں کے حال پر چرخِ کہن　　بربریت حکم راں - انسانیت زیرِ کفن

کیا اسی کا نام آزادی ہے اے اہلِ وطن؟

یک بہ یک خونِ محبت میں سفیدی آ گئی ظلم و استبداد کی آندھی جہاں میں چھا گئی
دیکھ کر کشتوں کے پشتے خود اجل گھبرا گئی موت کی آغوش میں سوئے ہیں لاکھوں سیم تن
کیا اسی کا نام آزادی ہے اے اہلِ وطن؟

اس طرح حیوانیت اب آ گئی ہے جوش میں بستیوں کی بستیاں ہیں آگ کی آغوش میں
رہ نمایانِ وطن اب تک نہیں ہیں ہوش میں ذرہ ذرہ ملک کا ہے منظرِ دار المحن
کیا اسی کا نام آزادی ہے اے اہلِ وطن؟

ننھے بچوں پر یہ خنجر آزمائی دیکھئے عورتوں سے شیر مردوں کی لڑائی دیکھئے
دیکھئے انسانیت کی بے حیائی دیکھئے ماں بہن کے بھی اتارے جا رہے ہیں پیرہن
کیا اسی کا نام آزادی ہے اے اہلِ وطن؟

آدمی کی شکل میں غنڈے درندے بن گئے آدمیت کی تباہی کے لئے سب ٹھن گئے
قتل و غارت اور خوں ریزی پہ ڈاکو تن گئے ہو گیا دم بھر شریفوں کے لئے جینا کٹھن
کیا اسی کا نام آزادی ہے اے اہلِ وطن؟

خون کے دریا رواں ہیں اور ہیں لاشوں کے ڈھیر مر گئے خورد و کلاں، پیر و جواں۔ شیروں کے شیر
آہ! اس بدبخت بھارت ورش کی قسمت کا پھیر اس کا ہر گھر بن گیا ہے مسکنِ زاغ و زغن
کیا اسی کا نام آزادی ہے اے اہلِ وطن؟

حشر پرور شورشیں۔ ماتم نما خاموشیاں خوف زا تاریکیاں۔ دہشت اثر بے ہوشیاں
حریت کے نام پر قرباں مظالم کوشیاں رحم و انصاف و کرم کا چاند ہے زیرِ گہن
کیا اسی کا نام آزادی ہے اے اہلِ وطن؟

یورشیں۔ حملے۔ حوادث۔ زلزلے۔ آہ و فغاں آ رہے گا لوٹ کر گویا زمیں پر آسماں
بستیاں اجڑی ہوئی۔ سہمی ہوئی آبادیاں کر گیا ان کو ہڑپ دیوِ اجل یکسر رتن
کیا اسی کا نام آزادی ہے اے اہلِ وطن؟

گرانی

وبالِ جاں یہاں تک ہے گرانی — کہ سستی ہو رہی ہے نیم جانی
ترستے ہیں غریب اِک نانِ جو کو — خدایا موت ہے یا زندگانی
گرانی اور نایابی نے مارا — کہو اہلِ جہاں کو آں جہانی
فلک نا مہرباں اتنا ہوا ہے — قضا آئے تو سمجھیں مہربانی
امیرو! وقت ہے دولت سمیٹو — مگر آخر یہ کب تک پاسبانی
نہ آٹا ہی ملا ہم کو نہ کپڑا — ڈپو کی بھی تو دن بھر خاک چھانی
زمیں نے بھی قیامت کی ہے برپا — فلک نے بھی مٹا دینے کی ٹھانی
چراغِ زندگی بجھنے لگا ہے — ہوئی ہے تیل کی اتنی گرانی
بلائیں لاکھ جانِ زار تنہا — مصیبت میں پڑی ہے سخت جانی
نمک نایاب چینی بھی ہے نایاب — بہت پھیکی ہوئی ہے زندگانی
خدایا وقت ہے تیرے کرم کا — گزرنا جا رہا ہے سر سے پانی

رتنؔ ہے ہاتھ خالی پیٹ بھوکا
گرانی ہو گئی ہے سر گرانی

ناجائز منافع خوری

تاجرو! یہ سینہ زوری چھوڑ دو — دل فروشی اور چوری چھوڑ دو
چور بازاری کی ڈوری چھوڑ دو — آنکھ ہونے پر بھی کوری چھوڑ دو

حد سے بڑھ کر نفع خوری چھوڑ دو

بڑھ گئی حد سے گرانی بڑھ گئی — زندگی کی نیم جانی بڑھ گئی
دار و گیرِ زندگانی بڑھ گئی — ہر قدم پر پاسبانی بڑھ گئی
حد سے بڑھ کر نفع خوری چھوڑ دو

چور بازاری بہت بد نام ہے — اصل میں یہ ایک حرصِ خام ہے
اس کے دم سے آدمی ناکام ہے — یہ فقط مکّاریوں کا دام ہے
حد سے بڑھ کر نفع خوری چھوڑ دو

اپنے حق پر صبر کرنا چاہیے — اس میں جینا اس میں مرنا چاہیے
سوچ کر ہر پاؤں دھرنا چاہیے — رہ گزر سے یوں گزرنا چاہیے
حد سے بڑھ کر نفع خوری چھوڑ دو

یوں بگڑتا ہے نظامِ شہریت — پست ہو جاتا ہے بامِ شہریت
بلکہ مٹ جاتا ہے نامِ شہریت — ہے اگر کچھ احترامِ شہریت
حد سے بڑھ کر نفع خوری چھوڑ دو

بھائیوں کا خون پینا ظلم ہے — اس قدر پتھّر کا سینا ظلم ہے
اس طرح دنیا میں جینا ظلم ہے — یہ شر انگیزی یہ کینا ظلم ہے
حد سے بڑھ کر نفع خوری چھوڑ دو

در حقیقت ملک کے دشمن ہو تم — شہریت کی راہ میں رہزن ہو تم
حرص کا اجڑا ہوا مسکن ہو تم — تاجری کا تاجر و مدفن ہو تم
حد سے بڑھ کر نفع خوری چھوڑ دو

ذخیرہ اندوزی

وطن میں غذا کی کمی ہو رہی ہے — حکومت اسی غم سے غمگیں ہوئی ہے

رعیت جدا اِس کا حل سوچتی ہے ـــ ہر اک سمت سے اب صدا یہ اُٹھی ہے
ذخیروں کا رکھنا وطن دشمنی ہے ـــ وطن دُشمنو تُم ذخیرے نہ رکھو

ذرا ہے زروں کی مصیبت تو دیکھو ـــ خطرناک فاقوں کی آفت تو دیکھو
عذابِ الٰہی کی صورت تو دیکھو ـــ یہ بدقسمتی یہ فلاکت تو دیکھو
ذخیروں کا رکھنا وطن دشمنی ہے ـــ وطن دشمنو تم ذخیرے نہ رکھو

اِدھر ہم وطن بھوک سے نیم جاں ہیں ـــ مقدّر کے شاکی ہیں محوِ فغاں ہیں
نگاہوں میں افسردگی کے نشاں ہیں ـــ ذخیروں کے مالک مگر شادماں ہیں
ذخیروں کا رکھنا وطن دُشمنی ہے ـــ وطن دُشمنو تم ذخیرے نہ رکھو

مصیبت یہ فاقوں کی سب سے بڑی ہے ـــ حقیقت میں یہ آزمائش کڑی ہے
گرانی کی آفت سرہانے کھڑی ہے ـــ ذخیرہ چھپانے کی تم کو پڑی ہے
ذخیروں کا رکھنا وطن دشمنی ہے ـــ وطن دشمنو تم ذخیرے نہ رکھو

تڑپتے ہیں بچّے جواں جاں بلب ہیں ـــ کہن سال بوڑھوں کے دل مضطرب ہیں
تمھارے ذخیرے بہت بے سبب ہیں ـــ تمھارے ارادے ستم ہیں غضب ہیں
ذخیروں کا رکھنا وطن دُشمنی ہے ـــ وطن دُشمنو تم ذخیرے نہ رکھو

حکومت کو غلّہ منگانے کا غم ہے ـــ جو مرتے ہیں اُن کو بچانے کا غم ہے
وطن کو الم سے چھڑانے کا غم ہے ـــ مگر تم کو غلّہ چھپانے کا غم ہے
ذخیروں کا رکھنا وطن دشمنی ہے ـــ وطن دُشمنو تم ذخیرے نہ رکھو

اُٹھو ملک سے فاقہ مستی مٹا دو ـــ محبت سے نفرت کی ہستی مٹا دو
غریبوں کی یہ تنگ دستی مٹا دو ـــ اٹھو اِس طرح اپنی پستی مٹا دو
ذخیروں کا رکھنا وطن دُشمنی ہے
وطن دشمنو تم ذخیرے نہ رکھو

غریبی

غریبی راز قدرت کا غریبی شان قدرت کی
کہیں ایمان قدرت کا کہیں یہ جان قدرت کی

غریبی زندگی کا حسن ہے فطرت کا زیور ہے
غریبی بخت کا بدلا ہوا سا ایک تیور ہے

غریبی اپنی عصمت پر ہمیشہ ناز کرتی ہے
غریبی سوز کے پردے میں پیدا ساز کرتی ہے

غریبی پاک روحوں کی سراپا نور بستی ہے
غریبی معصیت کی حد سے کوسوں دور بستی ہے

غریبی پر وفا سو جان سے قربان رہتی ہے
غریبی عشق کے ویرانے میں مہمان رہتی ہے

غریبی سے محبت کا نشان باقی ہے دنیا میں
غریبی سے بشر کی آبرو رہتی ہے عقبیٰ میں

غریبی نے امارت کو جہاں میں برتری بخشی
غریبی نے قناعت کو فلک سے ہم سری بخشی

غریبی نے غریبوں کو خدا کی یاد میں رکھا
غریبی نے انھیں نیکو تریں افراد میں رکھا

غریبی بخت کی آغوش میں پروان چڑھتی ہے
غریبی درد کی دنیا میں سب سے آگے بڑھتی ہے

غریبی نے پچھاڑا کوہ پیکر پہلوانوں کو
غریبی نے گرایا شیر افگن نوجوانوں کو

غریبی خاک میں ملکر فلک پر آنکھ رکھتی ہے
غریبی آدمی بن کر ملک پر آنکھ رکھتی ہے

غریبی زندگی کے مرحلوں سے آشنا پائی
غریبی بے ریا دیکھی غریبی باوفا پائی

غریبی خود ہی کر لیتی ہے اپنا آسماں پیدا
غریبی بے نشاں ہو کر بھی کرتی ہے نشاں پیدا

غریبی خاک سے عرش بریں پر لا بٹھاتی ہے
غریبی ہی تو ہر انسان کو انساں بناتی ہے

غریبی ہی بلندی کی علم بردار بنتی ہے
غریبی انتہائی بے کسی میں یار بنتی ہے

غریبی میں بشر کی زندگی کا مدعا پایا
غریبی کو ازل ہی سے مصیبت آشنا پایا

غریبی سے جہاں کی گردشیں گردش میں آتی ہیں
غریبی سے الم کی آندھیاں طوفاں اٹھاتی ہے

غریبی اور خودداری کا اکثر ساتھ رہتا ہے
غریبی پر خدا کی رحمتوں کا ہاتھ رہتا ہے

غریبی زندگی کا دوسرا پہلو بھی رکھتی ہے
کرم ہی وہ نہیں کرتی ستم کی خو بھی رکھتی ہے

غریبی کو ہمیشہ عیش کا ماتم کناں پایا
غریبی کا چمن ہر وقت پامالِ خزاں پایا

غریبی آدمی کو بے اجل مرنا سکھاتی ہے
غریبی آہ بھر کر آگ پانی میں لگاتی ہے

غریبی نوجوانی کو بڑھاپا کر دکھاتی ہے
غریبی بھوک کی مجبوریوں میں بلبلاتی ہے

غریبی نے ہزاروں بےکسوں کو بے وطن مارا
غریبی نے بہت پردیسیوں کو بے کفن مارا

غریبی بے خطا چٹ کر گئی معصوم بچوں کو
غریبی کھا گئی سہمے ہوئے مغموم بچوں کو

غریبی یاس کے خلوت کدے میں خوب روتی ہے
غریبی موت سے ہنس ہنس کے ہم آغوش ہوتی ہے

غریبی پستیوں کی بستیاں آباد کرتی ہے
غریبی یوم خوش حالی کو رو رو کر یاد کرتی ہے

غریبی کی مصیبت دیکھ کر تقدیر روتی ہے
غریبی ہر جگہ ہر حال میں مجبور ہوتی ہے

غریبی محفلِ عیش و طرب سے دور رہتی ہے
غریبی پیٹ کو پکڑے ہوئے معذور رہتی ہے

غریبی دہر میں انسان کو ملعون رکھتی ہے
غریبی آئے دن ہر ایک کا مرہون رکھتی ہے

غریبی پائے استغنا سے ٹھکرائی گئی اکثر
غریبی پر قیامت رات دن ڈھائی گئی اکثر

غریبی کی کمر ہر جوڑ سے ٹوٹی ہوئی نکلی
غریبی کے لئے تقدیر بھی پھوٹی ہوئی نکلی

غریبی درحقیقت پیش خیمہ ہے مصیبت کا
غریبی ایک عبرت خیز نظارہ ہے قسمت کا

غریبی کی تمنا دل ہی میں بے تاب رہتی ہے
غریبی زندگی میں ماہیٔ بے آب رہتی ہے

غریبی اپنے ناشادوں کو غم انگیز رکھتی ہے
غریبی ہر قدم پر ایک رستاخیز رکھتی ہے

غریبی ہر جگہ دیکھی گئی غمگیں نگاہوں سے
غریبی پھونک دی جاتی ہے اکثر سرد آہوں سے

غریبی زندگی کے دشت میں ہے پرخطر منظر
غریبی منعموں کے حق میں ہے عبرت اثر منظر

غریبی کس قیامت کی قیامت آفریں نکلی
غریبی کے لئے قسمت بھی خود اندوہ گیں نکلی

غریبی کی بہاروں کو خزاں سے بدتریں دیکھا
غریبی کی خموشی کو فغاں سے بدتریں دیکھا

غریبی دہر میں پیدا ہوئی مایوس رہنے کو
غم و رنج و الم سے رات دن مانوس رہنے کو

غریبی سے کبھی حاجت برابری ہو نہیں سکتی   غریبی سے کسی کی غم گساری ہو نہیں سکتی

مگر پھر بھی غریبی گلشنِ جنّت کا زینا ہے

غریبی میں وہ جلوے ہیں کہ سینہ طورِ سینا ہے

شادی

زندگی پر عذاب ہے شادی   سخت خانہ خراب ہے شادی

کیوں کہوں اس کو میں پیامِ سکوں   باعثِ اضطراب ہے شادی

کنجِ خلوت کی رونقیں نہ رہیں   پیکرِ انقلاب ہے شادی

زندگی ہے وہ رنج و غم کی کتاب   جس کا پُر درد باب ہے شادی

گھر پہ زنداں کا ہو رہا ہے گماں   کتنی وحشت مآب ہے شادی

پرسش و باز پرس نے مارا   معصیت کا حساب ہے شادی

عیش و عشرت فقط ہیں وہم و گماں   زندگی کا سراب ہے شادی

دوست داری کا ذکر ہی بے سُود   اک عدوئے شباب ہے شادی

پھر بھی اس پر زمانہ مرتا ہے

جان اپنی نثار کرتا ہے

لوگ کہتے ہیں عین راحت ہے   میں یہ کہتا ہوں اک مصیبت ہے

اس کو جنّت کہوں ارے توبہ   یہ جہنم کی ایک لعنت ہے

لطفِ وحدت اٹھا دیا اس نے   باعثِ شرک و وجہِ کثرت ہے

اس کے فتنوں سے ہے مفر کس کو   اس کا ہر فتنہ اک قیامت ہے

وجہِ رنج و غم و پریشانی   ایک شادی ہزار آفت ہے

مخمصے گھر کے بڑھ گئے لاکھوں   کد خدائی ہے یا مصیبت ہے

دل ہراساں ہے جاں پژمردہ — قید ہے وہ بھی باِمشقت ہے
اِس کو رحمت بھی گو کہیں۔ لیکن — شکلِ رحمت میں ایک زحمت ہے

وجہِ حیرت ہے اِس کی فطرت بھی
ہے یہ آفت بھی اور راحت بھی

آسماں پر یہاں زمیں دیکھی — یہ دو رنگی کہیں نہیں دیکھی
جان لیوا ہے گو۔ مگر پھر بھی — ہر ادا روح آفریں دیکھی
حفظِ نام و نشان و منزل ہے — حفظِ حرمت یہ بالیقیں دیکھی
اس کی ہستی بشر کی ہستی ہے — دونوں عالم میں یہ مکیں دیکھی
انبیا بھی ہیں مدح خواں اس کے — اولیا کے یہ دلنشیں دیکھی
ہے تقاضائے فطرتِ انساں — اس کی ہاں میں نہیں نہیں دیکھی
سرِّ تکوین اسی میں پنہاں ہے — گنجِ فطرت کی یہ امیں دیکھی
اہلِ ایماں و اہلِ دیں کے لیے — جزوِ ایمان و شانِ دیں دیکھی

گو رتن سر بسر جفا ہے یہ
ذاتِ حق کی مگر رضا ہے یہ

روٹی

کہیں راحت کہیں آزار روٹی — سراپا مخزنِ اسرار روٹی
حیات افروزِ بزمِ آفرینش — شعاعِ مطلعِ انوار روٹی
نظامِ دہر کی بنیاد ہے یہ — پیامِ بخششِ غفّار روٹی
گلِ اُمیّد کی خوشبو یہی ہے — حیاتِ عندلیبِ زار روٹی
یہی سود و زیاں کا پیش خیمہ — کمالِ گرمیٔ بازار روٹی

تصدّق اس کے ہر لقمہ پہ جنّت
فرشتوں کے لئے ہے عار روٹی
نمودِ عیش کا خوش رنگ منظر
غریبوں کا دلِ بے زار روٹی
رہی بھُوکوں کی خاطر نذرِ آتش
عجیب ہے صاحبِ ایثار روٹی
اسی کو قاضیٔ حاجات کہیئے
گناہوں کے لئے ستّار روٹی
ملا دیتی ہے یہ ٹوٹے دلوں کو
حصولِ الفتِ اغیار روٹی
سکوں اس کی جبلّت میں نہیں ہے
ازل سے تا ابد بیزار روٹی
اسی کی جستجو کا نام دُنیا
جسے کہتے ہیں دُنیادار روٹی
کہیں بستی کو ویرانہ بنایا
کہیں صحرا میں ہے گلزار روٹی
نچاتی ہے بشر کو ناچ لاکھوں
عجب ساحر عجب مکّار روٹی
اسی میں ہے غنا کا راز مضمر
قناعت کے لئے معیار روٹی
گدا کے ہاتھ کا کچکول یہ ہے
سرِ اعزاز پر دستار روٹی
عجب رنگین دیکھی اس کی فطرت
شکم پرور شکم آزار روٹی

رتنؔ اس سے زیادہ کیا کہیں ہم
مقدّر کے گلے کا ہار روٹی

مچھّر

مچھّر نے اک جہان کو برباد کردیا
مجروح نوکِ نشتر بے داد کردیا
ہر وقت یہ تو مائلِ آزارِ خلق ہے
جس وقت دیکھو برسرِ پیکارِ خلق ہے
آتا ہے طمطراق سے جنگ آزمائی کو
کرتا ہے اپنے ڈنک سے گھائل خدائی کو
ننھی سی جان حاملِ توپ و تفنگ ہے
چھوٹا سا دِل دلاورِ میدانِ جنگ ہے
سب دم بخود ہیں اس کی شجاعت کو دیکھ کر
سرکش بھی کانپ اُٹھتے ہیں صورت کو دیکھ کر

نخوت سے سر اٹھائے ہوئے آسمان پر
کرتا ہے دھوم دھام سے یورش جہان پر
شب خون مارتا ہے یہ کس کس فریب سے
واقف ہے خوب اپنے فراز و نشیب سے
جس پر بھی اس شریر نے اِک وار کر دیا
جینا پھر اُس کے واسطے دشوار کر دیا
لازم ہے ہم کو پہلے صفائی کی فکر ہو
پھر اس حریفِ جانِ خدائی کی فکر ہو
مچھر نہ جمع ہو گا غلاظت نہ ہو اگر
پیدا مرض نہ ہو گا عفونت نہ ہو اگر
گو ہے مسہری خوابِ مُسرّت کے واسطے
کونین بھی مفید ہے صحت کے واسطے
افسوس ہے کہ ہم پہ جہالت سوار ہے
دُنیا دل و دماغ کی تاریک و تار ہے
دل بھی عطا ہوا ہے فراست اثر ہمیں
مطلق نہیں ہے سود و زیاں کی خبر ہمیں

آؤ تو! اس خبیث کے جادو کو توڑ دیں
ہمّت سے نابکار کی گردن مروڑ دیں

تندرُستی

تندرستی ہے بہارِ زندگی
ہے یہی سرمایہ دارِ زندگی
وجہِ لطفِ جاودان کہیے اِسے
راحت و آرام جاں کہیے اِسے
جس کو دُنیا میں یہ نعمت مِل گئی
اِک زمانے کی مسرّت مِل گئی
ہے یہ لطفِ زندگانی کی دلیل
بلکہ کہیے کامرانی کی دلیل
مشکلوں کو دور کر دیتی ہے یہ
رنج کو کافور کر دیتی ہے یہ
بادشہ کی بادشاہت ہے یہی
بے نوا کے دِل کی دولت ہے یہی
طالبِ منزل کی منزل اس میں ہے
ہستیٔ انساں کا حاصل اس میں ہے
زاہدِ دیں دار کا ملجا ہے یہ
عابدِ مرتاض کا ماوے ہے یہ
رہ نمائے جادۂ عرفاں ہے یہ
رحمتِ اللہ کا عنواں ہے یہ

زندگی بیمار کی کیا خاک ہے — دل فسردہ ہے تو سینہ چاک ہے
کوئی نعمت بھی اسے بھاتی نہیں — موت کا طالب ہے موت آتی نہیں
تندرستی ہے مگر عشرت بدوش — رکھتی ہے انسان کو راحت بدوش

اپنی صحت کو بنانا چاہیے
جوہرِ ہستی دکھانا چاہیے

سکاوٹ

اے علاجِ دردِ دل اے راحتِ جانِ وفا — رونقِ بزمِ اخوت شمعِ ایوانِ وفا
گو سکاوٹ کے لقب سے تو ہے مشہورِ جہاں — ہے مگر مخلوق کی نظروں میں منصورِ جہاں
اتحادِ باہمی کا دیوتا کہیے تجھے — بلکہ تخلیقِ وفا کا اقتضا کہیے تجھے
ایک دنیائے سکوں ہے تیرا پیغامِ عمل — رہ نمائے منزلِ مقصد ہے انجامِ عمل
تو نہالِ آشتی کے سائے میں خوشحال ہے — جوہرِ اخلاص و ہمدردی سے مالا مال ہے
نقش ہے لوحِ قلوبِ دہر پر سیرت تری — جاگزیں ہے ہر نگاہِ شوق میں عظمت تری
شاہ کی طاعت گزاری تیرا اندازِ عمل — بے نوا محتاج کی خدمت ترا رازِ عمل
ہر دلِ درد آشنا کی چارہ سازی تجھ سے ہے — ہر گرفتارِ بلا کی دل نوازی تجھ سے ہے
تو مصائب کی فراوانی میں گھبراتا نہیں — موت کے ڈر سے ترے ماتھے پہ بل آتا نہیں
کثرتِ آفات میں ثابت قدم پایا تجھے — دوسروں کے واسطے تصویرِ غم پایا تجھے
ہے محبت کا جہاں آباد فطرت میں تری — ہستیٔ جاوید مضمر ہے جبلت میں تری
کس قدر شہرہ تری شفقت کا ہے آفاق میں — بس رہی ہے درد کی بستی ترے اخلاق میں
ہے پھریرا فطرتِ خاکی کا یہ وردی تری — قابلِ عزت ہے دنیا میں جواں مردی تری
کھول دیں خوابیدہ آنکھیں وسل کے ناقوس سے — مٹ گیا نقشِ تن آسانی دلِ مایوس سے

چوبِ دستی سے بڑھا دی ہمّتِ افتادگاں
باندھ لی بندِ رسن میں کلفتِ افتادگاں

یہ اشارے یہ کنائے دفترِ تقریر ہیں
یہ کرشمے یہ تماشے عالمِ تصویر ہیں

ایک عالم کی نگاہوں میں کھپا جاتا ہے تو
مخلصوں کے دیدہ و دل میں جگہ پاتا ہے تو

خدمتِ قوم

قوم کی خدمت میں ہے مستور شانِ زندگی
ہے دلِ درد آشنا ہی رازدانِ زندگی

غم گساری مقتضا تخلیقِ انسانی کا ہے
دوسروں کے غم میں مرنا ہے نشانِ زندگی

آشنائے سوز ہو جب درد کا احساس ہو
کہیئے ایسی زندگی کو آسمانِ زندگی

مضطرب جب ہو کوئی ہو جا شریکِ اضطراب
باہمی امداد ہے رازِ نہانِ زندگی

ذرّہ ذرّہ میں نظر آئے گا اک نقشِ وفا
سینچ تو خونِ جگر سے گلستانِ زندگی

جب دلِ غم آشنا ہو رازدارِ سوز و ساز
اک سراپا درد کہیئے داستانِ زندگی

دیکھ کر اوروں کو افسردہ تڑپ جا آپ خود
ہو سراپا سوز تیری داستانِ زندگی

خاک ہو راہِ وفا میں اے دلِ راحت پرست
بےکسوں کی موت مر جانا ہے شانِ زندگی

اے دلِ نافہم پاسِ غم گساری چاہیئے
ہر قدم پر ہو رہا ہے امتحانِ زندگی

چار دن کی زندگی میں کچھ تو کر کارِ ثواب
بےخبر ہے مُڑنے والا کاروانِ زندگی

پھونک دے دنیا میں رُوحِ غم گساری پھونک دے
جانتا ہے تو اگر رازِ نہانِ زندگی

خدمتِ عالم کا حاصل جو سمجھتا ہو رتنؔ
میری نظروں میں وہی ہے رازدانِ زندگی

بزمِ صلیبِ احمر

اے اساسِ بزمِ امکاں برجِ ایوانِ جہاں
حاصلِ دنیائے رفعت سیداعِ شانِ جہاں

اے شعاعِ آفتابِ آسمانِ منزلت — وجہِ حسن افروزئ شمعِ شبستانِ جہاں
اے نمودِ رحمتِ حق مظہرِ تخلیقِ عشق — شاہدِ انوارِ باطن مرجعِ جانِ جہاں
اے بنائے بامِ ملت اوجِ چرخِ آشتی — ہادئ دینِ اخوت اصلِ ایمانِ جہاں
اے علمبردارِ ہستی رازدارِ سرِّ حق — حامئ مفلس نصیرِ زیردستانِ جہاں
اے فروغِ محفلِ ہستی ضیائے چشمِ دہر — گرمئ بازارِ عالم نورِ ایمانِ جہاں
اے نشاط و انبساطِ خاطرِ درد آشنا — کاشفِ رعنائ گلہائے بستانِ جہاں

کس مبارک وقت میں تیری بنا رکھی گئی
ابتدا میں ایک شانِ انتہا رکھی گئی

درحقیقت موجبِ تخلیقِ انسانی ہے تو — کارگاہِ دہر میں اک رازِ پنہانی ہے تو
عرش پر لہرا رہا ہے پرچمِ شوکت ترا — مسندِ اقبال کا دیہیمِ سلطانی ہے تو
ہر طرف ہیں تیری رعنائی کے ہنگامے بپا — تابشِ حسنِ ازل کی شعلہ سامانی ہے تو
تیری وحشت آفرینی روکشِ صد ہوش ہے — دشتِ گیتی میں علاجِ چاک دامانی ہے تو
تیری شانِ بے نیازی اک جہانِ ناز ہے — جلوہ گاہِ حسن میں تنویرِ روحانی ہے تو
تیرے انوارِ محاسن سے منور ہے جہاں — طلعتِ خورشیدِ عظمت کی درخشانی ہے تو
کس قدر اعجاز پرور ہے تری طرزِ عمل — محفلِ لاہوت ہے گو بزمِ انسانی ہے تو

تو کہ ہے روزِ ازل سے ناخدائے کائنات
تیرے نصب العین پر رکھ دی بنائے کائنات

کس قدر دنیا میں عالم گیر ہے طاقت تری — کر رہے ہیں تاجدارانِ جہاں خدمت تری
سینکڑوں دامن دُرِ مقصد سے تو نے بھر دیے — کیوں نہ ہو درمانِ دردِ اہلِ دل الفت تری
کس میں ہے سرتابئ فرمانِ عالی کی مجال — کر چکا تسلیم خود نیپولین شوکت تری
دم زدن میں بے نوا کو صاحبِ زر کر دیا — اللہ اللہ یہ ترا اعجاز یہ قدرت تری

اجتماعِ خلق کا ہے تیری ہستی پر مدار
ڈنٹ کے دل سے کوئی پوچھے تو اہلیت تری
تو نے نازک وقت میں کی بے نواؤں کی مدد
کس قدر دیکھی محبت آشنا سیرت تری
کوئی دیکھے تیرے جذباتِ وفا کی انتہا
دوسروں کے درد کی درماں ہوئی رحمت تری
خوب سمجھا تو نے اپنی غایتِ تخلیق کو
بے زر و زردار کی اس باہمی تطبیق کو

سالازار سے خطاب ۱۹۵۵ء

آج سالازار کے منہ پر مجھے چڑھنا پڑا
گولیوں کی سمت سینہ تان کر بڑھنا پڑا
پرتگیزوں کا یہ مستاجر ہلاکو بن گیا
تاجری کرنے کو آیا اور ڈاکو بن گیا
غاصبانہ ہاتھ ڈالا ہے ہمارے مال پر
اک زمانہ ہنس رہا ہے اس کی ٹیڑھی چال پر
اس کے ہاتھوں سینکڑوں ہندی جواں مارے گئے
بے خطا۔ بے جرم۔ بے کس بے زباں مارے گئے
مارے دردوں کی کھا کر تشنہ لب تڑپا کئے
ایک دو کیسے یہاں تو سب کے سب تڑپا کئے
ہو گئی ہے خون سے رنگیں گوا کی سرزمیں
یہ گوا کی ہے زمیں یا کربلا کی سرزمیں
او ستمگر دیکھ لی ہم نے جواں مردی تری
ہے نہتوں پر تفنگ اندازی بے دردی تری
دورِ چنگیزی کو تو نے مات کر رکھا ہے آج
روزِ روشن کو اندھیری رات کر رکھا ہے آج
دیکھ کر تیرا ستم صبر و سکوں میں دم نہیں
یہ تری انسانیت حیوانیت سے کم نہیں
تو نے اس آغاز کا انجام بھی سوچا کبھی
یہ ستم یہ ظلم آخر رنگ لائے گا کبھی
پی رہا ہے آج تو سب کی امیدوں کا لہو
گل کھلائے گا مگر کل تک شہیدوں کا لہو
شانِ فرعونی تری سب خاک میں مل جائے گی
وقت آئے گا کہ تیری قوم بھی پچھتائے گی
بے گناہوں پر اگرچہ ابرِ ستم کا ہے کہیں
تو سمجھ لو ابرِ محشر خیز چھایا ہے کہیں

سست بنیادوں پہ عالی شان تعمیریں کہاں
خواب وحشت آفریں کی نیک تعبیریں کہاں

ایک ناکردہ گنہ پر تولتا تلوار کا
پیش خیمہ جان ہے اس کو خدا کی مار کا

کھل چکا ہے خلق پر سارا بھرم نمرود کا
ایک مچھر نے کیا تھا فیصلہ مردود کا

آج گو خوش ہوں ترے اہلِ وطن اس کام سے
کل پکاریں گے تجھے ننگِ وطن کے نام سے

اس کے بندے نہیں ڈرتے جفا کے تیر سے
سرفروشی دب نہیں سکتی کسی تدبیر سے

صبر و استقلال میں لغزش نہ آئے گی یہاں
قصرِ صلح و امن میں جنبش نہ آئے گی یہاں

ہو چکی جور و ستم کی حکم رانی ہو چکی
پر چنگیزی عہد کی چنگیز خانی ہو چکی

امن کے رستے سے بھارت ورش منزل پائیگا
اور سالا زار اپنی آگ میں جل جائے گا

پنجاب کے نیتا

شرمندۂ تقصیر ہیں پنجاب کے نیتا
بے گانۂ تدبیر ہیں پنجاب کے نیتا

تفریق کی تصویر ہیں پنجاب کے نیتا
پھوٹی ہوئی تقدیر ہیں پنجاب کے نیتا

مالک ہی کا سر کاٹے وہ شمشیر یہی ہیں
بیدھے جو کماں دار کو وہ تیر یہی ہیں

اپنوں سے انھیں بیر تو اغیار سے اُلفت
مظلوم سے پرہیز ستم گار سے اُلفت

پھولوں سے تو نفرت ہے مگر خار سے اُلفت
تسکین سے بیزار ہیں تکرار سے اُلفت

کچھ قوم کے آلام کا احساس نہیں ہے
دل رکھتے ہوئے قوتِ دل پاس نہیں ہے

وعدے کو بھلانے میں انھیں عار نہیں ہے
گفتار تو پرجوش ہے کردار نہیں ہے

کچھ جذبۂ ہمدردی و ایثار نہیں ہے
لفظوں میں تو ہے دل میں مگر پیار نہیں ہے

ہر گھات میں ہر پیچ میں شہرت کی تمنّا
ہر داؤ میں ہر چال میں دولت کی تمنّا

لوہے کی کبھی آڑ تو چینی کا بہانہ — گلتے ہیں کبھی تیل کے ڈیپو کا ترانہ
یکتا ہیں عداوت میں حسد میں ہیں یگانہ — آپس میں پڑے لڑتے ہیں ہنستا ہے زمانہ

سمجھے ہیں سیاست کو یہ جادو کا پٹارا
پل بھر میں کیا زندہ تو اِک آن میں مارا

تکرار زباں کی کبھی تعلیم کا جھگڑا — پنجاب کی تقسیم میں تقسیم کا جھگڑا
آبادی تو میں کبھی تنظیم کا جھگڑا — مرکز کے قوانین میں ترمیم کا جھگڑا

یہ پھوٹ سراسر ہے تباہی کی نشانی
یہ پھوٹ تو ہے قہرِ الٰہی کی نشانی

پنجاب کی اس شومیٔ تقدیر پہ افسوس — نیتاؤں کی ناکامیٔ تدبیر پہ افسوس
اس چرخِ ریاکار کی تزویر پہ افسوس — پھر اس پہ مرے نالۂ شب گیر پہ افسوس

اے خالقِ اکبر تو ذرا سن تو رتنؔ کی
ہو رشکِ جناں پھر سے فضا اپنے چمن کی

شانِ مُفلسی

قسمت سے جس غریب پہ آتی ہے مُفلسی — دُشواریوں کا نقش جماتی ہے مُفلسی
ٹھکرا کے دفعتہً ہی امارت کے مست کو — خوابِ گراں سے آ کے جگاتی ہے مُفلسی
ہر آشیاں سے دُور ہے کچھ اس کا آشیاں — برقِ بلا کو دوست بناتی ہے مُفلسی
اس کی جبینِ عجز حقیقت شناس ہے — ہر جا سرِ نیاز جھکاتی ہے مُفلسی

مٹ کے کبھی سربلندیوں کا شوق دل میں ہے — فاقوں میں رنگ رلیاں مناتی ہے مفلسی
بچ جائے کس طرح کوئی دامِ فریب سے — انساں کو سبز باغ دکھاتی ہے مفلسی
اس کی جفاکشی رہی احساں سے بے نیاز — قدر و قضا کو آنکھ دکھاتی ہے مفلسی
ہر گام پر ہے عرصۂ محشر کی گیر و دار — درسِ حیات آ کے سکھاتی ہے مفلسی
عسرت نے اس کو قابلِ نفرت بنا دیا — اپنوں کو آ کے غیر بناتی ہے مفلسی
آٹھوں پہر نشاط کو رونے سے کام ہے — دل میں نیا جہان بساتی ہے مفلسی
دولت کلیدِ گنجِ گناہِ عظیم ہے — طوفانِ معصیت سے بچاتی ہے مفلسی
انسانیت کا نام ہے اس کے وجود سے — مہر و وفا کا راز بتاتی ہے مفلسی
آغاز ہولناک ہے انجام دل پذیر — افسانۂ حیات سناتی ہے مفلسی
احساس کی حدود سے آگے بڑھیں اگر — راحت کا اک جہان بساتی ہے مفلسی
ایثار و فرطِ رحم ہے اس کی سرشت میں — نادار کو گلے سے لگاتی ہے مفلسی
پست و فرازِ دہر کی آئینہ دار ہے — کیا کیا خدا کی شان دکھاتی ہے مفلسی
دل بندگی سرشت۔ نگاہوں میں انکسار — انساں کو خدا سے ملاتی ہے مفلسی

نازاں نہ بے زری پہ ہوں میں کس لئے رتن
قلاش کو امیر بتاتی ہے مفلسی

ترنگا

زمانے سے اونچا جہاں سے نرالا — بڑی شان والا بڑی آن والا
جدھر دیکھئے ہے اسی کا اجالا — یہ انصاف کے آسماں کا ستارا
ترنگا ہمارا۔ ترنگا ہمارا

محبّت کا رستا دکھایا ہے اس نے　　سبق شانتی کا پڑھایا ہے اِس نے

دلوں کو دلوں سے ملایا ہے اِس نے　　یہ شوبھا وطن کی وطن کا دلارا

ترنگا ہمارا۔ ترنگا ہمارا

یہی دیش بھگتوں کی سچی کہانی　　یہی اتفاقِ وطن کی نشانی

یہی بھارتی قوم کی زندگانی　　چھپا اِس میں بھارت کا اتہاس سارا

ترنگا ہمارا۔ ترنگا ہمارا

ہری کھیتیوں کی طراوت ہے اِس میں　　وطن کے شہیدوں کی شوکت ہے اس میں

سچائی محبّت۔ اخوّت ہے اِس میں　　اشوکا کے چکّر کا ہے یہ اشارا

ترنگا ہمارا۔ ترنگا ہمارا

ہم اس پر جوانی نچھاور کریں گے　　زمانے میں اس کو اجاگر کریں گے

نشاں اس کا برتر سے برتر کریں گے　　یہ آزاد بھارت کی آنکھوں کا تارا

ترنگا ہمارا۔ ترنگا ہمارا

ریڈ کراس سوسائٹی

اے سراپا درد و ایثار و وفا اے ریڈ کراس　　تیرے احساں سے زبانِ دل ہے دنیائے سپاس

درحقیقت تو ہے رازِ صلحِ کل سے رُوشناس　　جانتی ہے تیرے لطفِ عام کو ہر چشمِ یاس

آ بتاؤں کس قدر دل کش ہے ہر نغمہ ترا

وجہِ تسکینِ دلِ بے تاب ہے جلوہ ترا

آج سے نوّے برس[۵] پہلے چھڑی جنگِ عظیم　　آسٹرین اور تھے اس میں فرانسیسی غنیم

آ گیا میدانِ کشت و خوں میں اک مردِ فہیم　　آشنائے درد تھا جو رکھتا تھا طبعِ سلیم

وہ سوئٹزرلینڈ کا باشندہ ہنری ڈُنٹ تھا

پڑ رہی تھی جس کے دل پر شمعِ الفت کی ضیا

۵ یہ نظم جنوری ۱۹۲۵ء میں رہنمائے تعلیم لاہور کے ریڈ کراس نمبر میں چھپی۔

اس زمانے میں نظامِ جنگ کچھ اچھا نہ تھا
اور اصولِ حاضرہ کا بھی کہیں چرچا نہ تھا

توجیوں کو وقت پر کھانے کو بھی ملتا نہ تھا
زخمیوں کی غم گساری کا رواج اصلا نہ تھا

دیکھ کر بد نظمیاں دل ڈنٹ کا تھرّا اُٹھا
انتہائے کاوشِ جاں سوز سے گھبرا اُٹھا

دل میں یہ سوچا اگر کچھ باہمی امداد ہو
کیوں اُٹھائیں سختیاں کیوں اس قدر بیداد ہو

دل اگر بغض و حسد کے جوش سے آزاد ہو
کیوں گرفتارِ بلا ہو کیوں کوئی ناشاد ہو

لے کے یہ جذبات جب واپس ہوا سوئے وطن
اہلِ دانش کے تدبّر سے بنائی انجمن

نیرِ اقبال عالم کی فضا پر چھا گیا
ہر بشر نے گردنِ تسلیم کو خم کر دیا

اتفاقِ باہمی کو کہیئے امدادِ خدا
بن گیا نپولین بھی ہم خیال و ہم نوا

رکھ دیا پھر سب نے مل کر نام تیرا ریڈ کراس
ڈنٹ ہی نے تجھ کو دنیا سے کیا ہے روشناس

اک زمانہ آج ہے گرویدۂ منّت ترا
عرش پر لہرا رہا ہے پرچمِ شوکت ترا

دیکھیئے اب جس کو بھرتا ہے دمِ الفت ترا
کیوں نہ ہو سب کی نظر میں نیّرِ عزّت ترا

تو حقیقت میں ہے تفسیرِ کتابِ زندگی
کھل گیا تیرے کرم سے سب پہ بابِ زندگی

ہر طرف تھی فتنہ سامانی کوئی پرساں نہ تھا
دل میں درد اٹھتا تھا لیکن قابلِ درماں نہ تھا

بے سروسامانیاں تھیں کوئی دل شاداں نہ تھا
مونس و غم خوارِ انساں کوئی جز حرماں نہ تھا

ہر فضا پر ایک تاریکی سی تھی چھائی ہوئی
ہر نظر تھی کاوشِ پیہم سے گھبرائی ہوئی

بڑھ کے نخلِ آرزو کی آبیاری تُو نے کی — جو ہوا افسردہ خاطر غمگساری تُو نے کی
جو مصیبت سر پہ آئی جاں نثاری تُو نے کی — بے نواؤں بے کسوں کی پاسداری تُو نے کی

اتحادِ باہمی کی تُو علم بردار ہے
ناخدا جب تُو ہے طوفاں میں تو بیڑا پار ہے

ہر دلِ غم آشنا کی غم ربائی تُو نے کی — ہر گرفتارِ بلا کی ہم نوائی تُو نے کی
راہ سے بھٹکے ہوئے کی رہنمائی تُو نے کی — جب کوئی مشکل پڑی مشکل کشائی تُو نے کی

انتہائے لطف سے غیروں کو اپنا کر لیا
ہر نظر میں بن گئی تو آج اِک نقشِ وفا

ہند میں بھی جب سے تیری جلوہ ارزانی ہوئی — راحت و آرام کی گھر گھر فراوانی ہوئی
تیری ہر چشمِ کرم اِک ربطِ پنہانی ہوئی — مٹ گیا احساسِ غم رخصت پریشانی ہوئی

ذرّہ ذرّہ غیرتِ خورشیدِ تاباں بن گیا
گوشہ گوشہ ہند کا رشکِ گلستاں بن گیا

مرحبا اے قسمتِ ہندوستاں صد مرحبا — تیرا ہر منظر ہوا رشکِ جناں صد مرحبا
معنیٔ اُلفت ہوئے تجھ پر عیاں صد مرحبا — اب اُخوّت کا ہے تو بھی رازداں صد مرحبا

رہتی دُنیا تک رتن یہ انجمن قائم رہے
سب کے سر پر اس کا ظلِّ عاطفت دائم رہے

پنج سالہ پلان

تعجب سے کہتا ہے سارا جہان — کہ پھر جاگ اُٹھا ہے ہندوستان
بڑی اس کی طاقت بڑی اس کی شان — یہ سنتے ہی بول اُٹھی سب کی زبان

مبارک ہمیں پنج سالہ پلان

یہی ہے وطن کی فضیلت کا راز اسی میں چھپا ہے سیاست کا راز
یہی ہے وطن کے دلاروں کی جان تدبر۔ تہور۔ جسارت کا راز
مبارک ہمیں پنج سالہ پلان

کہیں ریڈیو کے ہیں راز و نیاز کہیں ریل موٹر ہوائی جہاز
ترقی کے ظاہر ہیں ہر سو نشان کہیں کارخانے ہوئے کارساز
مبارک ہمیں پنج سالہ پلان

تحیّر اثر بھاکڑہ کا کمال بہشتِ نظر ہے سرنگ یا نہال
یہ سب ہے اسی مہرباں کی اٹھان وطن کو ملی شہرتِ لازوال
مبارک ہمیں پنج سالہ پلان

کہیں پھر بساؤ جہم کی نوید کہیں کلیہ رانی کی طرزِ جدید
ہمارے تو بوڑھے بھی اب ہیں جوان دہاتی ترقی کی شانِ مجید
مبارک ہمیں پنج سالہ پلان

کہ بھولی ہے دریاؤں کو اپنی چال پہاڑوں پہ یوں اس نے ڈالا ہے جال
نہ تھا خواب میں جس کا ہم کو گمان بڑھا اس قدر آج ماضی سے حال

مبارک ہمیں پنج سالہ پلان

ملے پھر نہ دنیا میں اپنا جواب اٹھو اس کو مل کر کرو کامیاب
پکار اٹھے بھارت کا ہر نوجوان وہ پیدا ہو جذبات میں انقلاب
مبارک ہمیں پنج سالہ پلان

بھاکڑہ ڈیم

دیکھئے تو اوجِ شانِ بھاکڑہ — آسماں ہے آستانِ بھاکڑہ
سب ہیں سرمستِ بیانِ بھاکڑہ — کہہ رہے ہیں مدح خوانِ بھاکڑہ
بھاکڑہ کیا ہے وطن کی جان ہے

کس قدر دل کش ہے اِس کی داستاں — شوق سے سنتا ہے ہر پیر و جواں
اس کا فیضِ عام ہے سب پر عیاں — ہر بیاباں بن گیا ہے گلستاں
بھاکڑہ کیا ہے وطن کی جان ہے

دیکھئے گوبند ساگر دیکھئے — حیرت و ہیبت کا مصدر دیکھئے
عقلِ انسانی کا جوہر دیکھئے — حسنِ صنعت کے مناظر دیکھئے
بھاکڑہ کیا ہے وطن کی جان ہے

جال پھیلا ہر طرف انہار کا — دشت میں نقشہ کھنچا گلزار کا
قحط ہے اب قحط کے آزار کا — ہو گیا درماں دلِ بیمار کا
بھاکڑہ کیا ہے وطن کی جان ہے

خشک سالی بے طرح بدنام ہے — اور شادابی کا فیضِ عام ہے
ہر کساں خوش بخت ہے خوش کام ہے — یہ اِسی آغاز کا انجام ہے
بھاکڑہ کیا ہے وطن کی جان ہے

اس کی ہے تعمیر تعمیرِ وطن — اِس کے قبضے میں ہے تقدیرِ وطن
اِس کی صورت میں ہے تصویرِ وطن — درحقیقت یہ ہے توقیرِ وطن
بھاکڑہ کیا ہے وطن کی جان ہے

بھگوان بدلتا جاتا ہے

ماحول بدلتا جاتا ہے انسان بدلتا جاتا ہے افسانہ بدلتا جاتا ہے عنوان بدلتا جاتا ہے
بدلی ہے طرزِ سلطانی سلطان بدلتا جاتا ہے دربار کا عالم کیا کہیئے دربان بدلتا جاتا ہے

دستور بدلتا جاتا ہے ایمان بدلتا جاتا ہے
دن رات بدلتے جاتے ہیں بھگوان بدلتا جاتا ہے

ایمان کا سودا جاری ہے ایمان کے ٹھیکے داروں میں اخلاق کا ماتم ہوتا ہے سب کوچوں میں بازاروں میں
عصمت کی قیمت کچھ بھی نہیں زرداروں کے درباروں میں وہ پاس وفا وہ جوشِ وفا باقی نہ رہا اب یاروں میں

دستور بدلتا جاتا ہے ایمان بدلتا جاتا ہے
دن رات بدلتے جاتے ہیں بھگوان بدلتا جاتا ہے

مغرب کے جو دل دادہ ہیں مشرق سے نفرت کرتے ہیں جس جینے نے ان کو مارا اس جینے پر یہ مرتے ہیں
خود بدبخت کے مجرم ہو کر الزام اوروں پر دھرتے ہیں حیرت ہے پھر کس برتے پر آزادی کا دم بھرتے ہیں

دستور بدلتا جاتا ہے ایمان بدلتا جاتا ہے
دن رات بدلتے جاتے ہیں بھگوان بدلتا جاتا ہے

سچوں نے مات کھائی ہیں جھوٹوں کا پلّہ بھاری ہے مظلوم کا حامی ایک نہیں ظالم کی دنیا ساری ہے
نیکی پر لعنت ہے سب کی بدیوں پر برخورداری ہے اخلاق نے پائی محکومی عیاری کی سرداری ہے

دستور بدلتا جاتا ہے ایمان بدلتا جاتا ہے
دن رات بدلتے جاتے ہیں بھگوان بدلتا جاتا ہے

سائنس کا جادو چلتا ہے مذہب کا قصّہ پاک ہوا آکاش سے ایٹم برسے ہیں دھرتی کا سینہ چاک ہوا
تہذیبِ نو کے شعلوں سے ایمان بھی جل کر خاک ہوا اب دل میں نہیں ہے خوفِ خدا، ہر ایک بشر بے باک ہوا

دستور بدلتا جاتا ہے ایمان بدلتا جاتا ہے
دن رات بدلتے جاتے ہیں بھگوان بدلتا جاتا ہے

ارمانِ ترقیّ دل میں ہے سر میں ہے سودا عظمت کا
ہر اک لیڈر بن بیٹھا ہے انعام سمجھ کر فطرت کا
محتاج اب اہلِ دانش ہیں دیکھو یہ تماشا قسمت کا
یہ حال رہا تو کہیے رتن پھر پرساں کون ہے بھارت کا

دستور بدلتا جاتا ہے ایمان بدلتا جاتا ہے
دن رات بدلتے جاتے ہیں بھگوان بدلتا جاتا ہے

حُسن والے

اجل بھی جن کے ڈر سے مرتی جائے
قیامت ہر قدم پر لڑکھڑائے
پریشاں ہو کے بجلی تلملائے
بھڑکتی آگ بھی آنسو بہائے

خُدا اِن حسن والوں سے بچائے

یہ اُٹھتے ہیں قیامت خیز ہو کر
یہ چھا جاتے ہیں عنبر بیز ہو کر
رُلاتے ہیں تبسّم ریز ہو کر
مٹاتے ہیں ستم انگیز ہو کر

خدا اِن حسن والوں سے بچائے

زمانے میں بنی ہے بات اِن کی
جہاں میں دِن ہے اِن کا رات اِن کی
پسِ پردہ چلی یوں گھات اِن کی
کبھی دیکھی نہ بازی مات اِن کی

خدا اِن حسن والوں سے بچائے

ہیں جرأت آزما اِن کی ادائیں
لگائیں آنکھ تو آنکھیں دکھائیں
یہ کرتے ہیں جفاؤں پر جفائیں
زمانہ پھر بھی لیتا ہے بلائیں

خدا ان حسن والوں سے بچائے

بڑے ظالم بڑے ناٹھہریاں ہیں ہزاروں ان کے دم سے نیم جاں ہیں
غم و رنج والم خود سرگراں ہیں خوشی کے قہقہے بھی نوحہ خواں ہیں
خدا ان حسن والوں سے بچائے

دماغ اونچا ہے ان کا آسماں سے لڑاتے ہیں نظر برقِ تپاں سے
چلن ان کا نرالا ہے جہاں سے نکلتے ہیں شرر ان کی زباں سے
خدا ان حسن والوں سے بچائے

مروّت ان کے گھر میں نوحہ خواں ہے وفا کیشی الگ ماتم کناں ہے
یہاں انسانیت بے خانماں ہے محبت کا نشاں بھی بے نشاں ہے
خدا ان حسن والوں سے بچائے

رتن گوروں کو کالے ناگ کہیے لگاؤ ان کا سراسر لاگ کہیے
نگاہوں کو دہکتی آگ کہیے اداؤں کو فقط کھٹراگ کہیے
خدا ان حسن والوں سے بچائے

کنٹرول

کوئی کہتا ہے تجارت کا ہے زیور کنٹرول کوئی کہتا ہے کہ خوش حالی کا مصدر کنٹرول
کوئی کہتا ہے سکوں کا ہے پیمبر کنٹرول میں یہ کہتا ہوں کہ لعنت ہے وطن پر کنٹرول
چور بازاری سکھاتا ہے سراسر کنٹرول

اس کے ہاتھوں گرم ہے بازارِ رشوت دیکھئے کس طرح بکتی ہے محتاجوں کی عزت دیکھئے
ناتوانوں پر ہے نازل جو مصیبت دیکھئے اور پھر میرے مقفیے کی صداقت دیکھئے
چور بازاری سکھاتا ہے سراسر کنٹرول

رات کو دِن اور دن کو رات کر دیتا ہے یہ
اچھے اچھے شاطروں کو مات کر دیتا ہے یہ
جو کسی سے بھی نہ ہو وہ بات کر دیتا ہے یہ
آدمی کو موردِ آفات کر دیتا ہے یہ

چور بازاری سکھاتا ہے سراسر کنٹرول

اس کی یہ سو سو طرح کی پردہ پوشی دیکھئے
دیکھئے گندم نمائی جو فروشی دیکھئے
ہر طرف مکر و ریا کی گرم جوشی دیکھئے
ناتوانوں بے کسوں پر ظلم کوشی دیکھئے

چور بازاری سکھاتا ہے سراسر کنٹرول

بے زروں کے واسطے یہ باعثِ آزار ہے
بے کسوں کی کس مپرسی کا یہ ذمّہ دار ہے
اس کے دم سے کنٹرولر شاہِ خود مختار ہے
اور ڈپو ہولڈر تو اس کا پنشن خوار ہے

چور بازاری سکھاتا ہے سراسر کنٹرول

آہ ڈپو ایک آفت ہے غریبوں کے لئے
یہ تو اِک فصلِ خزاں ہے عندلیبوں کے لئے
بد نصیبی ہے یہاں بھی بد نصیبوں کے لئے
اور خوش بختی ہے چوروں کے جیبوں کے لئے

چور بازاری سکھاتا ہے سراسر کنٹرول

صدائے غیب

گر گیا ہے کس قدر اخلاق اب انسان کا
بک رہا ہے کوڑیوں کے مول مال ایمان کا
مٹ گیا ہے یک قلم ہر دل سے ڈر بھگوان کا
ہر جگہ ہر دل میں سکّہ جم گیا شیطان کا

جو کبھی دربان تھے خاقان بن بیٹھے ہیں وہ
بھیک پر پلتے تھے جو سلطان بن بیٹھے ہیں وہ

بے نواؤں بے کسوں کو تابِ گویائی نہیں ناتوانوں کی کسی در پہ پذیرائی نہیں
آج تک جمہوریت نے زندگی پائی نہیں اور آزادی حقیقی روپ میں آئی نہیں

اِس قدر انسانیت میں زلزلہ آنے لگا
ہر شریف انسان کو احمق کہا جانے لگا

مٹ گیا قانون اعزازِ خلافت مٹ گیا مٹ گیا خوفِ خدا رعبِ سیاست مٹ گیا
جھوٹ کی بارش سے ایوانِ صداقت مٹ گیا مٹ گیا انصاف و احساسِ مروت مٹ گیا

ہر کوئی حاکم بنا ہے ہر کوئی سرکار ہے
ایک ڈاکو کی حویلی مغلیہ دربار ہے

رہ زن و قزاق و غاصب رہبری کرنے لگے جو کرپشن میں تھے ماہر لیڈری کرنے لگے
جیب کترے بھیک منگے قیصری کرنے لگے کیا ستم ہے آسماں سے ہمسری کرنے لگے

زیر دستوں کا زمانے میں گزارا ہو چکا
ہو چکا ان بے سہاروں کا سہارا ہو چکا

ہائے یہ عالم ریا کاری شرافت بن گئی حیلہ سازی چور بازاری سیاست بن گئی
رہ زنی عصمت دری ٹھگی کرامت بن گئی انتہا یہ ہے کہ طاعت بھی تجارت بن گئی

حاکموں میں فرض کا احساس تک باقی نہیں
تشنہ لب ہیں سینکڑوں لیکن کوئی ساقی نہیں

تاجدارانِ زمانہ کو ہے طاقت پر گھمنڈ اپنے محشر خیز ہتھیاروں کی عظمت پر گھمنڈ
دنیوی جاہ و جلال و شان و شوکت پر گھمنڈ چند روزہ کبر و نخوت کی حکومت پر گھمنڈ

دیکھتا ہوں ہر طرف فرعونیت چھائی ہوئی
ناتوانوں کے لبوں پر جان ہے آئی ہوئی

ناتواں تو سختِ جانی سے ستم سہہ جائیں گے ۔۔۔ بات دل کی اپنے خالق سے مگر کہہ جائیں گے
یہ ستم گر قہر کے طوفان میں بہہ جائیں گے ۔۔۔ ہائیڈروجن اور ایٹم سب دھرے رہ جائیں گے

طاقتیں دنیا کی سب زیر و زبر ہو جائیں گی
قہر پر سے گا دعائیں بے اثر ہو جائیں گی

میں لیڈر ہوں

وطن کا رہ تما ہوں میں کرپشن کام ہے میرا ۔۔۔ دغا بازی میں لاثانی ہوں لیڈر نام ہے میرا
بظاہر تو محبّت آفریں پیغام ہے میرا ۔۔۔ مگر باطن محبت کش حسد انجام ہے میرا

لڑا کر آدمی کو آدمی سے شاد ہوتا ہوں
سلیقے سے وطن میں دشمنی کا بیج بوتا ہوں

مرے ہی سے بدل ڈالی ہے تنظیمِ وطن میں نے ۔۔۔ نرالی چال چل کر کی ہے تقسیمِ وطن میں نے
وطن کی پھوٹ میں سمجھی ہے تکریمِ وطن میں نے ۔۔۔ بنا دی جنگ کا میدان تعلیمِ وطن میں نے

تہی دستوں کو مرتا دیکھ کر خوش ہو کے جیتا ہوں
اگرچہ آدمی ہوں ۔ آدمی کا خون پیتا ہوں

مجھے خواہش ہے کرسی کی یہی ہے مدّعا میرا ۔۔۔ پجاری ہوں غرض کا اور مطلب ہے خدا میرا
حسد ہے ہم نشیں میرا تعصب رہ نما میرا ۔۔۔ بغاوت ہے مشیرِ کار غوغا آشنا میرا

محبت ہے مری خلقِ خدا سے ووٹ ملنے تک
مرے دامانِ حرص و آرزو کا چاک سلنے تک

سربازار میں خود چور بازاری سکھاتا ہوں
وفاداری کے پردے میں جفاکاری سکھاتا ہوں
ستم گاروں کو شہ دے کر ستم گاری سکھاتا ہوں
زبردستی شریفوں کو بھی عیّاری سکھاتا ہوں

سمگلر۔ راہ زن۔ قزّاق یارِ غار ہیں میرے
فریب و کذب و تزویر و ریا ہتھیار ہیں میرے

سیاست نے مجھے ماہر کیا مطلب پرستی میں
مقابل کون آسکتا ہے اب میدان ہستی میں
وطن کے حال سے ہوں بے خبر میں مال مستی میں
پڑے وہ بھاڑ میں یا ڈوب جائے چاہ پستی میں

مرے وعدے فقط الفاظ تک محدود رہتے ہیں
مجھے اپنے مقاصد ہر گھڑی مقصود رہتے ہیں

سخن سازی میں دنیا مانتی ہے برتری میری
خیانت میں نہیں حاصل کسی کو ہمسری میری
کرے گی خدمتِ قوم و وطن کیا لیڈری میری
یونہی بھٹکائے گی راہِ طلب میں رہبری میری

وطن والو بھروسہ چھوڑ کر میرا سنبھل جاؤ
زمانے کو بدلتا دیکھ کر تم بھی بدل جاؤ

تعمیرِ وطن

یہاں آکر حیاتِ جاوداں کا راز کھلتا ہے
عروسِ قوم کا رخ تیغ کے پانی سے دھلتا ہے
گلِ شاخِ تمنّا خار کے کانٹے میں تلتا ہے
وطن کا ہر مجاہد موت کے جھولے میں جھلتا ہے

نہیں ہوتی ہے تعمیرِ وطن آساں نہیں ہوتی

یہ پھل ہے طالبانِ حریّت کی زہر نوشی کا
تقاضا ہے حمیّت کوشی دل کی صبر کوشی کا
نتیجہ ہے شہیدوں کے لہو کی گرم جوشی کا
ثمر ہے سرفروشانِ وطن کی سرفروشی کا
نہیں ہوتی ہے تعمیرِ وطن آساں نہیں ہوتی

مصائب سامنے آتے ہیں بحرِ بے کراں بن کر
کبھی آہ و فغاں بن کر کبھی محشرستاں بن کر
کبھی اٹھتے ہیں راہِ جستجو میں آندھیاں بن کر
کبھی گرتے ہیں کشتِ امن پر برقِ تپاں بن کر

نہیں ہوتی ہے تعمیرِ وطن آساں نہیں ہوتی

محبّانِ وطن پربت کا ماتھا پھوڑ دیتے ہیں
تلاطم خیز دریاؤں کا بھی مُنہ موڑ دیتے ہیں
کبھی گھربار کے سارے تعلق توڑ دیتے ہیں
وطن کے واسطے آرام و راحت چھوڑ دیتے ہیں

نہیں ہوتی ہے تعمیرِ وطن آساں نہیں ہوتی

یہاں ہستی فنا کی گود میں پلتی ہوئی دیکھی
ہزاروں بار آکر موت بھی ٹلتی ہوئی دیکھی
سرِ تسلیم پر تیغِ ستم چلتی ہوئی دیکھی
وطن کے خون سے شمعِ وطن جلتی ہوئی دیکھی

نہیں ہوتی ہے تعمیرِ وطن آساں نہیں ہوتی

یہاں انساں تو کیا انسانیت حیران ہوتی ہے
فلک رفعت عزائم کی یہاں پہچان ہوتی ہے
جواں مردی مفادِ قوم پر قربان ہوتی ہے
غلامی جنگ کی خاطر کھلا میدان ہوتی ہے

نہیں ہوتی ہے تعمیرِ وطن آساں نہیں ہوتی

ستم دیکھا یہاں تخریب کا تعمیر سے پہلے
ہُوا آمد لیل ہی کا سامنا توقیر سے پہلے
بہت رکتا رہا دم آہ کی تاثیر سے پہلے
رتن دیکھیں بہت تاریکیاں تنویر سے پہلے

نہیں ہوتی ہے تعمیرِ وطن آساں نہیں ہوتی

اگر آزاد رہنا ہے

بہت سوئے اٹھو اے نغمہ سنجانِ چمن جاگو
نہیں یہ وقت سونے کا اب اے اہلِ وطن جاگو
پیامِ فصلِ گل آیا ہے سرو و نسترن جاگو
سجاؤ ہر چمن میں اپنی قومی انجمن جاگو

محبِّ قوم بن جاؤ اگر آزاد رہنا ہے

ہماری بھوٹ دامن گیرِ آزادی نہ بن جائے
نشاطِ زندگی کا شوق فریادی نہ بن جائے
ہماری خود فریبی قہرِ شدّادی نہ بن جائے
ہوس کی خام کاری ایک بربادی نہ بن جائے

محبِ قوم بن جاؤ اگر آزاد رہنا ہے

ہماری کج روی کوتاہ اندیشی قیامت ہے
تعصب فرقہ آرائی حسد کیشی قیامت ہے
مشقت میں کمی آرام میں بیشی قیامت ہے
یگانے سے تنفّر غیر سے خویشی قیامت ہے

محبِ قوم بن جاؤ اگر آزاد رہنا ہے

غضب ہے ہم تفاوت کیشیوں کو رہنما سمجھے
غضب ہے ہم فقط تفریق کو درسِ وفا سمجھے
غضب ہے خود فراموشی کو ہم اپنا خدا سمجھے
غضب ہے دردِ سر کو دردِ سر کی ہم دوا سمجھے

محبِ قوم بن جاؤ اگر آزاد رہنا ہے

حذر اس سے جو دار الامن کو دار المحن سمجھے
حذر اس سے جو خضرِ راہ کو بھی راہزن سمجھے
حذر اس سے خزف ریزے کو جو دُرِ عدن سمجھے
حذر اس سے جو خارستان کو صحنِ چمن سمجھے

محبِ قوم بن جاؤ اگر آزاد رہنا ہے

اٹھو بیدار ہو جاؤ کہ بیداری کا وقت آیا
بڑی بدمستیوں کے بعد ہشیاری کا وقت آیا
سنبھل جاؤ حکومت کی گراں باری کا وقت آیا
گیا دورِ غلامی اب جہانداری کا وقت آیا

محبِ قوم بن جاؤ اگر آزاد رہنا ہے

تعمیرِ نو

زمانے کی ہوا بدلی فضا بدلی چمن بدلا
زمیں بدلی زماں بدلا فلک کا بھی چلن بدلا
جمی پھر محفلِ جمہوریت رنگِ سخن بدلا
تکلّم کیوں نہ بدلے جب زباں بدلی دہن بدلا

بدلتی روشنی میں تم بھی اے اہلِ وطن بدلو
بلندی پر اڑو پستی کا اب عہدِ کہن بدلو

پُرانی ذہنیت بدلو قدامت کا جہاں بدلو | جھکے رہتے تھے جن پر وہ پُرانے آستاں بدلو
پُرانے وقت کے گویا زمین و آسماں بدلو | اُٹھو اب تو ذرا برطانوی ہندوستاں بدلو

تمھارے ہر قدم پر منزلیں قرباں ہو جائیں
زمانے بھر کی عقلیں دیکھ کر حیران ہو جائیں

تمھارے دل میں پیدا ہو فراخی ہفت کشور کی | تمھاری آنکھ سے پھر جائے پُتلی چشم اختر کی
لرزتی ہو تمھارے سامنے ہیبت سکندر کی | نہ لائے تاب آہن بھی تمھارے تیز خنجر کی

ارادوں میں ہمالہ سے بھی بڑھ کر استواری ہو
درِ دولت پہ حاضر ہاتھ باندھے کامگاری ہو

تمھیں دُشمن کو بھی حسنِ عمل سے رام کرنا ہے | جہاں کی نام ور قوموں میں اپنا نام کرنا ہے
جہاں خود کامیابی داد دے وہ کام کرنا ہے | تنفّر کو مٹا کر دوستی کو عام کرنا ہے

تمھیں حبِّ وطن کی آرزوئے چین رکھتی ہو
تمھاری زندگی الفت کا نصب العین رکھتی ہو

جواہر کا تخیّل سب میں ہو سردار کا دل ہو | وفا نیتا کی ہو یا پو کا وہ ایثارِ کامل ہو
تلک کا عزمِ راسخ مالوی کا شوقِ حاصل ہو | تمھیں ہر نقشِ پا منزل ہو ہر اک موج ساحل ہو

تمنّا سامنے آئے کمالِ ارتقا بن کر
وطن کے سر پہ سایہ ڈال دو بالِ ہما بن کر

ترقّی یافتہ ڈھب سے ہو پھر تعمیر بھارت کی | نظر آتی ہو ہر شے عالم تصویر بھارت کی
درخشاں ہو مثالِ مہر و مہ تقدیر بھارت کی | زبانِ مغرب و مشرق پہ ہو توقیر بھارت کی

تمھاری ہر صدا سے امن کا پیغام ملتا ہو
نگاہوں سے شرابِ دل بری کا جام ملتا ہو

مزاجب ہے یہاں انگلینڈ صنعت سیکھنے آئے
بہ صد اخلاص امریکا تجارت سیکھنے آئے
عرب علم و ہنر یونان حکمت سیکھنے آئے
زراعت چین تو یورپ سیاست سیکھنے آئے

نئی تعمیر میں اپنا وطن جنّت نشاں کر دو
بیاباں کو زِ حسنِ عمل سے گلستاں کر دو

پیغام اہلِ وطن کے نام

وطن والو تمھارے نام اِک پیغام لایا ہوں
وطن کے میکدے سے بادۂ گل فام لایا ہوں
فرازِ عرش سے الہام ہی الہام لایا ہوں
بڑی مشکل سے میں عنقا کو زیرِ دام لایا ہوں

جوانانِ وطن اٹھو تمھیں کچھ کام کرنا ہے
ستاروں کی طرح روشن وطن کا نام کرنا ہے

عیاں دیوار و در سے ہے شہیدوں کا لہو اب تک
وطن میں ہے فدایانِ وطن کی آبرو اب تک
تڑپتی ہے دلِ مغموم میں ہر آرزو اب تک
مجھے ہے اِک مقدس رہ نما کی جستجو اب تک

ابھی پُر سوز دل میں آتشِ داغِ تمنّا ہے
بہار آنے پہ بھی برباد یہ باغِ تمنّا ہے

تمھیں سے چاہتا ہوں میں وطن کی پاسداری بھی
تمھیں سے چاہتا ہوں میں وطن کی غم گساری بھی
تمھیں پیدا کرو گے فطرتِ خود اعتباری بھی
تمھارے ہاتھ سے ہو گی وطن کی آبیاری بھی

نئے انداز سے اب تم کرو تعمیر بھارت کی
تمھارے قبضۂ قدرت میں ہے تقدیر بھارت کی

جدا اس آسماں سے ہو اک ایسا آسماں ڈھونڈو
الگ ہو اس جہاں سے اٹھ کے ایسا اک جہاں ڈھونڈو
نگاہِ برق سے محفوظ ہو وہ آشیاں ڈھونڈو
نئے شمس و قمر ڈھونڈو نئے کون و مکاں ڈھونڈو

نئی تنظیم تم پیدا کرو امدادِ یزداں سے
بدل دو قسمت ہندوستاں سعئ فراواں سے

کہاں تک پستیٔ ہمت اٹھو پھر جوش میں آؤ
ہزاروں سال کی مدہوشیوں سے ہوش میں آؤ
یہ غفلت تا کجا خود محشرِ خاموش میں آؤ
بقا کا نام لے کر موت کی آغوش میں آؤ

اُٹھو شیرو بدل ڈالو نظامِ کائنات اُٹھ کر
اُٹھو کیا دیکھتے ہو تھام لو دورِ حیات اُٹھ کر

تبسم ہو عیاں لب پر رواداری چلن میں ہو
وہی آئیں وہی انداز پھر اہلِ وطن میں ہو
تعلق اس طرح کچھ عندلیبانِ چمن میں ہو
کہ جیسے ایک رابطہ بے تکلّف رُوح و تن میں ہو

بلند و پست کی ہر ذہنیت نابود ہو جائے
جو نامسعود ہے وہ بھی رتن مسعود ہو جائے

نیا پنجاب

مسرّت سر بسر تعبیر ہے یہ حرّیت کے خواب کی
کھُل گئی ہے راہ ہم پر ارتقا کے باب کی
آج ہے کنجشک میں بھی برتری سرخاب کی
گونجتی ہے یہ صدا ہر سمت شیخ و شاب کی

کتنی اُونچی شان ہے میرے نئے پنجاب کی

فرش پر بھی عرش کے جلوے نظر آتے ہیں آج
بھیڑ بکری کی صدا سے شیر تھرّاتے ہیں آج
خاک کے ذرّوں میں جوشِ زندگی پاتے ہیں آج
پربتوں سے نرم و نازک جسم ٹکراتے ہیں آج

کتنی اونچی شان ہے میرے نئے پنجاب کی

بھاکڑا ہے کا معجزہ خود معجزے کی شان ہے
حسنِ صنعت حسنِ صنعت پر یہاں قربان ہے
اس کے دم سے رشکِ صد فردوس راجستھان ہے
پتّی پتّی اب چمن کی جان ہے ایمان ہے

کتنی اونچی شان ہے میرے نئے پنجاب کی

روک دی ہیں ندیاں انسان کی تدبیر نے — رکھ دیئے ہتھیار آخر ہار کر تقدیر نے
اس قدر تاثیر پیدا کی نئی تعمیر نے — داد دی پنجاب کی توقیر کو توقیر نے

کتنی اُونچی شان ہے میرے نئے پنجاب کی

جگمگا اُٹھیں فضائیں علم کے انوار سے — سبز کھیتوں میں کھلے ہیں جا بجا گلزار سے
جو بیاباں تھے بنے ہیں بستیاں انہار سے — مخلصی پائی وطن والوں نے ہر آزار سے

کتنی اونچی شان ہے میرے نئے پنجاب کی

محوِ حیرت ہے زمانہ اس کی عظمت دیکھ کر — شان و شوکت مدح گو ہے شان و شوکت دیکھ کر
آسماں بھی جھک گیا ہے شانِ رفعت دیکھ کر — خود بھی طاقت کانپتی ہے اس کی طاقت دیکھ کر

کتنی اُونچی شان ہے میرے نئے پنجاب کی

کیا دکھائی ہے زراعت نے کرامت دیکھئے — صنعت و حرفت نے کیا پائی ہے شہرت دیکھئے
ہر طرف ارزانیٔ تعلیم و صحت دیکھئے — جتنی اصلاحیں ہوئی ہیں اُن کی برکت دیکھئے

کتنی اونچی شان ہے میرے نئے پنجاب کی

اِس کے دریاؤں میں بحرِ بے کراں کا راز ہے — خاک کی پستی میں اوجِ آسماں کا راز ہے
اس کی رونق رونقِ بزمِ جہاں کا راز ہے — اس کی ہستی ہستیٔ ہندوستاں کا راز ہے

کتنی اونچی شان ہے میرے نئے پنجاب کی

چین کے حملے پر ہندوستانیوں سے خطاب

وطن پر اے وطن والو پریشانی کا وقت آیا — گراں خوابی کو چھوڑو اب گراں جانی کا وقت آیا
سکون و امن کے گلشن کی ویرانی کا وقت آیا — ستم گر چین کے ظلموں کی طغیانی کا وقت آیا

اُٹھو قربان ہو جاؤ کہ قربانی کا وقت آیا

شری دشمیش و پرتاپ و شواجی کے چلن والو
دلیرو۔ شیر مردو اور فولادی بدن والو
چمن پر کوندتی ہیں بجلیاں ہندی چمن والو
سر میداں تمھیں دشمن نے للکارا وطن والو

اُٹھو قربان ہو جاؤ کہ قربانی کا وقت آیا

سیاست کرشن کی ارجن کی طاقت تم نے دیکھی ہے
شہادت تیغ کی بندے کی خدمت تم نے دیکھی ہے
جسارت بھیم کی نلوے کی جرأت تم نے دیکھی ہے
سبھاش و لکشمی بائی کی ہمّت تم نے دیکھی ہے

اُٹھو قربان ہو جاؤ کہ قربانی کا وقت آیا

ازل ہی سے ملی تعلیم تم کو سرفروشی کی
جہاں میں دھاک بیٹھی ہے تمھاری گرم جوشی کی
شہادت دے رہا ہے ذرّہ ذرّہ سخت کوشی کی
اجل کے میکدے سے تم نے اکثر بادہ نوشی کی

اُٹھو قربان ہو جاؤ کہ قربانی کا وقت آیا

ہمیشہ تم نے سر دے کر وطن کی پاسبانی کی
تمھاری موت ضامن ہے حیاتِ جاودانی کی
شجاعت خود ہی شاہد ہے تمھاری نوجوانی کی
اجل پر بھی تمھاری زندگی نے حکمرانی کی

اُٹھو قربان ہو جاؤ کہ قربانی کا وقت آیا

اُٹھو غیرت کے بندو خدمتِ ملّت کے متوالو
اُٹھو جمہوریت کی عظمت و شوکت کے متوالو
اُٹھو ہندوستاں کی عزّت و شہرت کے متوالو
اُٹھو اسلاف کی جاں بازی و طاقت کے متوالو

اُٹھو قربان ہو جاؤ کہ قربانی کا وقت آیا

قدم اُکھڑیں عدو کے تیغِ ہندی کی روانی سے
بپا ہو نوح کا طوفان تلواروں کے پانی سے
قضا بھی ڈگمگا اُٹھے تمھاری زندگانی سے
خوشی ہو کامرانی کو تمھاری کامرانی سے

اُٹھو قربان ہو جاؤ کہ قربانی کا وقت آیا

اُٹھو چین جبیں سے چین کو چینِ جبیں کر دو
اُٹھو للکار کر ایسا کہ اس کو سہم گیں کر دو
لگدکوبی سے اس ظالم کو پیوندِ زمیں کر دو
بلائے ناگہاں بن کر جہنم کا مکیں کر دو

اُٹھو قربان ہو جاؤ کہ قربانی کا وقت آیا

نیا ہندوستان

اے وطن تیری ہوا اہلِ وطن کی جان ہے　　زندگی کی زندگی ایمان کا ایمان ہے
تیری ہستی بے نشانوں کے نشان کی شان ہے　　تیرے دریائے کرم کا ہر جگہ فیضان ہے

جانتے ہیں سب تجھے ہندوستاں کے نام سے
پوجتا ہوں میں مگر باغِ جناں کے نام سے

اے وطن تجھ پر کبھی محکومیت کا دور تھا　　یہ زمانہ اور ہے پہلا زمانہ اور تھا
حاکموں میں کوئی تغلق اور کوئی غور تھا　　جور و استبداد سے جو طور تھا بے طور تھا

سر پہ شمشیر غلامی دل میں دہشت غیر کی
آہ اپنوں نے تجھے سونپی تھی خدمت غیر کی

جب نہ غم مٹتے ہوئے دیکھا دلِ پامال سے　　اُگلے تیری خاک نے موتی جواہر لال سے
تجھ کو آزادی ملی محکومیت کے جال سے　　مل گئی ہم کو خوش اقبالی ترے اقبال سے

آج ہر ذرّہ ترا باغِ جناں سے کم نہیں
آج تیرا فرشِ خاکی آسماں سے کم نہیں

اب جواہر نے ترے جوہر نمایاں کر دئے　　تیرے وحشت خیز ویرانے گلستاں کر دئے
زور والے تیری طاقت نے پریشاں کر دئے　　تیری تابانی نے ماہ و مہر حیراں کر دئے

مشرق و مغرب میں تیرا بول بالا ہو گیا
تیرے ہر تاریک گوشے میں اُجالا ہو گیا

زورِ بازو سے پہاڑوں کے جگر کو پھوڑ کر　　حرکتِ ابرو سے دریاؤں کی حرکت موڑ کر
آب و آتش میں وفاداری کا رشتہ جوڑ کر　　اور صدیوں کا طلسمِ حکمرانی توڑ کر

تجھ کو سچ مچ آج پھر سونے کی چڑیا کر دیا
تیرا رتبہ عالم بالا سے بالا کر دیا

تیری شانِ ارتقا پر ارتقا کو ناز ہے
تیری پروازوں پہ پروازِ ہما کو ناز ہے
رہ نماؤں پر ترے ہر رہ نما کو ناز ہے
تیری ایجادات پر ذہنِ رسا کو ناز ہے

ناز ہے جمہوریت کو جب ترے دستور پر
ناز ہونا چاہیے تجھ کو بھی اب جمہور پر

ارتقائے صنعت و تعلیم و صحت دیکھیے
شانِ حرفت دیکھیے شانِ تجارت دیکھیے
یہ محبّت دیکھیے جوشِ اخوّت دیکھیے
خشک و تر میں ہر جگہ حسنِ سیاست دیکھیے

کیوں نہ ہو اقوامِ عالم تیری عظمت پر نثار
جب کہ ہر بیٹا ترا ہے تیری عزت پر نثار

تیرے بیٹوں سے یہ عرضِ مدعا کرتا ہوں میں
اتفاقِ باہمی کی التجا کرتا ہوں میں
اپنے ہر بھائی کو تاکیدِ وفا کرتا ہوں میں
اس دعائے خیر پہ ختمِ ثنا کرتا ہوں میں

اوج پر ہر وقت تیرا پرچمِ اقبال ہو
تیری خدمت کے لیئے ہر دل جواہر لال ہو

نیا کشمیر

بول بالا دیکھ کر کشمیر میں تدبیر کا
بے طرح خاکا اڑا ہے شومیٔ تقدیر کا
آج ہر پتھر بھی سرچشمہ ہے جوئے شیر کا
گونجتا ہے ہر سو یہ نعرہ جوان و پیر کا

دیکھیے نکھرا ہوا جوبن نئے کشمیر کا

مردہ تن میں رُوح بھر دی رہبرِ کشمیر نے
خاک کو اپنا لیا اکسیر کی تاثیر نے

جال پھیلائے کچھ اس انداز سے تدبیر نے
ہار تھک کر رکھ دیئے ہتھیار ہر تقدیر نے

دیکھئے نکھرا ہوا جوبن نئے کشمیر کا

ذرّہ ذرّہ طور کا ہم سر نظر آتا ہے آج
سنگ ریزہ معدنِ گوہر نظر آتا ہے آج

ہر بشر تہذیب کا مصدر نظر آتا ہے آج
جو کبھی گم راہ تھا رہبر نظر آتا ہے آج

دیکھئے نکھرا ہوا جوبن نئے کشمیر کا

عقل کے تیشے نے ہر بربت کی چھاتی پھوڑ دی
بازوئے ہمّت نے دریا کی روانی موڑ دی

علم و فن نے جہل کی جادوگری سب توڑ دی
قوم کے افراد نے نا اتفاقی چھوڑ دی

دیکھئے نکھرا ہوا جوبن نئے کشمیر کا

گلشنِ جنت کا نقشا آج ویرانے میں ہے
جوشِ زن علم و ہنر کا ذوق دیوانے میں ہے

کعبے کی رعنائی اب مستور بت خانے میں ہے
عصمتِ زنار اب تسبیح کے دانے میں ہے

دیکھئے نکھرا ہوا جوبن نئے کشمیر کا

رہبرِ کشمیر کا حسنِ سیاست دیکھ کر
خدمتِ قوم و وطن کی شان و شوکت دیکھ کر

جلوۂ جوشِ عمل جوشِ محبت دیکھ کر
یہ اخوّت یہ نجابت یہ شرافت دیکھ کر

دیکھئے نکھرا ہوا جوبن نئے کشمیر کا

وطن کے نوجوان سے

اے وطن کے نوجواں کچھ نوجوانی بھی دکھا
بڑھ کے میدانِ عمل میں کامرانی بھی دکھا

محض باتوں سے تری مشکل کشائی ہو چکی
جاں بری کے واسطے کچھ جاں فشانی بھی دکھا

موت کی حد سے بہت آگے ہے تیری زندگی
ہاں مگر اس میں نشانِ زندگانی بھی دکھا

تیرا ہر نقشِ قدم اک منزلِ مقصود ہے ‏ رہ گزارِ شوق میں جوشِ روانی بھی دکھا
انتہائے درد ہی کو حاصلِ درماں سمجھ ‏ ساز کی خواہش ہے تو سوزِ نہانی بھی دکھا
لی ہے آزادی تو آزادی کو اب محفوظ رکھ ‏ حکمراں قوموں کو اوجِ حکمرانی بھی دکھا
قوم تیرے بازوئے ہمت کی حاجت مند ہے ‏ آ اکھاڑے میں وفا کے پہلوانی بھی دکھا
تیرے دم سے قوم میں ہو اتحادِ باہمی ‏ آج دریائے محبت کی روانی بھی دکھا
تیرے نعرے سے لرزتے ہوں زمین و آسماں ‏ اپنی صولت کا یہ اعجازِ نہانی بھی دکھا
تیری ہر للکار رشکِ صورِ اسرافیل ہو ‏ نیند بھر کر سو چکا اب پاسبانی بھی دکھا
وقف کر دے زندگی حبِ وطن کے واسطے ‏ گلشنِ ہستی میں آ کر گل فشانی بھی دکھا
سینچ اپنے خون سے باغِ وطن کا ہر شجر ‏ حریت کی فصلِ گل میں باغبانی بھی دکھا
تیرے کندھوں پر اُٹھے گی آج تعمیرِ وطن ‏ ہمتِ مردانہ کی عالی مکانی بھی دکھا

ہر مصیبت میں رتنؔ تیرا قدم آگے بڑھے
سختیوں کو جھیلنے کی سخت جانی بھی دکھا

مرثیہ پروفیسر پرشوتم لال ضیاؔ

فریاد ہے فریاد دُہائی ہے دُہائی ‏ شملے سے یہ رہبر نے خبر آج سنائی
افسوس ضیاؔ نے بھی دیا داغِ جدائی ‏ روتے ہوئے کہتے ہیں یہ ہر و بیر سے بھائی

اے مرگِ جواں سال! تجھے موت نہ آئی؟

یوں چھوڑ نہ بد حال ہمیں چھوڑنے والے ‏ بے جرم و خطا روٹھ کے منہ موڑنے والے
آغاز ہی میں عہدِ وفا توڑنے والے ‏ انجام میں یہ موت نے کیا شکل بنائی

اے مرگِ جواں سال! تجھے موت نہ آئی؟

اِس اُٹھتی جوانی پہ تجھے رحم نہ آیا ۔ بے درد اندھیرے میں یہ کیا تیر چلایا
محشر کے کلیجے سے بھی ناسور بہایا ۔ اِک شکل جو پُرنور تھی مٹی میں ملائی

اے مرگِ جواں سال! تجھے موت نہ آئی؟

یہ نظمِ جہاں زیر و زبر تُو نے کیا ہے ۔ ایوانِ بقا خاک بسر تُو نے کیا ہے
ہر صاحبِ دل تفتہ جگر تو نے کیا ہے ۔ جس باغ میں پہنچی ہے وہیں خاک اڑائی

اے مرگِ جواں سال! تجھے موت نہ آئی؟

برباد کیے کتنے ہی آباد گھرانے ۔ ناشاد ہوئے سینکڑوں دل شاد گھرانے
پابندِ قضا دیکھے ہیں آزاد گھرانے ۔ دنیا کو مٹا دینے کی دُھن دل میں سمائی

اے مرگِ جواں سال! تجھے موت نہ آئی؟

مرتا ہے پرستارِ وطن آج وطن میں ۔ محشر پہ بھی محشر ہے بپا بزمِ سخن میں
شعلے سے بھڑک اُٹھے ہیں ہر سمت چمن میں ۔ حیرت ہے کہ یہ برقِ ستم کس نے گرائی

اے مرگِ جواں سال! تجھے موت نہ آئی؟

بچے تو بلکتے ہیں کہ ابّا جی کہاں ہیں ۔ بھائی ہیں کہ بھائی کے لیے گریہ کناں ہیں
احباب جدا بیٹھے ہوئے مرثیہ خواں ہیں ۔ روتی ہوئی بیوہ کی سُنے کون دہائی

اے مرگِ جواں سال! تجھے موت نہ آئی

افسوس کہ لٹ کر رہی معصوم جوانی ۔ ایسی ہی جوانی ہے تو مظلوم جوانی
افسوس کہ معدوم ہے موہوم جوانی ۔ روتی ہے رتن ہی کی طرح ساری خدائی

اے مرگِ جواں سال! تجھے موت نہ آئی؟

مرثیہ مہاتما گاندھی

اے انیسِ قوم اے فخرِ محبانِ وطن
اے خدائے امن اے حسن گلستانِ وطن

اے پتامہ۔ اے بزرگِ دہر۔ اے جانِ وطن
اے وجودِ آشتی۔ اے باعثِ شانِ وطن

رُوپ میں گاندھی کے تو عرفان کی تصویر تھا
راہ بر یا رہ نما کیا؟ ہند کی تقدیر تھا

آہ یوں تقدیر پھوٹی ہاتھ خالی رہ گئے
چل بسا حاتم کھڑے در پر سوالی رہ گئے

فصلِ گل رخصت ہوئی مایوس مالی رہ گئے
چل دیا قیصر تو سُونے قصرِ عالی رہ گئے

آہ تیرے ہجر میں ہندوستاں روتا ہے آج
ہند کا کیا ذکر ہے سارا جہاں روتا ہے آج

تیرے ماتم میں جہاں بھر کی فضا خاموش ہے
جوشِ دریا سست ہے موجِ ہوا خاموش ہے

جان لینے کی ندامت سے قضا خاموش ہے
رُوح کی پاکیزگی پر خود خدا خاموش ہے

حفظِ آزادی کی خاطر کتنا غم کھانا پڑا
قیدِ ہستی سے تجھے آزاد ہو جانا پڑا

جس وطن کے عشق میں مر مر کے تُو جیتا رہا
تارکِ دُنیا رہا مستِ مئے گیتا رہا

لختِ دل کھاتا رہا خونِ جگر پیتا رہا
چاکِ ملّت سوزنِ تدبیر سے سیتا رہا

اُف ستم! ہو اُس وطن کا نوجواں قاتل ترا
اِس کا مطلب ہے کہ ہے ہندوستاں قاتل ترا

ملک کا ہر ذرّہ تیری گرمجوشی کا نشاں
رہتی دُنیا تک رہے گا سرفروشی کا نشاں

تُو تھا دُشمن کے لیے تقصیر پوشی کا نشاں
خود ہے تیری موت تیری رحم کوشی کا نشاں

اس طرح مرنا ترا ہندوستاں کی موت ہے
بلکہ کہہ سکتے ہیں یہ سارے جہاں کی موت ہے

تیری پیری در حقیقت تھی شبابِ زندگی | ہر عمل تھا حسنِ تفسیرِ کتابِ زندگی
خوب سمجھا اور سمجھایا حسابِ زندگی | اس طرف اُبھرا ادھر پھوٹا حبابِ زندگی

واقفِ رمزِ حقیقی محرمِ اسرار تھا
سچ تو یہ ہے تو بھی اک چھبیسواں اوتار تھا

تیرے ہر ہر گام پر ملتی تھی اک منزل ہمیں | موجِ بحرِ فکر تھی رعنائیٔ ساحل ہمیں
تیرے دل میں ملتا تھا سارے جہاں کا دل ہمیں | مل سکے گی اب نہ تجھ سی ہستیٔ کامل ہمیں

نام کو زندہ ہیں ہندی زندگی باقی نہیں
مے کدہ وحشت کدہ ہے اس میں جب ساقی نہیں

تیرا ہر فرمان تھا حسنِ عقیدت کا سبق | جوشِ دل ، جوشِ عمل ، جوشِ محبت کا سبق
ہمتِ دل تھی تری شانِ اخوتؔ کا سبق | غم گساری غم رُبائی ۔ آدمیت کا سبق

کاش اب ہم فرقہ داری کی یہ لعنت چھوڑ دیں
اے رتنؔ یہ باہمی بغض و عداوت چھوڑ دیں

مرثیہ پنڈت جواہر لال نہرو (بلا عطف و اضافت)

کیا حقیقت ہے زندگانی کی | ہے فقط اک لکیر پانی کی
موت کی گود میں ہے گھر اس کا | موت نے اس کی پاسبانی کی
اس نے اکثر اُسی کو لوٹا ہے | جس نے بھی اس پہ مہربانی کی
نوجوانی بھی اس کی بیری ہے | مجھ کو سوگند نوجوانی کی
کیا نتیجہ ہو اس کہانی کا | موت سُرخی ہو جس کہانی کی

حسرتوں کا ہجوم ہے دُنیا — کیا ہو اُمیّد کامرانی کی
قصّہ جب بھی تمام ہوتا ہے — بات چلتی ہے دانہ پانی کی

جب کسی کی حیات روتی ہے
موت ہنستی ہے شاد ہوتی ہے

موت ہی زندگی کی قاتل ہے — اِس کے ہاتھوں زمانہ بسمل ہے
کھائے جاتی ہے سب کو یہ ڈائن — لیکن اِس پر بھی صبر مشکل ہے
کتنا گہرا ہے موت کا دریا — اس کی تہ ہے نہ کوئی ساحل ہے
اِس نے لوٹا سہاگ ابلا کا — اس سے بہنوں کا دل بھی بے دل ہے
اس سے ننھے یتیم روتے ہیں — اس سے بیوہ الم کی حامل ہے
گود خالی ہے اِک طرف ماں کی — اِک طرف باپ غم سے بے دل ہے
اِس کے گھر سے نہ مڑ سکا کوئی — اس کی منزل عجیب منزل ہے

اِس نے نہرو سا لال چھین لیا
ہم سے اِک باکمال چھین لیا

سب کے دل کا قرار تھا نہرو — قوم کا غم گسار تھا نہرو
اُس کی ہستی وفا کی ہستی تھی — اِک زمانے کا پیار تھا نہرو
دردمندوں سے دردمندی تھی — بے کسوں پر نثار تھا نہرو
آدمیت کو ناز تھا اُس پر — زندگی کا نکھار تھا نہرو
اُس کو انسان سے محبت تھی — حریت کا وقار تھا نہرو
تاج داری کو فخر ہو جس پر — ایسا اِک تاج دار تھا نہرو

اس کی مستی بھی ہوشیاری تھی　　اِس قدر ہوشیار تھا نہرو

نوجوانوں کا پیشوا تھا وہ

بچوں بوڑھوں کا ہم نوا تھا وہ

گر پڑا ہے محل سیاست کا　　سو گیا ہے نصیب راحت کا

کون دے گا سکون دُنیا کو　　دے کے گھر گھر پیام الفت کا

کس کے در پر غریب جائیں گے　　فیض پائیں گے کیا سخاوت کا

کون روکے گا جنگ بازی کو　　کون دے گا سبق محبت کا

کون لا کر وطن میں خوشحالی　　نام اونچا کرے گا بھارت کا

دشمنوں سے بھی رابطہ رکھ کر　　کون دے گا ثبوت شفقت کا

کس کو جا کر چچا کہیں بچے　　کس سے انعام پائیں خدمت کا

جب مصیبت کوئی ستائے گی

ہم کو نہرو کی یاد آئے گی

اس نے بھارت کو زندگی بخشی　　گوشے گوشے کو روشنی بخشی

کانٹے کانٹے میں کھل گیا گلشن　　دشت کو بھی یہ برتری بخشی

ذرّہ ذرّہ بہشت ساماں ہے　　پتّی پتّی کو تازگی بخشی

پاتوں پاتوں میں حوصلہ دے کر　　خاک ساروں کو سروری بخشی

غم رُبائی کا حسن کیا کہیے　　اُس نے ماتم میں بھی خوشی بخشی

خاک اڑتی تھی جن علاقوں میں　　اُن علاقوں کو دلکشی بخشی

بحث چھوٹے بڑے کی لاحاصل　　اس نے سب کو برابری بخشی

وہ تو ہندوستاں کی قسمت تھا

بلکہ سارے جہاں کی قسمت تھا

آہ دُنیا لکارہ نما نہ رہا — قوم کا درد آشنا نہ رہا

ہند والوں کو کون ڈھارس دے — بے سہاروں کا آسرا نہ رہا

سب دھرے رہ گئے ہیں منصوبے — خود مدبر ہیں حوصلہ نہ رہا

ڈگمگاتی ہے قوم کی کشتی — کون تھامے کہ ناخدا نہ رہا

ملک اُس کے بغیر مردہ ہے — اب برابر ہے یہ رہا نہ رہا

دُکھڑا کس کو سنائیں فریادی — تھا جو ہر درد کی دوا نہ رہا

زندگی بھی یہ کہہ اُٹھی آخر — زندگی کا کوئی مزا نہ رہا

اس الم سے حیات روتی ہے
جینے والوں کا جی ڈبوتی ہے

ایک بھارت کا وہ نہ لیڈر تھا — سارے عالم کا خاص رہبر تھا

اس کو باپو نے شانتی دی تھی — جوش نیتا کا بھی میسّر تھا

حوصلہ تھا پٹیل کا حاصل — آفتوں میں وہ سخت پتھّر تھا

استواری مزاج میں اتنی — عزم پربت سے بھی حصین تر تھا

اس کو حاتم کہیں کہ کسریٰ ہم — فیض گستر تھا عدل پرور تھا

خلق ایثار اور قربانی — رحم۔ انصاف کا وہ مصدر تھا

آپ موتی کی لی تھی موتی سے — نام اس کا جبھی جواہر تھا

آہ گاندھی کی روح روتی ہے
اب جواہر یہاں نہ موتی ہے

آہ ہم کو اٹھائے گا اب کون — دل کی ڈھارس بندھائے گا اب کون

موجیں اُٹھتی ہیں دور ساحل ہے — پار بیڑا لگائے گا اب کون

اپنے بھارت کی بہتری کے لیے — غیر ملکوں میں جائے گا اب کون

نامکمل ہیں ساری تدبیریں — اُن کو کامل بنائے گا اب کون
ہندیوں کے وقار کی خاطر — سر کی بازی لگائے گا اب کون
راہ تاریک اور تنہائی — رہنمائی کو آئے گا اب کون
کون لائے گا اس کو جنت سے — جا کے جنت میں آئے گا اب کون

قوم کے غم سے مر گیا نہرو
نام دُنیا میں کر گیا نہرو

ہماچل پردیش

کتنا دِل کش ہے دِل آرا ہے ہماچل پردیش — حسن میں شاہدِ زیبا ہے ہماچل پردیش
سَر بہ سَر طور کا جلوا ہے ہماچل پردیش — رُوکشِ وادیٔ سینا ہے ہماچل پردیش

اِس کی ہر چیز زمانے سے نرالی دیکھی
سرزمیں اِس کی سرِ عرش سے عالی دیکھی

عالمِ کیف یہ کیلاش کی رعنائی کا — بس نہیں چلتا یہاں چشمِ تماشائی کا
فخر حاصل ہے فرشتوں کو جبیں سائی کا — نقشِ اوّل ہے یہی حسن کی انگڑائی کا

اس کی تقدیس کا ہے کون و مکاں میں چرچا
اس کی تعظیم کا ہے دونوں جہاں میں چرچا

ہر قدم پر ہے مناظر کی مُسرت خیزی — ندّیوں، جنگلوں، چشموں کی نشاط انگیزی
آبشاروں کی سرِ کوہ ترنّم ریزی — سبزہ زاروں میں چمن زاروں کی عنبر بیزی

جوئباروں کے کناروں پہ ہے جنّت قرباں
مرغزاروں کی فضاؤں پہ ہے نکہت قرباں

ہرن پربت نے یہاں عرش کا نقشا پایا — جو بھی انسان ملا اُس کو فرشتا پایا
حُسنِ مستور کو پتھر میں ہویدا پایا — موج زن بادۂ توحید کا دریا پایا

دائمی برف ہے خاموش تکلم کا جہاں
کھِل کے پھولوں نے بسایا ہے تبسم کا جہاں

اس کے ہر ذرّے میں خورشید کی طلعت دیکھی — جس طرف آنکھ اُٹھی رونقِ فطرت دیکھی
ایسی بے پردہ حقیقت کی حقیقت دیکھی — دربدر ٹھوکریں کھاتی ہوئی جنت دیکھی

فاقہ مستی کو یہاں وجد میں رقصاں دیکھا
یورشِ کلفت و آلام کو فرحاں دیکھا

جابجا جنتِ نظارہ ہیں خوش تر مندر — مَن مہیش اور شری کھنڈ کے نادر مندر
کالکا۔ رَینکا۔ نرمنڈ کے سُندر مندر — چشنت پورنی جی جوالاجی کلیشر مندر

پانی پر تیرتے کھجیار میں پتھر دیکھے
تاتا پانی سے دل آویز سرور دیکھے

حیرت انگیز ہے جنگل کی فضا کا عالم — ہے یہاں اور ہی کچھ خلقِ خدا کا عالم
ہر شجر رکھتا ہے گلزارِ بقا کا عالم — ایک اک برگ میں ہے بالِ ہما کا عالم

جنتِ چشم ہے رتھناں کا حسن رعنا
مشک باری میں ہے کستورا وحید و یکتا

اصل میں اِس کو حقیقت کا محافظ کہیے — زہد و عرفان و ریاضت کا محافظ کہیے
آدمیت کا۔ شرافت کا محافظ کہیے — عین زیبا ہے کہ بھارت کا محافظ کہیے

دیوتاؤں کا وطن اس کو کہا ویدوں نے
اور دیشوں پہ رتن فوق دیا ویدوں نے

بنگال کی تباہ حالی

بنگال کے حالات کا اظہار کروں کیا　　گفتار بھی ہے آج شررِ بار کروں کیا
بھائی پہ اُٹھی بھائی کی تلوار کروں کیا　　اپنے ہی بنے بیٹھے ہیں اغیار کروں کیا

دیکھی نہ سُنی میں نے کبھی ایسی تباہی
یہ حشر کا ہنگامہ ہے یا قہرِ الٰہی

یحیٰی کے مظالم سے جلا جاتا ہے بنگلہ　　بستی سے بیابان ہوا جاتا ہے بنگلہ
آلام و شدائد سے رُندھا جاتا ہے بنگلہ　　طوفانِ حوادث میں بہا جاتا ہے بنگلہ

فرعون کے لشکر نے یہاں دھوم مچا دی
بستی جو ملی سامنے توپوں سے اڑا دی

توپوں کی دنادن سے زمیں کانپ اٹھی ہے　　گولوں کے دھماکوں سے فضا سہم گئی ہے
میدان میں منہ کھولے اجل ناچ رہی ہے　　لوگوں ہیں جدھر دیکھیے بھگدڑ سی مچی ہے

ٹینکوں نے کچل ڈالے ہیں معصوم نہتے
لاکھوں ہی جلے آگ میں مظلوم نہتے

ننھے سے جو بچّے تھے ابھی ناز کے پالے　　وہ چھین کے ماں باپ سے نیزوں پہ اچھالے
چمکائے کہیں برچھے کہیں تولے ہیں بھالے　　بے دردنے جی کھول کر ارمان نکالے

یحیٰی نے تو چنگیز کو بھی مات کیا ہے
ننھوں کا درندوں کی طرح خون پیا ہے

چُن چُن کے زن و مرد کو گولی سے اڑایا | کھیتوں کو اُجاڑا تو مکانات کو ڈھایا
توڑا جو منادر کو مساجد کو گرایا | ہر جور سے ہر ظلم سے لوگوں کو ستایا

کتنا ہے ستم گر کو جنوں تاج وری کا
سودا ہے سرِ کبر میں فرعون سری کا

بھٹو کی سیاست نے یہاں آگ لگادی | اور اُس کے مشیروں نے اسے اور ہوا دی
یحیٰی کی حکومت نے قیامت سی مچادی | بنگلہ کی زمیں قہر کے گولوں سے اڑادی

یوں جوش فزا جذبہ ہوُا حرص و ہوا کا
دل میں نہ رہا رحم نہ کچھ خوف خدا کا

شیون ہے کہیں نالہ کہیں آہ و فغاں ہے | لاشوں کے ہیں انبار قیامت کا سماں ہے
ہر ایک طرف خون کا سیلاب رواں ہے | یہ دیکھ کے فریاد بھی فریاد کناں ہے

مردوں کو بھی ٹھکراتے ہیں خونخوار درندے
جس طرز سے کھا جاتے ہیں مردار درندے

جل جائے جو شاداب چمن برقِ بلا سے | شعلوں کی لپک اور بڑھے موجِ ہوا سے
محشر پہ بھی محشر ہو بپا شورِ بکا سے | وحشت بھی لرزتی ہو الم ناک فضا سے

ایسے میں چمن والوں کا کچھ حال نہ پوچھو
ایسے ہی میں کیفیتِ بنگال نہ پوچھو

لاکھوں ہی زبوں حال وطن چھوڑ رہے ہیں | مردوں کو بھی بے گور و کفن چھوڑ رہے ہیں
مرغانِ چمن صحنِ چمن چھوڑ رہے ہیں | آفت میں نشیمن کی لگن چھوڑ رہے ہیں

آ آ کے رُکے جاتے ہیں بھارت کی زمیں میں
تسکین ملی اِن کو اسی باغِ حسیں میں

ہندی ہیں ازل ہی سے محبت کے پجاری ہمدردی و ایثار و مروت کے پجاری
غم خواری و اخلاق و صداقت کے پجاری اخلاص و رواداری و الفت کے پجاری

دکھیوں کو بڑے پیار سے آنکھوں پہ بٹھایا
خدمت کے لئے سب نے سر شوق جھکایا

خدمات کو اس ڈھنگ سے انجام دیا ہے ہر ایک کو ہر قسم کا آرام دیا ہے
آفات میں تسکین کا پیغام دیا ہے اشکوں کے تلاطم کو بھی یوں تھام دیا ہے

ہر روز بڑھے جاتے ہیں دل گیر مہاجر
قسمت سے ہیں آلام کا نخچیر مہاجر

بڑھتی ہے ادھر ہند کے کردار کی عظمت اخلاق کی۔ انصاف کی ایثار کی عظمت
الفت کی۔ عقیدت کی۔ دلی پیار کی عظمت دستار کی۔ رفتار کی۔ گفتار کی عظمت

مظلوم اگر تنگ ہیں یحییٰ کی طرف سے
ظالم بھی سزا پائے گا اللہ کی طرف سے

جمہوریت کی موت

جب ہزیمت خوردہ یحییٰ خاں حسد سے جل اُٹھا
زخم خوردہ سانپ کی مانند کھاکر بل اُٹھا
چٹکیاں لینے لگی دل میں حکومت کی ہوس
بڑھ گئی حد سے زیادہ قتل و غارت کی ہوس
چل بسی جمہوریت فرعونیت پیدا ہوئی
بربریت سے پریشاں امن کی دُنیا ہوئی

قہر بن کر آگیا محشر اُٹھانے کے لئے

بے خطا بنگالیوں پر ظلم ڈھانے کے لئے

موت بن کر آسماں سے آگ برسانے لگا

بے گناہوں بے کسوں پر آفتیں ڈھانے لگا

بے دریغی سے بہایا زیر دستوں کا لہو

ناتوانوں ۔ بے نواؤں ۔ فاقہ مستوں کا لہو

رائے عامہ کی یہ اچھی قدر افزائی ہوئی

گولیوں سے موت کے گھر میں پذیرائی ہوئی

حق طلب کرنا بھی گویا جرم ٹھہرایا گیا

بے طرح جمہوریت کو زندہ دفنایا گیا

ہر طرف بنگلہ میں محشر خیز بم پھٹنے لگے

آسماں پر خود فرشتے "یا خدا" رٹنے لگے

بھاری توپوں کی دنادن سے زمیں تھرا اُٹھی

خون بہتا دیکھ کر انسانیت لرزا اُٹھی

دل شکن ٹینکوں سے اہلِ دل کے دل ہلنے لگے

وہ ستم ٹوٹا زمین و آسماں ملنے لگے

آگ بہ نکلی زمیں پر گرم لاوے کی طرح

سو رماؤں کے بھی دل بیٹھے ہیں آوے کی طرح

علم سائنس پر لگا کر عرش پر اُڑنے لگا

زندگی کا قافلہ سوئے عدم مڑنے لگا

خون کے چشمے اُبل کر زلزلے آنے لگے
بے بسوں کے سرد نالے عرش گرمانے لگے

گولہ باری وہ کہ دریا کی روانی رک گئی
وہ غضب وہ ظلم۔ پیشانی فلک کی جھک گئی

شہر ویراں ہو گئے آبادیاں صحرا ہوئیں
ہو گئے محتاج بچے عورتیں بیوہ ہوئیں

بے خطا عورات کی عصمت دری ہونے لگی
جنگ کے میدان میں عشرت گری ہونے لگی

ننھے بچوں پر بھی خنجر آزمائی الاماں
یہ تعدی۔ یہ جفا۔ یہ بے حیائی الاماں

ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے میدان میں
اس قدر حیوانیت کی خو بھری انسان میں

اسپتالوں۔ مکتبوں پر آگ برسائی گئی
اس طرح انسانیت پھانسی پہ لٹکائی گئی

ظالموں کے ظلم سے چنگیزیت شرما گئی
دیکھ کر حیوانیت انسانیت گھبرا گئی

جو مکانوں میں مکیں تھے کھینچ کر لائے گئے
بے طرح تڑسا کے مارا پھر مکاں ڈھائے گئے

ہر بلا، ہر جور، ہر سختی روا رکھی گئی
امن کی گردن پہ شمشیرِ جفا رکھی گئی

سو گئے لاکھوں دلارے موت کی آغوش میں

بھر گیا ہنگامۂ محشر کچھ ایسے جوش میں

تنگ آکر چل دیئے لاکھوں وطن کو چھوڑ کر

چل دئے اہلِ چمن جلتے چمن کو چھوڑ کر

درد کے مارے ہوئے ہندوستاں میں آ گئے

زندہ رہنے کے لئے باغِ اماں میں گئے

ہندیوں نے کی نمایاں چاہ اُن کی چاہ میں

خیر مقدم کے لئے آنکھیں بچھا دیں راہ میں

سب کمر بستہ ہوئے خدمت گزاری کے لئے

اشک شوئی۔ غم ربائی۔ غم گساری کے لئے

ہر کسی کی ہر ضرورت کو مہیا کر دیا

ہند کی تہذیب کو دُنیا میں اونچا کر دیا

دھاک بیٹھی ہند کے اخلاق کی کردار کی

اُلفتِ انسانی و ہمدردی و ایثار کی

آنے والوں کا لگا رہتا ہے تانتا رات دن

ایک عالم کی زباں پر ہے یہ چرچا رات دن

یہ تشدّد بے گماں جمہوریت کی موت ہے

بلکہ یوں کہیئے کرپا کی سلطنت کی موت ہے

مُخَمّسات

خمسہ

برغزل حضرت داغ دہلوی (مرحوم)

تیرے دل میں وفا کی بو ہی نہیں — اپنے وعدے کی آبرو ہی نہیں
دل نوازی تو تیری خو ہی نہیں — کوئی اب تجھ سے آرزو ہی نہیں
اب جو دیکھا تجھے وہ تو ہی نہیں

توبہ کا احترام کون کرے — خواہشِ ترکِ جام کون کرے
خود پہ جنت حرام کون کرے — ناصحوں سے کلام کون کرے
اپنے ایسوں سے گفتگو ہی نہیں

اللہ اللہ یہ حسن کا سودا — خود ہی کہتے ہو خود کو بے ہمتا
خوب روئی کا ہر گھڑی چرچا — اس قدر ناز ہے تمھیں گویا
کوئی دنیا میں خوب رو ہی نہیں

دلِ مایوس کو جو بہلائے — بے سکونی جہاں سکوں پائے
غم کے بیمار کا جو غم کھائے — جو ترے لطف سے نکل جائے
وہ مرے دل کی آرزو ہی نہیں

آئینے کی یہ سرکشی دیکھو — حسن والوں سے ہم سری دیکھو
پھر دو رنگی مزاج کی دیکھو — ہے وہ صورت پرست بھی دیکھو
فقط آئینہ عیب جو ہی نہیں

لاکھ ہو خوش نما گلِ فردوس لاکھ ہو دل رُبا گلِ فردوس
لاکھ ہو حسن زا گلِ فردوس رُوکش اُس کا ہو کیا گلِ فردوس
وہ نزاکت وہ رنگ و بُو ہی نہیں

کون اُسے حالِ دل کہے اے داغ کوئی کیوں کر یہ غم سہے اے داغ
کیوں نہ اشکوں میں دل بہے اے داغ عشق میں وضع کیا رہے اے داغ
جب ہمیں پاسِ آبرو ہی نہیں

خمسہ

برغزل حضرت امیر مینائی مرحوم

پریشاں حال ہی سمجھے بیاں حال پریشاں کا گریباں چاک ہے خود ماجرا چاک گریباں کا
عنادل سے پتہ چلتا ہے انوار گلستاں کا مزہ عاشق کے دل سے پوچھ حسنِ شعلہ رویاں کا
تماشا دیکھ پروانوں کی آنکھوں سے چراغاں کا

غضب ہے غیر سے آنکھیں لڑا کر ناز سے چلنا مرے احساس کو غیرت دلا کر ناز سے چلنا
دلِ مشتاق کو وحشی بنا کر ناز سے چلنا مرے ہی سامنے دامن اٹھا کر ناز سے چلنا
مجھی سے پھر گلہ الٹا مرے چاکِ گریباں کا

بنایا جب سے جزوِ زندگی عشقِ بتاں میں نے بیاباں کے ہر اک ذرے کو سمجھا گلستاں میں نے
کیا اپنے نشیمن ہی پہ بجلی کا گماں میں نے معاف اے شیخ دھوکے میں اڑائیں دھجیاں میں نے
ترے خرقے پہ شک گزرا مجھے اپنے گریباں کا

نقاہت۔ ناتوانی دُوریِ منزل خدا حافظ
فضا تاریک طوفاں راہ میں حائل خدا حافظ
لرزتا ہے سفینہ ناخدا غافل خدا حافظ
اُچھلتا ہے کلیجہ ڈوبتا ہے دِل خدا حافظ
سمندر پیرنا ہے جھیلنا شبہائے ہجراں کا

کہاں لکھا تھا قسمت میں کہ نامہ یار کو لکھتا
کہاں مقدورِ عسرت میں کہ نامہ یار کو لکھتا
کہاں مہلت تھی غربت میں کہ نامہ یار کو لکھتا
کہاں ساماں تھا وحشت میں کہ نامہ یار کو لکھتا
دیا قاصد کو پُرزہ پھاڑ کر میں نے گریباں کا

کہیں جھوٹی ہنسی میں رنج کے آزار چھپتے ہیں
کہیں پھولوں کے کھلنے پر چمن میں خار چھپتے ہیں
کہیں پردے میں رہ کر حسن کے انوار چھپتے ہیں
کہیں ضبطِ فغاں میں عشق کے آثار چھپتے ہیں
لبِ خاموش سے پیدا ہے صدمہ دردِ پنہاں کا

نمایاں ہے جہاں میں قدرتِ ربِّ قدیر اس سے
دلوں میں پیار رکھتے ہیں سبھی روشن ضمیر اس سے
مگر اس پر بھی ہیں دہشت زدہ برنا و پیر اس سے
بڑے نادان ہیں جو لوگ ڈرتے ہیں امیر اس سے
اجل تو نام ہے اک زندگانی کے نگہباں کا

خمسہ

(بر غزل حضرت دِل شاہ جہان پوری مرحوم)

کیا کہیں پہنچے کہاں آوارگیٔ دل سے ہم
کس طرح موجوں سے کھیلے رُوٹھ کر ساحل سے ہم
کام لے کر جستجو کے جذبۂ کامل سے ہم
بڑھ گئے ذوقِ نظر کی آخری منزل سے ہم
حسن بن کر خود ہی نکلے پردۂ حائل سے ہم

بدگماں ہوتے ہوئے ہر رہبرِ کامل سے ہم
خود ہی ٹکراتے ہوئے رستے کی ہر مشکل سے ہم
بے خبر ہو کر جنونِ شوق کی منزل سے ہم
مشورے کرتے ہوئے ہر مرحلے میں دل سے ہم
گم ہوئے آخر بھٹک کر جادۂ منزل سے ہم

رہ گزارِ شوق کی تازہ مصیبت دیکھنا
کس طرح ٹوٹی قیامت پر قیامت دیکھنا
دیکھنا آکر کہاں ڈوبی ہے قسمت دیکھنا
دیکھنا دشواریٔ بحرِ محبت دیکھنا
ڈوب کر اُبھرے تو خود ٹکرا گئے ساحل سے ہم

مدّتوں سے یہ رہی ہے سرگزشتِ زندگی
اشک بن بن کر بہی ہے سرگزشتِ زندگی
بارہا ہم نے کہی ہے سرگزشتِ زندگی
اَور کیا کہیے یہی ہے سرگزشتِ زندگی
عشق کے ہر مرحلے میں بے خبر تھے دل سے ہم

حسن محشر خیز طوفانِ عشق بحرِ موج زن
دل شکن گردابِ حرماں عشق بحرِ موج زن
ورطۂ غم دشمنِ جاں عشق بحرِ موج زن
کشتیٔ امید لرزاں عشق بحرِ موج زن
دلِ تلاطم آشنا نا آشنا ساحل سے ہم

ہو گئی راہِ تمنّا میں تمنّا خود اُداس
ہر طرف آثارِ وحشت ہر طرف خوف و ہراس
ہر نفس پیغامِ حسرت ہر نظر دنیائے یاس
انتہائے جستجو میں کھو گئے ہوش و حواس
پوچھتے ہیں راہ ہر گم کردۂ منزل سے ہم

لے ہی آیا رنگ آخر جوشِ الفت کا کمال
ہو گیا ہر بات میں دل بھی ہمارا ہم خیال
عشق کی دنیا میں مشکل سے ملی گی یہ مثال
ایک مرجع ایک مسلک ایک مقصد ایک حال
دل ہمارا ہم نوا ہے بے تکلّف دل سے ہم

وہ چمن کی راحتِ کامل وہ آزادی کے دن
ہم صفیروں کی بھری محفل وہ آزادی کے دن
کر دئے تقدیر نے باطل وہ آزادی کے دن
ہو چکے خواب و خیال اے دل وہ آزادی کے دن
سانس لیتے ہیں قفس میں اب بڑی مشکل سے ہم

خمسہ

بر غزل حضرت جوش ملسیانی

اداے حسنِ رعنا دیکھتا ہوں فضائے عالم آرا دیکھتا ہوں
تجلّی کا تماشا دیکھتا ہوں بہارِ باغِ دنیا دیکھتا ہوں
پری رویوں کا میلا دیکھتا ہوں

صدا سنتا ہوں اُس کی ہر سخن میں نظر آتا ہے وہ ہر پیرہن میں
یہ عالم ہے کہ اب ہر انجمن میں ہوا میں ابر میں گل میں چمن میں
وہی جانِ تمنّا دیکھتا ہوں

نظر مانوسِ رسوائی ہے شاید وہی ہنگامہ آرائی ہے شاید
دلِ بے تاب سودائی ہے شاید گلستاں میں بہار آئی ہے شاید
خرد کو سر بصحرا دیکھتا ہوں

بیاں ہو گرمیِ شوقِ سفر کیا سکونِ دل ہو جوشِ راہ بر کیا
وفورِ شوق ہے وحشت اثر کیا ڈبو دے گا مرا ذوقِ نظر کیا
کہ ہر قطرہ میں دریا دیکھتا ہوں

کہاں ساقی کا لطفِ عام مجھ تک نہ آیا بادۂ گل فام مجھ تک
پہنچتا کاش یہ پیغام مجھ تک خدا جانے کب آئے جام مجھ تک
صفِ آخر میں بیٹھا دیکھتا ہوں

اُمید و یاس وجہِ زندگی ہیں یہی دونوں متاعِ دل کشی ہیں
نگاہیں مضطرب سی ہو گئی ہیں کبھی تصویر پر آنکھیں جمی ہیں
کبھی داغِ تمنّا دیکھتا ہوں

دلِ بے خود ہے جلوؤں سے ہم آغوش
یہ عالم ہے کہ ہوں تصویرِ خاموش
لٹا ہے اے رتن سرمایۂ ہوش
کسی کے قامتِ رعنا میں اے جوش
قیامت کا سراپا دیکھتا ہوں

خمسہ

بر غزل حضرت غالبؔ دہلوی (مرحوم)

ہوئی ہے زندگانی خوار کیا کیا
ملے ہر گام پر آزار کیا کیا
رہی آلام کی بھرمار کیا کیا
ہوس کو ہے نشاطِ کار کیا کیا
نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا

ہوئی یہ بھی کوئی طرزِ جفا کیا
چھپے ہیں اس میں اسرارِ حیا کیا
کبھی تُو نے نہ سمجھی التجا کیا
تغافل پیشگی سے مدعا کیا
کہاں تک اے سراپا ناز کیا کیا

ستم کو کارفرما دیکھتا ہوں
کرم کو بے سروپا دیکھتا ہوں
محبت کا تماشا دیکھتا ہوں
نوازش ہائے بے جا دیکھتا ہوں
شکایت ہائے رنگیں کا گلا کیا

نشاطِ حسنِ رعنا چاہتا ہوں
اُسے بے پردہ دیکھا چاہتا ہوں
تکلّف کو اٹھایا چاہتا ہوں
نگاہِ بے محابا چاہتا ہوں
تغافل ہائے تمکیں آزما کیا

جہاں حرص و ہوا کی دسترس ہے
جہاں بنیادِ الفت بس ہوس ہے
وہاں جنسِ وفا انبارِ خس ہے
فروغِ شعلۂ خس یک نفس ہے

ہوس کو پاسِ ناموسِ وفا کیا

متاعِ حسن وجہِ دل کشی ہے　　شرابِ معرفت دل میں بھری ہے
نفس موجِ محیطِ بے خودی ہے　　نگاہِ جستجو وا ہو چکی ہے
تغافل ہائے ساقی کا گلا کیا

سُن اے مستِ مے نازو ادا سُن　　سُن اے سفاکِ نخوت آشنا سُن
سُن اے غارت گرِ جنسِ وفا سُن　　سُن اے پیماں شکن دل آزما سُن
شکستِ قیمتِ دل کی صدا کیا

یہ افسوں سازِ نگہِ حشر زا کیوں　　یہ غارت گرادائے دل رُبا کیوں
یہ قاتل وعدۂ صبر آزما کیوں　　وفا دشمن یہ شمشیرِ جفا کیوں
یہ کافر فتنۂ طاقت ربا کیوں

نکل جاتی ہے دل کو چیر کر بات　　وہ کرتا ہے ہمیشہ پُر ضرر بات
بلائے جاں ہے غالب اُس کی ہر بات　　ہے سامع کے لئے ناوک اثر بات
عبارت کیا۔ اشارت کیا۔ ادا کیا

خمسہ

بر غزل حضرت دِلؔ شاہجہانپوری

پھر گرم روی کا امتحاں ہے　　پھر شوقِ رہ طلب جواں ہے
مقصود جبیں وہ آستاں ہے　　دلِ ذوقِ نظر سے شادماں ہے
اے خوبیٔ بخت تو کہاں ہے

دیکھو تو یہ اہتمام ہستی　　　کتنا ہے نیا نظام ہستی
اپنا ہے جدا مقام ہستی　　　جب تک ہیں اسیرِ دام ہستی
ہم کو تو قفس ہی آشیاں ہے

درد اور سوا ہوا تو سمجھے　　　وہ محوِ جفا ہوا تو سمجھے
سر نذرِ ادا ہوا تو سمجھے　　　دل صرفِ وفا ہوا تو سمجھے
کیا یہ چیز جنسِ رائیگاں ہے

پہنچے بھی تو کوئی رازِ دل تک　　　ہے جوشِ وفا نیازِ دل تک
نالہ ہے شکستِ سازِ دل تک　　　عالم یہ رہا گدازِ دل تک
رنگینیٔ اشک اب کہاں ہے

معمور ادا تجلّیوں پر　　　آئینہ نما تجلّیوں پر
ہنگامہ فزا تجلیوں پر　　　اِن ہوش رُبا تجلیوں پر
ہم کو تو کچھ اور ہی گماں ہے

خلوت مری انجمن بدامن　　　خاموش دہن سخن بدامن
غربت ہے مری وطن بدامن　　　ہوں دام میں بھی چمن بدامن
دل محوِ خیالِ آشیاں ہے

جب گرمیٔ شوقِ بال و پر ہو　　　آگاہِ جمالِ جیب نظر ہو
جب منظرِ عشق جلوہ گر ہو　　　اسرارِ فنا سے باخبر ہو
پھر لطفِ حیاتِ جاوداں ہے

ہے جوشِ جنوں کا اب یہ حاصل　　　گریہ سے ہے مضمحل مرا دل
کیا تم کو سناؤں حالِ بسمل　　　اشکوں میں ہیں لختِ دل بھی شامل
آغاز یہیں سے داستاں ہے

یہ جوشِ شباب یہ کرشمے　　یہ حُسنِ نقاب یہ کرشمے
جلووں کی یہ تاب یہ کرشمے　　یہ شانِ حجاب یہ کرشمے
مجروحِ ادا ہے جو یہاں ہے

یہ عشق کی رہ گزار اے دلؔ　　یہ رنج کا کوہسار اے دلؔ
یہ ہوش کا انتشار اے دلؔ　　ہنگامِ خرامِ یار اے دلؔ
ہنگامۂ حشر کا گماں ہے

○

۱ جنابِ دلؔ کے فیضانِ سخن پر دِل تصدّق ہے
رتنؔ استاد کے قدموں پہ گِر کر خاکِ پا بن جا

۱ دِل شاہجہانپوری

رُباعیات

کیا خُوب ہے ارشاد یہ اَربابِ ہنر کا
سَو نظم پہ بھاری ہے فقط ایک رُباعی

چشمم ہمہ اشک گشت و جسمم بگریست
در عشق تو بے جسم ہمے باید زیست
از من اثرے نماند ایں گریہ زچیست
چوں من ہمہ معشوق شدم عاشق کیست

(ابو سعید ابوالخیر)

حقائق و معارف

چڑھتے ہوئے دریا کو اترتے دیکھا ‏ ‏ جو ڈوب گیا اس کو ابھرتے دیکھا
مجموعۂ اضداد ہے سارا عالم ‏ ‏ جیتے جسے دیکھا اُسے مرتے دیکھا

کس قہر کا افسونِ محبت دیکھا ‏ ‏ دیکھا جسے مفتونِ محبت دیکھا
اربابِ محبّت کا تو کہنا کیا ہے ‏ ‏ خود حسن کو مرہونِ محبّت دیکھا

مسجد کی تمنّا ہے نہ مندر کی تلاش ‏ ‏ گنگا کی طلب مجھ کو نہ کوثر کی تلاش
حیران ہے میری جستجو پر دنیا ‏ ‏ میں گھر میں ہوں پھر بھی ہے مجھے گھر کی تلاش

معدوم ہوں گو پھر بھی ہویدا ہوں میں ‏ ‏ ہر شکل میں ہر شان میں پیدا ہوں میں
دنیا میں مرا عشق نرالا ٹھہرا ‏ ‏ اپنے پہ رتن آپ ہی شیدا ہوں میں

دانے میں نہاں دام نظر آتا ہے ‏ ‏ آزاد بھی ناکام نظر آتا ہے
یہ کون سا عالم ہے کہ جس عالم میں ‏ ‏ آغاز بھی انجام نظر آتا ہے

جی چاہتا ہے تجھ میں فنا ہو جاؤں ‏ ‏ فانی ہوں مگر شکلِ بقا ہو جاؤں
اپنی بھی خبر نہیں ہے مجھ کو اب تک ‏ ‏ پہچان لوں خود کو تو خدا ہو جاؤں

ہر مرحلۂ غم سے گزر کر دیکھا
تجھ کو مری زندگی نے مر کر دیکھا
ہر رنج میں راحت کا بنا وہ ساماں
آشفتہ نگاہوں نے جو منظر دیکھا

تسبیح کو زنّار کو توڑا میں نے
مُنہ کعبہ و بت خانہ سے موڑا میں نے
بس ایک ہی تصویر ہے آنکھوں میں رتنؔ
آئینۂ دل میں اُسے جوڑا میں نے

بدمست ہے رندی تو ہے تقویٰ بے کیف
بے لطف جو توبہ ہے تمنّا بے کیف
کیوں کر یہ بچے میری نگاہوں میں رتنؔ
بے کیف ہے دنیا کا تماشا بے کیف

رعنائی دنیا سے مجھے پیار نہیں
عقبیٰ سے بھی اب کوئی سروکار نہیں
یہ ننگِ محبّت ہے کہ خود مر جاؤں
مرنے میں مجھے ورنہ کوئی عار نہیں

قطرہ جسے سمجھے تھے سمندر نکلا
ذرّہ جسے جانا شہِ خاور نکلا
ہر جزو حقیقت میں ہے کل کی تصویر
ناچیز بشر خدا کا مظہر نکلا

جب کبر سے انسان جدا ہو جائے
عقدہ جو حقیقت کا ہے وا ہو جائے
بننا ہو جسے خلق میں مخدوم رتنؔ
خود صاحبِ تسلیم و رضا ہو جائے

پستی میں بلندی کا نشاں ملتا ہے
مٹ کر ہی سکونِ دل و جاں ملتا ہے
ہوں خاکِ رہِ عشق رتنؔ میں جب سے
فردوس کا عیشِ جاوداں ملتا ہے

کیوں گردشِ قسمت کا گلا کرتا ہے — کیوں چاک گریبانِ وفا کرتا ہے
ناکامئ پیہم کے خدا سے شکوے — جو کچھ بھی وہ کرتا ہے بجا کرتا ہے

دھوکے کے سوا یہ بزمِ دُنیا کیا ہے — اعمال کا انجام ہے عقبیٰ کیا ہے
جو ذات ہے تعریف کی حد سے باہر — سب کچھ ہے وہی بس اور کہنا کیا ہے

گو ذرّہ ہوں لیکن شہِ خاور ہوں میں — ہر شکل میں اک جلوۂ داور ہوں میں
میں کچھ بھی نہیں اور ہوں پھر بھی سب کچھ — اس ہستئ فانی پہ نچھاور ہوں میں

قطروں میں سمندر بھی رواں ملتا ہے — ذرّات میں خورشید عیاں ملتا ہے
کیوں ناز نہ ہو خاک نشینی پہ مجھے — اس خاک میں جنت کا نشاں ملتا ہے

جنّت کی تمنّا میں کوئی مرتا ہے — دوزخ کی سزاؤں سے کوئی ڈرتا ہے
بڑھ جاتا ہے جو ان کی حدوں سے آگے — دیدار حقیقت کا وہی کرتا ہے

دُنیا کی نمائش ہے نمودِ بے بود — معدوم ہے جو کچھ بھی یہاں ہے موجود
خواہش ہے بقا کی تو فنا میں ڈھونڈو — محدود حیات میں کہاں لامحدود

ہر شے میں وہی جانِ تمنّا دیکھا — پردوں میں بھی سو بار ہویدا دیکھا
اُس آنکھ کو ہم آنکھ سمجھتے ہیں رتن — جس نے وہ نظر نہ آنے والا دیکھا

دراصل مرے ہونے نے کھویا مجھ کو — دراصل اُبھرنے نے ڈبویا مجھ کو
عصیاں کی کثافت کو کثافت سمجھا — دیکھا تو اسی میل نے دھویا مجھ کو

آلام میں خوشیوں کا مزا پاتا ہوں — خوشیوں ہی میں بدمست ہوا جاتا ہوں
دُنیا سے مرے جانے پہ کیوں روتے ہو — آتا ہوں عدم سے میں ابھی آتا ہوں

ہنس ہنس کے ہلاہل کو پئے جاتا ہوں — دُشوار کو آسان کئے جاتا ہوں
جیتے جی جو مرتا ہے وہی جیتا ہے — مرنے کی تمنّا میں جئے جاتا ہوں

اے دوست تجھے یاد کئے جاتا ہوں — اُمیّد کو تسکین دئے جاتا ہوں
اعجاز سراپا ہے تمنّا تیری — آغوشِ اجل میں بھی جئے جاتا ہوں

کعبہ کی ضرورت ہے نہ بت خانے کی — موسیٰ کی نہ کچھ طور کے افسانے کی
عرفانِ حقیقت کی تجلی کے لئے — ہمّت مجھے درکار ہے پروانے کی

جو ڈوب گیا اُس کو اُبھرنا ہو گا — چڑھتی ہوئی آندھی کو اُترنا ہو گا
ہستی کی حقیقت کو سمجھنا ہے اگر — مرنے سے بھی پہلے تجھے مرنا ہو گا

مرنے سے ہر انسان کو ڈرتے دیکھا — ہر وقت دعا جینے کی کرتے دیکھا
جینا بھی تو آسان نہیں ہے کوئی — جینے کے لئے موت کو مرتے دیکھا

ہر جزو میں کل جلوہ نما ملتا ہے
بندے میں نہاں نورِ خدا ملتا ہے
دیکھے بھی کوئی غور کی آنکھوں سے رتن
آغاز میں انجام چھپا ملتا ہے

کیا بات ہے ہر بات کا لطف آتا ہے
روتا ہوں تو برسات کا لطف آتا ہے
ہوتی ہیں تصوّر میں بھی اُن سے باتیں
فرقت میں ملاقات کا لطف آتا ہے

لولاک کا فرمان ہے ہستی میری
الفت نے بسا رکھی ہے بستی میری
افسوس مجھے حکمِ ازل یاد نہیں
لے جائے گی دوزخ میں یہ پستی میری

آرام کو آلام کا مصدر پایا
آلام میں آرام کو مضمر پایا
آغاز میں انجام کی صورت دیکھی
انجام کو آغاز کا رہبر پایا

پینے کی تمنّا ہے پلا دے ساقی
دیوانۂ ہشیار بنا دے ساقی
بڑھ جائے نظر کون و مکاں سے آگے
لاہوت کے انوار دکھا دے ساقی

سمجھے تھے جسے صدق وہ باطل نکلا
ناقص کو جو پرکھا تو وہ کامل نکلا
امواج کی آغوش میں تسکیں پائی
ساحل بھی حقیقت میں نہ ساحل نکلا

کلفت میں جو آرام ہے راحت میں کہاں
عسرت میں جو عشرت ہے فراغت میں کہاں
خلوت کو بیابان سمجھنے والو
خلوت میں جو رونق ہے وہ جلوت میں کہاں

حاصل کی طلب کا لطف حاصل میں کہاں
ارمان ہیں جو راہ میں منزل میں کہاں
بے سود ہے ساحل کی تمنّا بے سود
طوفان میں جو بات ہے ساحل میں کہاں

تیرا ہی رہوں گا میں تیرا ساقی
ہاں تو کبھی تو کہہ دے تو ہے میرا ساقی
مر کر بھی نہ اُٹھے گا یہ تیرے در سے
بس ڈال لیا رتن نے ڈیرا ساقی

راحت کے لئے خواہشِ راحت چھوڑو
تسکیں کے لئے شکوۂ قسمت چھوڑو
جو چاہو کرے تم سے محبّت دُنیا
تو شوق سے دُنیا کی محبّت چھوڑو

بڑھ جائے جو غم حد سے تو راحت سمجھو
راحت کی نہایت کو مصیبت سمجھو
قسمت کی حقیقت جو سمجھنی ہو رتن
اعمال کے انجام کو قسمت سمجھو

ہستی

ہر ایک ہے دنیا میں غرض کا بندا
چلتا ہے اسی ڈھرّے پہ سارا دھندا
جز مرگ نہیں اس سے رہائی ممکن
ہستی ہے فقط حرص و ہوا کا پھندا

سوچا سمجھا بہت حسابِ ہستی
پڑھنے کی طرح پڑھی کتابِ ہستی
آخر یہ کھلا کہ بس ہوا باندھی ہے
اترائے نہ اس قدر حبابِ ہستی

بے کیف سراسر ہے شرابِ ہستی
تعبیر سے بے بہرہ ہے خوابِ ہستی
ہستی کی جوانی پہ اُچھلنے والو
پیری سے بھی بدتر ہے شبابِ ہستی

ہے موت سے بھی سخت وبالِ ہستی
جُز خاک نہیں کچھ بھی مآلِ ہستی
ہستی کی ستائش ہے سراسر بے سود
ناقص سے بھی ناقص ہے کمالِ ہستی

کہتے ہیں جسے لوگ کمالِ ہستی
وہ میری نظر میں ہے زوالِ ہستی
ہستی کی ہے یہ شان بقا بن جائے
ہستی ہے رتن ورنہ وبالِ ہستی

حیران ہوں دیکھ کر نظامِ ہستی
ہے موت کے ہاتھوں میں زمامِ ہستی
ہستی کے طلبگار یہ دل پر لکھ لیں
آغوشِ فنا میں ہے مقامِ ہستی

انسان

پنڈت کا دھرم شیخ کا ایمان نہیں
قالب تو ہیں دوان میں مگر جان نہیں
رہ زن ہے کوئی اور ہے کوئی قاتل
انسان حقیقت میں اب انسان نہیں

جو کفر کو شرمائے وہ ایمان ہے تو
ہر عیب پہ جان و دل سے قربان ہے تو
کردار سے حیوان نظر آتا ہے
پھر کون یہ مان لے کہ انسان ہے تو

ظالم ہے ستم کیش ہے خونخوار ہے تو
احسان فراموش ہے عیّار ہے تو
اس پر بھی تعجب ہے مجھے اے انساں
عیبوں پہ ستائش کا طلب گار ہے تو

موقوف عمل پر ہے ہنر کی قیمت
بڑھتی ہے سخاوت ہی سے زر کی قیمت
بے کار ہے جھنکارِ سیم و زر کی
اعمال بتاتے ہیں بشر کی قیمت

سلطان بنے کوئی کہ خاقان بنے
یا ملکِ ملائک کا نگہبان بنے
اِس پر بھی بہت دور ہے اِس کی منزل
انسان پہ واجب ہے کہ انسان بنے

بازار میں انسان کو بکتے دیکھا
اخلاق کو ایمان کو بکتے دیکھا
دُنیا کی یہ بیباک نگاہی توبہ
ہر بات میں بھگوان کو بکتے دیکھا

انسان ہے دستورِ وفا سے غافل
اعمالِ قبیحہ کی سزا سے غافل
بندے سے تو ہر بات میں سب ڈرتے ہیں
بندہ ہے مگر خوفِ خدا سے غافل

اِفلاس

اللہ رے غریبوں کی نرالی دُنیا
ہے چرخِ بریں سے بھی یہ عالی دُنیا
ہے دولتِ دیں فقط غریبوں کے لئے
اس شے سے ہے زردار کی خالی دُنیا

دُنیا میں کوئی مفلس و نادار نہ ہو
لاحق دل کو کبھی یہ آزار نہ ہو
افلاس کا پھندا ہے قضا کا پھندا
دشمن بھی اس میں گرفتار نہ ہو

افلاس کی آفت سے بچانا یارب
یہ غم یہ مصیبت نہ دکھانا یارب
اپنے بھی تو بیگانے نظر آتے ہیں
اتنا مجھے بے کس نہ بنانا یارب

افلاس کو کہتے ہیں کہ آفت ہے یہ
زحمت ہے مصیبت ہے قیامت ہے یہ
جب پردہ حقیقت کا اٹھا تو دیکھا
آرام ہے راحت ہے مسرت ہے یہ

مفلس سے تونگر کو ہے نفرت کیسی
مفلس کو تونگر سے شکایت کیسی
یکساں ہیں رتنؔ خاک میں مل کر دونوں
ہر روز کی باہم یہ خصومت کیسی

نادار کا جینا بھی کوئی جینا ہے
بس رنج والم ہی اِس کا روزینہ ہے
نفرت ہے غریب سے قضا کو بھی رتنؔ
ہر ایک کے دل میں بسیرا ہے کینہ ہے

افلاس کا عالم ہے نرالا عالم
ہر وقت وہی گریہ وہی نالۂ غم
امیدِ مسرّت کی نہ عشرت کی طلب
زخمِ دل کا فقط نمک ہے مرہم

کہتے ہیں کہ افلاس بُرا ہوتا ہے
طوفانِ غم و یاس بُرا ہوتا ہے
افلاس کو سمجھو نہ بُرا تم ہرگز
افلاس کا احساس بُرا ہوتا ہے

داستانِ غم

ہے وقفِ الم ہستیٔ فانی میری
اِک نالۂ پُرغم ہے جوانی میری
ہر لفظ پہ اِک حشر بپا ہوتا ہے
کیا خاک سنے کوئی کہانی میری

افسانۂ رنج و سرگرانی ہوں میں
آلام و مصائب کی نشانی ہوں میں
سنتے ہیں جگر تھام کے سننے والے
جو محشرِ غم ہے وہ کہانی ہوں میں

اتنا نہ ستا اے شبِ فرقت مجھ کو
ملنے بھی دے آلام سے فرصت مجھ کو
اتنا بھی غنیمت ہے ابھی جیتا ہوں
پائے گی سحر تک نہ سلامت مجھ کو

گم نام ہوں پابندِ قناعت ہوں میں
ناقدریٔ عالم کی حقیقت ہوں میں
جینے کا یہی ایک سہارا ہے رتنؔ
احباب کا مرکزِ محبّت ہوں میں

ہر ایک الم خوشی خوشی سہنا ہے
لے جائے جدھر موج اُدھر بہنا ہے
بے سُود ہیں اے دل یہ ہمارے شکوے
جس حال میں وہ رکھے ہمیں رہنا ہے

مرنے کی تمنّا میں جیئے جاتا ہوں
کرنے کا ہے جو کام کئے جاتا ہوں
قسمت نے کیا چاک مرا دامنِ دل
تدبیر کی سوزن سے سیئے جاتا ہوں

سُنتا ہوں کہ ہر درد کا درماں تُو ہے
بے یار کا بے کس کا نگہباں تو ہے
آ! اپنے رتنؔ پر بھی کرم کر یا رب
بدبخت و زبوں حال کا پُرساں تو ہے

تقدیر نے پہلے تو بصارت چھینی
لاغر سے بدن میں تھی جو طاقت چھینی
اِس پر بھی نہ کم بخت کا ارماں نکلا
اب قہر یہ ڈھایا کہ سماعت چھینی

کیا رنگ دکھاتا ہے مقدر مجھ کو
گھر ہوتے ہوئے رکھتا ہے بے گھر مجھ کو
گزری تھی جوانی تو مصیبت میں رتنؔ
پیری میں بھی ڈھونے پڑے پتھر مجھ کو

آلام کی انکار کی دُنیا ہوں میں
ادبار کا افلاس کا نقشا ہوں میں
ایسے میں بھی ہے ناز غریبی پہ مجھے
ایسے میں بھی یارب ترا جویا ہوں میں

قسمت نے کوئی چاک بھی سینے نہ دیا
پانی تو کہاں اشک بھی پینے نہ دیا
مرمر کے جئے اور مرے جی جی کر
جینے نے ہمیں جیتے جی جینے نہ دیا

تقدیر و تدبیر

تخریب میں تعمیر کو پنہاں دیکھا
ظلمت ہی میں تنویر کو پنہاں دیکھا
اے شومیٔ تقدیر کو رونے والو
تدبیر میں توقیر کو پنہاں دیکھا

تقدیر کا رونا بھی عجب رونا ہے
بے سود یونہی جانِ حزیں کھوتا ہے
انسان کو لازم ہے توکّل ہی رتنؔ
ہونا ہے جو ہر حال میں وہ ہونا ہے

کیوں شومیٔ تقدیر کی شدّت کہئے
کیوں چرخِ ستمگر کی عداوت کہئے
ہم خود ہی بناتے ہیں مقدّر اپنا
اعمالِ گزشتہ ہی کو قسمت کہئے

دُنیا میں رہو شانِ محبّت بن کر
محفل میں رہو عین صداقت بن کر
راحت کی تمنّا ہے اگر دل میں رتنؔ
چھا جاؤ مصیبت پہ مصیبت بن کر

پیروں سے پہاڑوں کو مسل دیتے ہیں
اُٹھتے ہوئے فتنوں کو کچل دیتے ہیں
جو لوگ ہیں دنیا میں رتنؔ ہمّت والے
تدبیر سے تقدیر بدل دیتے ہیں

ہر چیز کی تاثیر بدل سکتی ہے
ہر خواب کی تعبیر بدل سکتی ہے
لکھّا نہیں مٹتا کبھی پیشانی کا
یہ جھوٹ کہ تقدیر بدل سکتی ہے

کیوں اپنے مقدّر کا گلہ کرتے ہو　　الزام کسی اور کے سر دھرتے ہو
وہ ہو نہ سکے رتنؔ تمھارے اب تک　　سو جان سے تم جن کے لئے مرتے ہو

ماتھے کی نہ تحریر بدلتی دیکھی　　منحوس گھڑی سر سے نہ ٹلتی دیکھی
قسمت سے رتنؔ جب کبھی بُرے دن آئے　　تقدیر کی تدبیر نہ چلتی دیکھی

ناکامئ تقدیر کا شکوا نہ کرو　　ہم دردئ چارہ گر گوارا نہ کرو
راحت کی تمنّا ہے اگر تم کو رتنؔ　　بھولے سے کبھی راحت کی تمنّا نہ کرو

اگست ۱۹۴۷ء

پنجاب میں یہ خون کی ہولی توبہ　　پھر موت کی یُوں آنکھ مچولی توبہ
بدلی ہیں زمانے کی نگاہیں کیسی　　اخلاص کے پہلُو میں قرولی توبہ

نازل ہے یہ کیا قہرِ الٰہی توبہ　　ہر سمت قیامت کی تباہی توبہ
اِن فرقہ پرستوں سے بچانا یارب　　مذہب کے لِئے پست نگاہی توبہ

رنگِ زمانہ

دُنیا میں وہ پہلا سا زمانہ نہ رہا　　الفت تو کہاں اس کا فسانہ نہ رہا
بھائی کی مصیبت پہ ہے بھائی نازاں　　بیگانے ہیں سب کوئی یگانہ نہ رہا

ہندو کو مسلمان سے یہ بیر ہے کیا　　ہر وقت نزاعِ حرم و دیر ہے کیا
جب ایک ہی کان کے ہیں جوہر دونوں　　پھر یہ بحثِ یگانہ و غیر ہے کیا

مذہب سے تعلق ہے نہ ملت سے غرض
لے دے کے ہے اک بغض و عداوت سے غرض
مسلم کو ہے ہندو کی رقابت کا خیال
ہندو کو مسلماں کی شکایت سے غرض

افسوس مٹی جاتی ہے اب ہستئ قوم
ہے دشمنِ عقل و ہوش بدمستئ قوم
پستی کو بھی ہوتی ہے ندامت اِس سے
دیکھے تو کوئی آکے رنگِ پستئ قوم

آزاد ہوئے پھر بھی ہم آزاد نہیں
حاصل ہے خوشی اِس پہ بھی دِل شاد نہیں
ظاہر میں تو آباد نظر آتے ہیں
باطن میں ہم ایسا کوئی برباد نہیں

دُنیا میں کوئی عدل کی میزان نہیں
معصوم و خطا کار کی پہچان نہیں
اچھّوں کو سزا اور بُروں کو انعام
بھگوان بھی شاید اب وہ بھگوان نہیں

متفرق

کچھ لذّتِ اشعار کی خواہش لائی
کچھ خوبئ گفتار کی خواہش لائی
مَیں اور یہ رنگین مجالس توبہ
احباب کے دیدار کی خواہش لائی

ہے عرضِ تمنّا کی تمنّا دل میں
موّاج ہے جذبات کا دریا دل میں
کھولی ہے زباں کشفِ حقیقت کے لئے
جو سر میں تھا اب ہے وہی سودا دل میں

ذیل کی رباعی سنہ ۱۹۶۱ء مشاعرہ ننگل سبھا کرڈھ کی اسٹیج پر
فی البدیہہ پڑھی گئی۔

صد شکر کہ اب ہم نے بھی ننگل دیکھا
اس خاک پہ جنگل میں یہ منگل دیکھا
ہر شے کو یہاں دیکھ کے کہتا ہوں رتن
تدبیر کا تقدیر سے دنگل دیکھا

۴ مئی ۱۹۶۲ء مشاعرہ بزم ادب شملہ میں فی البدیہہ موزوں ہوئی۔

اے حسنِ نظر کتنا حسیں ہے شملہ
کیا حور کا چہرہ تو نہیں ہے شملہ؟
کوثر میں دُھلی دیکھی ہے ہر چیز رتن
بس کہہ دے کہ فردوسِ بریں ہے شملہ

---

۵ جون ۱۹۶۲ء مشاعرہ سمر فیسٹی ول شملہ میں فی البدیہہ پڑھی گئی

ہے جون کی گرمی میں بھی ٹھنڈا شملہ
نقشہ ہے کسی آہ رسا کا شملہ
ہر سنگ میں ہیں حسن بتاں کے جلوے
دستارِ محبت کا ہے شملہ شملہ

ذیل کی رُباعی ۲۵ جون ۱۹۶۴ء مشاعرہ سولن میں فی البدیہہ پڑھی گئی۔

پُرامن ہے کیا آج ہماچل پردیش
ہے رام کا ہی راج ہماچل پردیش
میں دیکھ کے ماحول کو کہتا ہوں رتن
بھارت کا ہے سرتاج ہماچل پردیش

ذیل کی رباعی ۱۱ر اکتوبر ۱۹۶۹ء مشاعرہ بزم ادب شملہ میں فی البدیہہ پڑھی گئی۔

پھر شوق[1] نے شملے میں بلایا مجھ کو
یوں فرش سے تا عرش اٹھایا مجھ کو
تسلیم بجا لاؤں نہ کیوں میں پہلے
تہذیب نے یہ راز بتایا مجھ کو

اپریل ۱۹۷۰ء میں احباب شملہ نے مشاعرہ پر مدعو کیا۔ آشوب چشم کے باعث حاضر نہ ہو سکنے کی معذرت ذیل کی رباعی میں پیش کی گئی۔

آنکھوں کی خرابی کے سبب آ نہ سکا
احباب کی صحبت کا مزا پا نہ سکا
وعدہ یہ رہا آپ سے سالِ دیگر
آؤں گا اگر عدم کو میں جا نہ سکا

[1] سر یش چندر شوق

قطعاتِ تاریخ اُردو

قطعہ تاریخ ولادت فرزند پنڈت دینا ناتھ رئیس سری ہرگوبند پور

جس کو کہتے ہیں گلستانِ نشاطِ زندگی — آج فردوسِ نظر ہے مرحبا صد مرحبا
نور برساتی ہوئی آئی ہے صبحِ انبساط — ہر جھلک راحت اثر ہے مرحبا صد مرحبا
ذرّہ ذرّہ بن گیا تصویرِ گلزارِ ارم — جلوۂ گُل جوش پر ہے مرحبا صد مرحبا
کوئی دیکھے تو یہ فطرت کی مسرّت خیزیاں — عیش ہر جا جلوہ گر ہے مرحبا صد مرحبا
ایک جانب خوش نصیبی پر ہے مادر شادکام — اک طرف شاداں پدر ہے مرحبا صد مرحبا
کیوں نہ اُمیدوں کا گلشن رشکِ صد فردوس ہو — نخلِ خواہش باثمر ہے مرحبا صد مرحبا
دہر میں ہیں بارشِ انوار کی شادابیاں — سامنے نورِ نظر ہے مرحبا صد مرحبا
ہو عطا ننھے کو یارب خضر کی عمرِ طویل — یہ دعائے ہر بشر ہے مرحبا صد مرحبا
کہہ دیا میں نے بھی یہ سالِ ولادت اے رتنؔ — گود میں لختِ جگر ہے مرحبا صد مرحبا

سمبت ۱۹۹۴ بکرم

قطعہ تاریخ وفات پنڈت متھرا داس بھاردواج والدِ مغفور راقم الحروف

اک قیامت خیز نظّارہ ہے کیوں پیشِ نظر — خون بن کر کیوں ٹپکتا ہے دلِ رنجور حیف
دم زدن میں ہو گئی تاریک کیوں دُنیا مری — کس لیے چشمِ تمنّا آج ہے بے نور حیف
اقربا روتے ہیں بھائی مائلِ فریاد ہیں — ہے صدائے شور و شیون سے فضا معمور حیف
صبر کی تلقین کرتے ہیں مجھے سب کس لئے — تعزیت کا ہو رہا ہے کس لئے مذکور حیف
ہاتھ سے جاتا رہا کیوں رشتۂ ضبط فغاں — بن گیا زخمِ جگر منت کشِ ناسور حیف
اُٹھ گیا افسوس دل سوزی کا ساماں اٹھ گیا — ظلِّ صد الطاف سر سے ہو گیا ہے دور حیف
انبساط و عیش و فرحت کے وہ ایّام سعید — شومیِ قسمت سے ہیں غم کی شب دیجور حیف
ساتھ لے جاتے مجھے تو کام آتا آپ کے — ہائے یہ پیرانہ سالی اور راہِ دور حیف

کیوں نہ ہو معدوم پھر تابِ شکیبائی رتنؔ
مرگ کے پھندے میں ہیں اب والدِ مغفور حیف

سمبت ۱۹۹۴ بکرم

قطعہ تاریخ اشاعت بادۂ سرجوش دیوان اوّل حضرت جوش ملسیانی

مژدہ اے مستانِ صہبائے سخن
ابرِ رحمت مے کدہ بردوش ہے

کس قدر دل کش ہے عالم کی فضا
آج فطرت شاہدِ گل پوش ہے

باعثِ حیرت ہوا سیلابِ نور
برقِ سینا بھی لب خاموش ہے

کس قدر ہے تند صہبائے سخن
پینے والا کیف سے مدہوش ہے

گونج اُٹھے ہر سمت نغماتِ سروش
سامعہ پرور کلامِ جوش ہے

یادگارِ داغ ہے جن کا سخن
شاعری جن کی فصاحت کوش ہے

معنیٔ رنگیں میں یہ سوز و گداز
عشق سے اب حسن ہم آغوش ہے

مصرع مصرع پر تڑپ اٹھتا ہے دل
داستانِ جوش کیا پر جوش ہے

رُوح کی تسکیں تصوّف کا بیاں
نغمۂ فطرت نشاط گوش ہے

بھر دیا کتنا اثر جذبات میں
دردِ الفت بھی سراپا گوش ہے

یوں کہو تاریخِ دیواں اے رتنؔ
جام غرقِ بادۂ سرجوش ہے

سنہ ۱۹۴۰ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات راشٹرپتا مہاتما گاندھی

جب سے گاندھی جی سدھارے اُف غضب
بزمِ ماتم بن گئی بزمِ جہاں

پڑ گئی پھیکی جواہر کی چمک
محوِ گریہ ہے پٹیلؔ خستہ جاں

ہو گئے آزاد پابندِ الم
اور دیویؔ داس ہیں ماتم کناں

لٹ گیا سرمایہ بھارت ورش کا — گر پڑا گویا زمیں پر آسماں
جان دی آخر وطن کے واسطے — رہتی دنیا تک رہے گا یہ نشاں
آہ! مظلوموں کا تکیہ اُٹھ گیا — اب سُنے گا کون آہ بے کساں
ہند کو داغِ یتیمی مل گیا — کب سنبھل سکتا ہے یہ بار گراں
آکے آزادی اجل کے رُوپ میں — کر گئی باپو کو جنت آشیاں
پھر نہ پیدا ہو سکے گا دہر میں — ایسا کامل۔ عدل پرور۔ مہرباں
ایک تھے جس کے لیے چھوٹے بڑے — کیوں نہ روئیں اس کو سب پیر و جواں
سالِ رحلت تو بھی لکھ دے اے رتن — بن گیا اب غم کا گھر ہندوستاں

۱۹۴۸ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات جناب مرلی دھر شاد دہلوی مالک دہلی کلاتھ ملز

شاد صاحب اس جہاں سے چل بسے — ہو گئے ناشاد سب اہل وطن
موت کے ہاتھوں جوانی لٹ گئی — زندگی کو کر گئی صرفِ محن
رنج ہے دہلی سے لائل پور تک — ہند و پاکستاں ہیں اک دار المحن
ناگہاں برق فنا ایسی گری — راکھ جل کر ہو گیا سارا چمن
کیا سفر میں موت بھی تھی ہم سفر — وقت پا کر جو ہوئی ناوک فگن
اُف یہ دار و گیر دنیا ہیچ ہے — ہیچ ہے یہ زندگی کی انجمن
ان کی موت اردو ادب کی موت ہے — مضطرب پھر کیوں نہ ہوں اہل سخن
اُٹھ گئی شاعر نوازی اُٹھ گئی — لٹ گئی شعر و سخن کی انجمن
سالِ رحلت بھی ہے رنج افزا رتن — غم کی محفل آج ہے بزم سخن

سمبت ۲۰۰۶ بکرم

قطعہ تاریخ ری پبلک ڈے

خوشی پھیلی وطن میں آگیا پیغام آزادی
زہے قسمت مٹا نام غلامی اب مبارک ہو

کبھی جو فرطِ نخوت سے فلک پر ناز کرتا تھا
ملا وہ خاک میں یا ہم غلامی اب مبارک ہو

جو زہرِ آب تشدّد سے کبھی لبریز رہتا تھا
وہ ٹکڑے ہو گیا جام غلامی اب مبارک ہو

کبھی ہم حریّت کی صبح خنداں کو ترستے تھے
مٹی تاریکیٔ شام غلامی اب مبارک ہو

نشاطِ جاودانی بن کے آیا دورِ آزادی
ہوئے ہیں ختم ایّام غلامی اب مبارک ہو

رتن یہ سال بکرم تم بھی لکھ دو اس مسرت میں
کٹا ہے قوم کا دام غلامی اب مبارک ہو

سمت ۲۰۰۶ بکرم

قطعہ تاریخ جشن جمہوریت

وطن کے میکدے میں بارش انوار تو دیکھو
دیا ہے ساقیٔ فطرت نے بھر کر جام آزادی

جسے فرشِ زمیں کرنے کی ٹھانی تھی غلامی نے
نظر آتا ہے ہم دوشِ فلک وہ بام آزادی

شہیدانِ وطن کا خون ناحق رنگ لے آیا
غلامی کے گلے پر چل گئی صمصام آزادی

وہ جلوے جو فریب شوق کی حد سے نہ بڑھتے تھے
سمائے آج دل میں بن گئے انعام آزادی

مٹی محکومیت جمہوریت آئی ہے بھارت میں
طرب افزا ہوا ہے آج فیض عام آزادی

اثر ہے یہ محبانِ وطن کی سرفروشی کا
دیا ہے دستِ قدرت نے ہمیں انعام آزادی

تلاطم خیز طوفاں گو ہمارے سر سے گزرے ہیں
مگر اب بھول جاؤ ان کو لے کر نام آزادی

خوشی بن کر بسی رعنائیٔ حبِّ وطن دل میں
مبارک تم کو اے اہلِ وطن ایام آزادی

رتن بھی کہہ کے لایا مصرع تاریخ برجستہ
دیا تقدیر نے اے ہند یہ پیغام آزادی

۱۹۵۰ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات برادر عزیز پنڈت امرناتھ بھاردواج

امنڈ آیا ایک لحت طوفان ماتم — یہ کیا دیکھتا ہوں یہ کیا ماجرا ہے
عجب بے کسی ہے عجب بدنصیبی — کہ بھائی نے ہم سے کنارا کیا ہے
رہائی کی کوشش نہ دام کیا ہو — مقدّر نے بے بال و پر کر دیا ہے
بڑے اپنے ہاتھوں سے چھوٹوں کو پھونکیں — یہ حکم قضا ہے یہ قہر خدا ہے
قیامت ہیں بدبخت مادر کی آہیں — زمیں پر فلک ٹوٹ کر آ رہا ہے
یہاں مشتری کی بھی کیا بن پڑے گی — زحل برج منحوس میں آ پڑا ہے
یہی زندگی ہے تو موت اس سے اچھی — ہر اک گام پر خوف تیر قضا ہے
کوئی اندھی ماں کا کلیجہ تو دیکھے — بڑھاپے میں جس کا عصا چھن گیا ہے
لٹی اک جواں کی متاع جوانی — یہ آفت مجھے بھی پیام قضا ہے
کوئی ایسے مردے کو روئے کہاں تک — جو پردیس میں ناگہاں مر چکا ہے
جہان محبت سے بیزار ہے دل — نگاہوں میں تاریک تر ہر فضا ہے
عدم کا نمونہ ہے دنیا سراسر — فنا ابتدا ہے فنا انتہا ہے
عبادت پہ مفتون تھا مرنے والا — عبادت کا یارب یہ اچھا صلا ہے
رتن کہہ دے بھائی کا یہ سال رحلت — امرناتھ باغ جناں میں گیا ہے

سنہ ۱۹۵۰ء عیسوی

قطعہ تاریخ وفات شری ولبھ بھائی پٹیل

اب نہیں موجود محفل میں پٹیل — حیف وہ گردوں وقار آج اٹھ گیا
آہ وہ سردار محبوب وطن — کر کے سب کو سوگوار آج اٹھ گیا

ہوگئی ماتم زدہ جمہوریت
وہ جری وہ شہ سوار آج اُٹھ گیا

مضطرب ہے مادرِ ہندوستاں
اُس کا وہ خدمت گزار آج اُٹھ گیا

موت نے بھارت کی قسمت لُوٹ لی
باعثِ صد افتخار آج اُٹھ گیا

چل بسے ہیں آہ تیس انسان بھی
زندگی کا اعتبار آج اُٹھ گیا

خون روئے کیوں نہ اب چشمِ وطن
جس سے تھا دل کو قرار آج اُٹھ گیا

شمعِ آزادی کا پروانہ تھا وہ
ملک پر ہو کر نثار آج اُٹھ گیا

مصرعِ تاریخ یہ لکھ دو رتنؔ
قوم کا اِک غم گسار آج اُٹھ گیا

۱۹۵۰ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات والدہ محترمہ و مکرمہ راقم الحروف

سمجھے ہوا تھا دولتِ کونین میں جسے
وہ زندگی جہان میں ناکام ہوگئی

چرخِ ستم شعار نے ڈھائے ہیں وہ ستم
معصوم جان مورِدِ آلام ہوگئی

دنیا مِری نگاہ میں تاریک و تار ہے
صد حیف صبحِ عیش و طرب شام ہوگئی

دستِ قضا نے چھین لی افسوس ماں کی گود
اب مطمئن حیاتِ بد انجام ہوگئی

رکھے گا میرے سر پہ محبّت کا ہاتھ کون
جو بھی اُمید دل میں تھی ناکام ہوگئی

فرطِ غمِ فراق میں صد چاک ہے جگر
ہر سانس میرے واسطے صمصام ہوگئی

اِک سمت جامِ عیش ہی لبریز ہو گیا
اِک سمت خود حیات تہی جام ہوگئی

آیا بسنت موت کا ساماں لیے ہوئے
گویا یہ ابتدا الم انجام ہوگئی

درگاہِ حق سے داغِ یتیمی ملا مجھے
میری دُعا بھی آرزوئے خام ہوگئی

دیکھے کوئی یہ گردشِ ایّام کا اثر
خود زندگی بھی گردشِ ایّام ہوگئی

دُنیا میں پھول اور مِرے گھر یہ گل کھلا
صبحِ بہار ظلمتِ صد شام ہوگئی

چُنتا ہوں ماں کے پھول شروعِ بہار میں
فصلِ بہار مرکزِ آلام ہو گئی

پھولوں میں ماں کے سُرخیٔ تقدیس دیکھئے
مرگھٹ کی سرزمین بھی گل فام ہو گئی

اللہ رے یہ پھول مقدّس ہیں کس قدر
ہر موجِ گنگ خلد کا پیغام ہو گئی

کہئے رتنؔ بسنت میں سالِ وفات یوں
کثرت گلوں کی باعثِ آلام ہو گئی

۲ ۵ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات عزیزہ دل کشا

دختر حضرت عبرتؔ صدیقی بریلوی

اُٹھتی ہے آہ پھر دلِ حسرت نصیب سے
چرخِ ستم شعار نے ڈھایا نیا ستم

وہ دل کشاؔ جو دیدۂ عبرتؔ کا نور تھی
افسوس ہے کہ آج ہوئی عازمِ عدم

بیٹی کے غم میں باپ ہے مغموم اک طرف
اِک سمت ماں کو گود کے لٹنے کا ہے الم

وہ شعر گو تھی اور ادیبِ لبیب تھی
خاموش ہے زبان شکستہ ہے اب قلم

صدمہ ہے جاں گداز جوانی کی موت کا
حکمِ خدا کے سامنے ہر اک کا سر ہے خم

سالِ وفات خود ہی یہ کہنے لگا رتنؔ
اب دل کشا کی موت کا چھایا ہوا ہے غم

۲ ۵ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات رام بابو سکسینہ

پھیلی خبر کہ حضرتِ سکسینہ چل بسے
ماتم کا شور بزمِ ادب میں بپا ہوا

اُردو زباں کی شومیٔ قسمت نہ پوچھئے
جب غم کی انتہا ہوئی غم خوار اٹھ گیا

صد حیف آج محفلِ احباب میں نہیں
وہ پاسبانِ ادب کا محقّق زبان کا

ارباب فن تڑپ اُٹھے دردِ فراق سے
نقشہ فریبِ زیست کا آنکھوں میں پھر گیا
تاریخِ عیسوی یہ لکھی میں نے اے رتنؔ
افسوس آج مر گیا اُردو کا غمزدہ رُبا

۷ ۵ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات پنڈت ہری چند اختر

جب ازل میں زندگی زندہ ہوئی
ساتھ ہی پیدا ہوئی اس کے قضا
ایک جانب زندگی کی راحتیں
ایک جانب منتظرِ دار الفنا
بس یہی کچھ ہے نظامِ کائنات
آج اگر آیا کوئی کل چل دیا
آ گئے اخترؔ بھی اس کے پیچ میں
وہ بھی آخر ہو گئے ہم سے جدا
ہو گیا سُونا جہانِ شاعری
محفلِ اُردو میں ماتم چھا گیا
سالِ رحلت پر جو میں نے غور کی
غیب سے کانوں میں آئی یہ صدا

بکرمی تاریخ لکھ دو اے رتنؔ
چل بسے اُف اخترِ شیریں نوا

سمید ۲۰۱۴ بکرم

قطعہ تاریخ وفات اہلیہ عرشؔ ملسیانی

چل بسی ہیں اہلیہ افسوس حضرت عرشؔ کی
شورِ ماتم کا بپا ہے دہر میں ہر گام پر
آہ مستقبل کی تاریکی نہیں یہ تیرِ قضا
چل گئے ہیں غم کے آرے ہر دلِ ناکام پر
ہائے اٹھ جاتا جہاں سے یوں ہی بے نیلِ مرام
ایک داغِ مستقل ہے زندگی کے نام پر
اب فقط اہلِ زمیں ہی غم سے افسردہ نہیں
نا امیدی چھا گئی ہے چرخِ نیلی فام پر

کون سی ایسی کشش اس میں بھری ہے اے خدا
ایک عالم مر مٹا صد حیف اجل کے نام پر
مرنے والی پارسا تھیں پاک تھیں بے لوث تھیں
اور سو سو ناز تھا عصمت کو اُن کے نام پر

سالِ رحلت غیب کی آواز میں لکھ دے رتنؔ
عرش بھی روتا ہے حیف اس مرگِ بے ہنگام پر

۱۹۵۸ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات مولانا ابو الکلام آزاد

چل بسے ہیں ابو الکلام آزاد حیف
غم سے ہر ہندی پریشاں ہو گیا
گر پڑا بام سیاست کا ستوں
صبر کا گھر نذرِ طوفاں ہو گیا
مٹ گئی شانِ تدبر مٹ گئی
ہو گیا غم دشمنِ جاں ہو گیا
کارواں کا کارواں روتا ہے آج
رہ نما نظروں سے پنہاں ہو گیا
ہر طرف ماتم بپا ہے ملک میں
ہائے نازل قہرِ یزداں ہو گیا
ناز تھا ہستی کو جس کی ذات پر
آج وہ ہستی پہ قرباں ہو گیا

سالِ رحلت یوں سُنا دے اے رتنؔ
آہ باغِ ہند ویراں ہو گیا

۱۳۷۷ ہجری

قطعہ تاریخ وفات پروفیسر پرشوتم لال ضیا ایم اے

آہ شملے سے ملی ہے یہ خبر
محفلِ ہستی سے اُٹھے ہیں ضیا
ہائے یہ مرگِ جوانی قہر ہے
موت کو بھی آئی ہوتی اے خدا
کون ڈھارس دے دلِ پرویزؔ کو
روتے روتے حال ابتر ہو گیا

بزمِ یاراں آج کیوں برہم نہ ہو / شانِ بزم و جانِ محفل چل بسا
کس قدر جذبات ٹھنڈے ہو گئے / مرنے والا کتنے ارماں لے مرا
رونقِ شعر و سخن جاتی رہی / آہ سرمایہ ادب کا لٹ گیا
بذلہ سنجی بذلہ گوئی ہو چکی / پھر نہ پیدا ہو گا ایسا خوش نوا
لکھ دے یہ تاریخِ رحلت اے رتنؔ / ہو گیا ہے نقشِ تاریکی ضیا

۱۹۵۹ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات حضرت دلؔ شاہ جہاں پوری

حضرتِ دلؔ اٹھ گئے دنیا سے آج / لٹ گئی شعر و سخن کی کائنات
آہ! اقلیمِ غزل کا تاج دار / ہو گیا آخر گرفتارِ ممات
ہر طرف غم کی فراوانی ہے اب / ہو گئی ماتم سرا بزمِ حیات
کچھ نہیں یہ ہستیٔ ناپائدار / محض دھوکا ہے حیاتِ بے ثبات
کون سمجھائے گا مفہومِ وفا / کہہ سکے گا کون دل کی واردات
پھر نہ پیدا ہوں گے ایسے خوش نظر / مل سکیں گے پھر نہ ایسے خوش صفات
عیسوی تاریخِ رحلت کے لیے / اے رتنؔ لکھ۔ "حضرتِ دلؔ کی وفات"

۱۹۵۵ عیسوی

قطعہ تاریخ تصنیف آئینہ اصلاح از حضرت جوشؔ ملسیانی

لکھی حضرتِ جوشؔ نے کیا کتاب / کھلایا معانی کا گویا چمن
مجلّا کیا خوب یہ آئینہ / اسے دیکھ لیں شاہدانِ سخن
اگر مبتدی کو ہے خضرِ طریق / تو ہے منتہی کا بھی یارِ کہن

یہ شرحِ رموزِ نہانِ ادب ــــ یہ کشّافِ اسرارِ مخفیٔ فن
معینِ سخن ور نصیرِ ادیب ــــ یہ نورِ ہدایت یہ تفسیرِ فن
محیطِ معانی چراغِ عروض ــــ دبیرِ ادب یا مشیرِ سخن
گلِ نو بہارِ ریاضِ ادب ــــ شمیمِ گلستانِ شعر و سخن
وقارِ زبانِ زباں آوراں ــــ کمالِ ادیبانِ اعجاز فن
ظہورِ تجلّیٔ حسنِ بیاں ــــ شعورِ کمالاتِ تدریسِ فن
خیالات میں مطلعِ آفتاب ــــ مضامین ہیں کانِ دُرِّ عدن
بیانِ مسائل صداقت اثر ــــ دلائل کا ہر لفظ باطل شکن
عروسانِ معنی کی محفل ہے یہ ــــ مضامینِ رنگیں کی ہے انجمن
اس آئینہ کا حسنِ آئیں ہے یہ ــــ کہ دُھنتے ہیں سر شاعرانِ زمن
یہ طرزِ نگارش کی صنعت گری ــــ ہے ہر گام پر اک نرالا چلن
کہیں عشق کا انکسار و نیاز ــــ کہیں حسنِ سرکش کی بانکی پھبن
کہیں قلبِ مضطر کی آواز ہے ــــ کہیں آرزو مند دل کی لگن
ہر اک سطر اس کی ہے اک آئینہ ــــ ہر اک لفظ اس کا ہے لعلِ یمن

رتنؔ اس طرح سالِ تصنیف لکھ
ہے تصنیفِ نادر سفیرِ سخن
۱۹۶۰ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات جناب جگرؔ مرادآبادی

اُٹھ گیا افسوس پھر اک طوطیٔ شکّر مقال ــــ یک بیک برپا ہوا پھر شورِ ماتم ہند میں
محفلِ شعر و سخن مایوس ہے مغموم ہے ــــ ہر سخن ور آج ہے با چشمِ پُرنم ہند میں

آہ یہ مظلومیت اُردو زباں کی دیکھئے | ہو رہے ہیں سرپرستانِ ادب کم ہند میں
خود غزل گوئی بھی ہے رنجِ جگر سے بے جگر | دیکھتے ہیں اہلِ دل محشر کا عالم ہند میں

تو بھی کہہ دے اے رتنؔ تاریخِ رحلت اس طرح
آہ چھپایا ہے جگر کی موت کا غم ہند میں

۱ ۹ ۶ ۰ عیسوی

قطعہ تاریخِ اشاعت کلام حضرت راجندر ناتھ رہبرؔ پٹھانکوٹی موسوم بہ کلس

حضرتِ رہبر نے چھپوا کر کلام | خوب گرمائی ادب کی انجمن
پھر "کلس" کے جاذبِ دل نام سے | اور بھی اِس کی بڑھا دی ہے پھبن
جاذبِ دل شعر کی رعنائیاں | اور مصرع رویشِ مشکِ ختن
ذہن نے توڑے ہیں تارے عرش کے | فکر لائی ڈھونڈ کر دُرِّ عدن
ایک جانب ہے شباب اور غزل | ایک جانب نظمِ نو جادو فگن
طرفہ تر۔ نادر۔ اچھوتا ہر خیال | اور ہر مضمون اِک لعلِ یمن
زندہ رہنے کا سبق ہر لفظ میں | ہر قدم پر بحرِ الفت موج زن
نوجواں کی شاعری بھی نوجواں | حسن معنی میں بیاں میں بانکپن
لے رہی ہے آرزو انگڑائیاں | حسرت و آلام ہیں زیرِ کفن
کہہ رہی ہے نقشِ دوں کی جھلک | ہو رہیں گے رہبرِ اربابِ فن

کہہ دے یوں سالِ اشاعت اے رتنؔ
حسن افزا ہو گیا باغِ سخن

۱ ۹ ۶ ۲ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات حضرت نوحؔ ناروی

چل بسے افسوس دنیا سے جناب نوح بھی
آسمانِ شاعری پر ابرِ ماتم چھا گیا

آہ جو طوفان اٹھاتے تھے تغزّل سے کبھی
لے گیا اُن کو بہا کر آج طوفانِ قضا

ہو چکی بحرِ سخن کی ناخدائی ہو چکی
ہو گیا بحرِ عدم میں تہ نشیں خود ناخدا

وہ مذاقِ شعر وہ تخلیق وہ حسنِ بیاں
اِک فصیح العصر کے جانے سے سب جاتا رہا

حشر تک روتی رہے گی آپ کو اُردو زباں
حشر تک اٹھتا رہے گا شورِ فریاد و بکا

اب نہ آئیں گے رسیلے بول کانوں میں کبھی
اب نہ دہلی کی زباں کا لطف دل گرمائے گا

کون پیدا کر سکے گا باتوں ہی باتوں میں بات
حسنِ سادہ میں بھرے گا کون اب حُسنِ ادا

کس بھروسے پر اٹھیں اب پاؤں منزل کی طرف
اُٹھ گیا جب رہ نوردانِ ادب کا رہنما

اے رتنؔ فرطِ الم میں کہہ دے یوں سالِ وفات
وائے اب ماتم بپا ہے جانشینِ داغ کا

١٩٦٢ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات مسٹر پون کمار فرزند جناب پربودھ چندر ممبر پارلیمنٹ

آہ آغازِ جوانی میں پون جی چل بسے
شام سے پہلے ہی ڈوبا آفتابِ زندگی

ہائے اس اُٹھتی جوانی پر اُٹھی ارتھی غضب
اس طرف اُبھرا اُدھر پھوٹا حبابِ زندگی

کیا بھروسہ زندگی کا کس بھروسے پر جئیں
ہر قدم پر موت بھی ہے ہم رکابِ زندگی

مرگ ہے عنوان اس کا مرگ ہی تفسیر ہے
خوب دیکھی ہم نے پڑھ پڑھ کر کتابِ زندگی

بے اثر اس کا نشہ ہے بے اثر اس کا خمار
دُرد سے بھی بدتریں نکلی شرابِ زندگی

اس کی آب و تاب پر لاکھوں لٹے اور ہو گئے
کس قدر دیکھا فریب آگیں سرابِ زندگی

آئے سب روتے ہوئے واپس کھڑے روتے ہوئے
ہے فقط اتنا ہی لے دے کر نصابِ زندگی

والدہ بے ہوش ہے بیٹے کے غم میں اِک طرف
اِک طرف والد کا دل ہے انقلابِ زندگی

محوِ گریہ ہیں یگانے مضطرب احباب ہیں
سارے گھر پر چھا گیا ہے اضطرابِ زندگی

سالِ رحلت لکھ دے سنِ عیسوی میں اے رتنؔ
اُف مصیبت موت نے لوٹا شبابِ زندگی

۲ ۶ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ طباعت دیوان حضرت مہر جالندھری المعروف بہ فردوس

اعتبار الملک حضرت مہر کا دیوان آج
دیکھئے فردوس کے عنوان سے ہے جلوہ گر

جھینپتا ہے گلشنِ فردوس بھی فردوس سے
اس کے حسنِ دل نشیں کی شانِ طلعت دیکھ کر

اِک طرف گلزارِ معنی کی بہارِ جاں فزا
اِک طرف حمدِ خدا یا مدحتِ خیر البشر

ہر غزل شانِ تغزل ہر سخن شانِ سخن
سحر ہے ہر شعر میں ہر لفظ میں درد و اثر

حسنِ بندش حسنِ اسلوبِ بیاں حسنِ زباں
رفعتِ تخئیل و مضموں ہے فلک کی ہم سفر

یہ رسائی فکر کی یہ طبعِ روشن کا کمال
ہر زمینِ خشک سے پیدا کئے گلہائے تر

کشتِ فن کی آبیاری کا سلیقہ دیکھئے
تشنہ کامانِ ادب سیراب آتے ہیں نظر

حسن افزا طرفہ تر تشبیہ نادر تر خیال
سادگی و جوش و تاثیر و متانت جلوہ گر

دل ربائی ۔ دل پذیری ۔ دل کشی ہر بات میں
ہیں اگر جذبات پاکیزہ مطالب معتبر

ہر ادا میں ایک تیور اور تیور میں فسوں
ہر فسوں میں رازِ فطرت کی حقیقت مستتر

مصرعِ تاریخ سالِ عیسوی میں لکھ رتنؔ
بن گیا ہے جلوۂ فردوسِ فردوسِ نظر

۳ ۶ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات پنڈت جواہر لال نہرو

آہ دہلی سے ملی نہروؔ کے مرنے کی خبر
سنتے ہی ہر آنکھ ہر سُو خوں برسانے لگی
ہر طرف فریاد و شیون ہر طرف آہ و فغاں
آج دنیا میں نہیں محبوبِ دُنیا کا وجود
صاحبِ تدبیر اُن سا دوسرا کوئی نہیں
موت خود غمگیں ہے ایسی ناگہانی موت پر
ایک دنیا پر سکوتِ مرگ طاری دیکھئے
دیکھئے رادھاکرشن کی پریشانی کا حال

ہر جگہ بزم مسرت میں ہوا محشر بپا
کانپ اُٹھے فرطِ غم و اندوہ سے ارض و سما
بن گیا ہے یک بیک سارا وطن ماتم سرا
ڈھونڈتی ہے ہر نظر لیکن نہیں ملتا پتا
اب نہ پورا ہو سکے گا یہ سیاست کا خلا
زندگی کہتی ہے لطفِ زندگی جاتا رہا
کتنا عالم گیر ہے ماتم جواہر لال کا
جن کو تنہا چھوڑ کر ساتھی روانہ ہو گیا

لکھ دیا یہ سالِ رحلت سنِ شا کا میں رتنؔ
ہائے بھارت ورش کا مقبول نیتا چل بسا

۶ ۸ ۸ ۱ شا کا

قطعہ تاریخ وفات شری لال بہادر شاستری

ناگہاں دہلی میں آئی یہ خبر
ہو چکی جب ختم بزم تاشقند
رہ گئے سارے کلیجہ تھام کر
قہر ہے غربت میں مرنا قہر ہے
بے قراری کیوں نہ ہو جمہور کو

ہند کا محبوب نیتا چل بسا
شاستری کا جام ہستی بھر گیا
کوہ غم ایسا وطن پر آ گرا
ظلم ہے چپکے سے یوں آئی قضا
وہ تو تھا جمہوریت کا آسرا

محوِ گریہ مادرِ ہند اِک طرف | اِک طرف سارا جہاں صرف بکا
موت بھی آنسو بہاتی ہے یہاں | غم کے سر پر بھی ہے غم چھایا ہوا
کس تمنّا میں تھی چشمِ منتظر | دستِ قدرت نے مگر کیسا کر دیا
امن کا جویا رہا وہ عمر بھر | امن ہی کی جستجو میں مر مٹا
رہتی دُنیا تک رہے گا یادگار | دیش کی خاطر جو کام اس نے کیا

بکرمی سمبت میں لکھ دے اے رتنؔ
اُف اُٹھا دنیا سے قومی غم ربا
سمبت ۲ ۰ ۲ ۲ بکرم

قطعہ تاریخ وفات پنڈت تربھون ناتھ زارؔ زتشی دہلی

دے گئے داغِ جدائی آج وہ | جو دل و جاں سے نثارِ داغ تھے
کہہ رہا ہے مصرعۂ تاریخ بھی | زار صاحب یادگارِ داغ تھے
۱۹۶۵ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات منشی تلوک چند محرومؔ

چل بسے ہیں شاعرِ شیریں نوا | آرزو جینے کی اب جی میں نہیں
لکھ دے یوں تاریخِ رحلت اے رتنؔ | حضرتِ محروم دہلی میں نہیں
۱۹۶۶ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات رائے بہادر لالہ لابھ چند برادر بزرگ جناب پرکاش امرتسری

چل بسے رائے بہادر لابھ چند افسوس ہے | ہائے ظالم موت نے ڈھایا ہے یہ کیسا ستم

آن واحد میں صفِ ماتم بچھادی موت نے
یک بیک بزمِ مسرت بن گئی بزمِ الم

کس طرح پرکاش کا ویران دل آباد ہو
چھوڑ کر اُن کو بڑے بھائی چلے سوئے عدم

آہ امرت سر سے اب نامِ سخاوت مٹ گیا
اُٹھ گیا رتنا ولی سے مصدرِ فیض و کرم

بن سکی ہر گز نہ تیری بات اجل کے سامنے
کھل گیا اے ہستیٔ موہوم اب تیرا بھرم

کون ہے جو آج اِس غم سے نہیں ہے دل فگار
دوستوں کا ذکر کیا دشمن بھی ہیں وقفِ الم

غیب کے الفاظ میں یوں سال رحلت لکھ رتن
کر گیا پرکاش کو بے آس یہ بھائی کا غم

۷ ۶ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات جناب آفتاب پانی پتی

آج ڈوبا آفتابِ شاعری
غم زدہ ہیں ملک بھر کے اہلِ فن

آہ چھینا ہم سے ظالم موت نے
ایک فخرِ قوم شیدائے وطن

شاعری اس کے لئے محبوب تھی
اور اس کی ذات محبوبِ سخن

اُٹھ گیا شعر و سخن کا پاسباں
پُر الم ہے محفلِ شعر و سخن

وہ تھا اربابِ وطن کا غم ربا
کیوں نہ روئیں اس کو اربابِ وطن

تو بھی کہہ دے اے رتن سالِ وفات
چل بسا اِک شاعرِ شیریں سخن

۸ ۶ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات سیّد دل محمد فضا جالندھری

آج دنیا سے فضا صاحب اُٹھے
محفلِ اُردو نہ کیوں ہو دل فگار

شاعری پر اُن کو سو سو ناز تھا ۔ شاعری کو ان پہ سو سو افتخار
غم گساری اُن کا وصفِ خاص تھا ۔ پھر نہ پیدا ہوں گے ایسے غم گسار
رہ گئیں سر پیٹ کر سب حسرتیں ۔ آرزوئیں پھر رہی ہیں سوگ وار
شمعِ علم و فن کے پروانے تھے وہ ۔ ہو گئے قربان بھی پروانہ وار
غم زدہ بچوں کو ڈھارس کون دے ۔ کس طرح ہو بیوہ کے دل کو قرار
اک طرف انسانیت صرفِ بکا ۔ اک طرف رُوحانیت ہے اشک بار

فرطِ غم میں تو بھی کہہ دے اے رتنؔ
چل بسا اُف شاعری کا تاج دار
۸ ۸ ۳ ۱ ہجری

قطعہ تاریخ طباعت دیوان دوم حضرت مہرؔ جائسی موسوم بہ جواہر ادب

چھپ گیا ہے مہرؔ صاحب کا کلام ۔ کھِل گیا گویا نیا باغِ سخن
کر دیا شادابیٔ اشعار نے ۔ باغِ جنت سے سوا باغِ سخن
ہر زمیں زر خیز ہے زر ریز ہے ۔ کیوں نہ ہو پھر دل کشا باغِ سخن
ہر قدم پر مستیاں بھی مست ہیں ۔ کس قدر ہے کیف زا باغِ سخن
فلسفہ۔ درد و اثر۔ سوز و گداز ۔ رکھتا ہے رنگیں فضا باغِ سخن
پاک ہر جذبہ ہے ارفع ہر خیال ۔ دل نشیں ہے مہرؔ کا باغِ سخن
حسن خود شیدا ہے اس کے حسن پر ۔ کس قدر ہے دل ربا باغِ سخن
جلوہ گر ہر لفظ میں رازِ حیات ۔ ہے حقیقت آشنا باغِ سخن
رازِ پوشیدہ تھا جو عرفان کا ۔ کہہ رہا ہے برملا باغِ سخن
رُوحِ غالبؔ ہے دُعا گو خلد میں ۔ خلد سے بھی ہو سوا باغِ سخن

کہہ دے یوں سالِ طباعت اے رتنؔ
حسن افزا اب ہے کیا باغ سخن
۹ ۶ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات علاّمہ حضرت منوّر لکھنوی

آہ دنیا سے منور بھی اُٹھے — بن گئی ماتم کدہ بزمِ سخن
پھر نہ پیدا ہوں گے ایسے نیک دل — نیک سیرت۔ نیک طینت۔ خوش چلن
آدمیت دل گرفتہ اک طرف — ہے نجابت اِک طرف محوِ محن
شاعری تو آپ کی جاگیر تھی — اور ورثے میں ملے تھے علم و فن
دل نشیں ہیں آپ کی سب تصنیفات — ہر قدم پر کھل رہا ہے اک چمن
آپ کا مرنا ادب کی موت ہے — کیوں نہ ہوں اہلِ ادب صرفِ محن
زندگی تھی وقف اردو کے لئے — عمر بھر کی خدمتِ شعر و سخن
ہائے اس اُردو زباں کی بے کسی — اُٹھتے ہی جاتے ہیں پیہم اہلِ فن

عالمِ غم میں یہ کہدے اے رتنؔ
حیف سُونا ہو گیا باغِ سخن
۰ ۷ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات شریمتی ایشور کور

والدہ محترمہ حضرت شادؔ سری ہرگوبندپوری

فرطِ غم سے سرنگوں ہو کیوں نہ بزم شاعراں
مادر شادؔ ایشور کور آج رحلت کر گئی

اک طرف ماتم کناں بیٹھے ہیں بیٹے بیٹیاں

اک طرف شوہر کے دل میں لگ رہی ہے آگ سی

ہستیٔ فانی میں ہنسنا بھی ہے رونے کی دلیل

دے رہی ہے رنج کا پیغام گویا ہر خوشی

اِس کا مسکن موت کی آغوش میں ہے بے گماں

کس بھروسے پر کریں پھر اعتبارِ زندگی

ذاتِ مرحومہ پہ زہد و بندگی کو ناز تھا

ذاتِ مرحومہ بھی تھی شیدائے زہد و بندگی

موت بھی غمگیں ہے ایسی پارسا کی موت پر

آہ! عرفان و عبادت کی رعونت ہو چکی

مصرعۂ تاریخ بھی پیغام دیتا ہے رتنؔ

یادِ عفّت ایشور کور ایشور سے جا ملی

۱ ۹ ۷ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ ولادت فرزند ارجمند حضرت بیکس دہلوی

شکر ہے بیکسؔ کو بیٹا مل گیا ہو گیا نخلِ تمنّا بارور

بعد مدّت کے ملا گھر کا چراغ جس نے روشن کر دیا ہے گھر کا گھر

زندگی کا مدّعا حاصل ہوا زندگی بھی کیوں نہ ہو پھر مفتخر

ایک جانب ماں کا دل ہے باغ باغ ایک جانب شاد و خرّم ہے پدر

فرطِ فرحت میں رتنؔ نے بھی کہا

حق نے بخشا ماہ وش نُورِ بصر

۱ ۹ ۷ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ حصول آزادی بنگلہ دیش

ثمر قربانیوں کا مِل گیا بنگال کو آخر
دھری ہی رہ گئی بے درد صیّادوں کی صیّادی

رتن ایسے میں تُو بھی مصرعۂ تاریخ یوں کہہ دے
بہت مہکا ہے بنگلہ دیش کا یہ باغِ آزادی
۱ ۷ ۹ ۱ عیسوی

قندِ پارسی

خطاب بہ طالب علم

عزیزم بتو پند گویم شنو — کہ گر علم می خواہی طالب بشو

بیا عہدِ طفلی غنیمت شمار — براہِ طلب پائے ہمت بدار

بدیدی بسے مہرِ ناز آفریں — کنوں جورِ استاد راہم ببیں

ز تو بستہ اُمید ہائے جہاں — ز لطف و کرم ہر یکے را رساں

بکش سختی و نرمیٔ روزگار — ہمیں است بہرِ تو اے نام دار

دلِ تُست گنجِ رموزِ نہاں — ز انوارِ تعلیم یابی نشاں

بشو گام زن در رہ برتری — ز ہم راہیاں گوئے سبقت بری

بہ علم و عمل از دل و جاں بکوش — شراب از ایاغِ تمنا بنوش

بداں علم را دولتِ زندگی — بیابی بعالم درخشندگی

شرف بر خلائق تُرا حق بداد — درِ گنجِ انوار بر تو کشاد

کُنی در جہاں ایں شرف اکتساب — کہ در خلق باشی فضائل مآب

چناں باش در دہر اے با تمیز — شود نزدِ شیخ و برہمن عزیز

بہ ہر وادی و کوہ و صحرا برو — بہ قعرِ جہالت ضیا پاش شو

ز علم و عمل زندگانی بجو — بکامِ خودت کامرانی بجو

رتن منزلے ہست پیشِ نظر — بباشی ز پائے رسا مفتخر

فضائل علم

علم در دُنیا بود اصلِ کمال | علم باشد موجبِ اوجِ خیال
مایۂ ادراک روشن می کند | آدمی را ماہرِ فن می کند
چشمۂ آبِ بقا باشد ہمیں | منبعِ فوق و علا باشد ہمیں
آدمی را حکمت و دانش بداد | در وجودش جوہرِ عالی نہاد
خانۂ دل را منوّر ساختہ | ملکِ باطن را مسخّر ساختہ
علم چرخِ برتری را اختر ایست | علم فرقِ سروری را افسر ایست
رازہائے علوی و سفلی کہ بود | علم می آرد بہ میدانِ شہود
آدمی را آدمیت می دہد | بر ملائک ہم فضیلت می دہد
علم باشد ہر گلے را رنگ و بو | علم باشد ہر نہالے را نمو
کارگاہِ دہر ازیں گیرد نظام | ہر یکے از علم باشد شادکام
دولتے باشد کہ روز افزوں شود | از زوال و پست ورا ایمن بود
چہ قدر ذاتش بود عالی نصاب | قلزمِ ذاخر بآرد در حباب
عقل را پُر نور و پُر زیور کند | حسنِ دانش را مہ و اختر کند
عرض دارم پیشِ ربِّ ذو المنن | بہرہ ور باشم ز علم و فن رتن

غزل

کس نہ بیند آشکارا جلوۂ مستور را | نور ہم خود پردہ گردد آں رخ پر نور را
از کجائی تو کہ داری دعوئِ تابِ نظر | التہابش ندرِ آتش کرد سنگِ طور را

المدد اے رہ نمائے منزلِ ما المدد
از وفورِ شوق ورزیدیم راہِ دُور را

از حدودِ شرع بیروں شو کہ بینی جلوہ اش
محرمِ حق بشکند پابندئ دستور را

منتِ رہبر چرا بکشیم در راہِ طلب
جذبۂ صادق نماید رہ گزارِ طور را

در مقامِ بے خودی معبود و عابد یک شوند
قایلِ الزام می دانی چرا منصور را

جان و دل را در بساطِ عشق باید باختن
تا بدست آریم آں رعنائی مستور را

بے بصر ہستی کہ یالی بر فروغِ بزمِ خود
روزِ روشن منتظر باشد شبِ دیجور را

باغِ دنیا در نگاہِ من نمی گنجد رتن
سیر ایں دوزخ مبارک زاہدِ مغرور را

قطعہ تاریخ ولادت نسیم اختر فرزند پیر محمد غنی صاحب

سحر گاہے نویدے خوش شنیدم
کہ شُد طالع ز بُرجِ سعد اختر

نسیمے در جہاں با صد مسرّت
پیامِ تہنیت بُردہ بہر در

خوشا بختِ جنابِ پیر صاحب
ورا دادہ خدا فرزندِ دلبر

سعید و خالد و احساں کہ بودند
معینِ شاں بیا آمد ماہ پیکر

برائے تہنیت گرد آمدہ اند
مبارک باد می گویند یکسر

رتن با فرطِ فرحت گفت تاریخ
بباغِ آرزو آمد گلے تر

۱ ۹ ۳ ۴ عیسوی

قطعہ تاریخ ولادت منموہن فرزند پروفیسر کالیہ صاحب

چہ نکہت آفریں است عالم ظاہر | کہ ہر موجِ صبا گردید عنبر بیز
زہر ذرّہ عیاں شد جلوۂ بہجت | سراسر شد فضائے دہر عشرت خیز
زمانہ مطلع انوارِ رحمت است | دلِ فرحت اثر گشتہ تجلّی ریز
خوشا وقتے کہ شد گلزار سینہ وش | شنو از بلبلاں نغماتِ دل آویز
جناب کالیہ را حق پسر داده | شنیدم ایں نویدِ تہنیت آمیز
شرابِ خرّمی جوشد بجامِ دل | سرورِ عیش در ہر سر مسرّت ریز
الٰہی عمرِ خضر ایں را مقدر کن | دُعا گوید زبانِ ہر عقیدت خیز

پدر در عیسوی ایں سالِ خود گوید
بشد باغِ مرادِ من بہار انگیز
۱ ۹ ۴ ۰ عیسوی

قطعہ تاریخ ولادت دیو گی راج فرزند پنڈت دینا ناتھ رئیس مرگوبند پور

زہے طالعِ نیک و بختِ سعید | کہ خورشید آمد بہ بُرجِ حمل
خزاں رفت و آمد نسیمِ بہار | دمانید گلہائے دشت و جبل
بہ ایں طور بارید ابرِ کرم | کہ شاداب شُد کشت ہائے امل
زفرطِ مسرّت بگوید پدر | کہ از زندگی یافتم ما حصل
بنازد بہ دل مادرِ شاد کام | بہ بالد بریں نعمتِ بے بدل
زکون مکاں می تراود سرور | جہاں شادماں شد بحسنِ عمل
ملائک بگویند پاینده باد | زبخشائشِ خالقِ عزّ و جل

بہ علم و حکم فوق حاصل کند — شود انتخاب جہانِ عمل

رتن ہم بریں مژدہ تاریخ گفت

ثمر ور بگردید نخلِ امل

۱۹۳۷ عیسوی

قطعہ تاریخ کدخدائی جناب شبیر حسین جاؔں خلف اکبر حضرت دلؔ شاہجہانپوری

زہے خوش نصیبی زہے نیک بختی — زبانِ مسرت بہ تقریر آمد

بچشمِ نظارہ بگو ہر فضا را — تجلیٔ گہِ ماہ تنویر آمد

بہ بینی جناب دِلِ شادماں را — بہ صد شوق نازاں بہ تقدیر آمد

بہ جوشِ محبت شفیقِ گرامی — بہ عیش و مسرت بغل گیر آمد

ز جذباتِ حسنِ نشاطِ فراواں — تجلیٔ پنہاں بہ تشہیر آمد

بگو اے رتن سالِ تاریخ نادر

صدائے مسرت بشبیر آمد

۱۳۶۴ ہجری

قطعہ تاریخ وفات پروفیسر پرشوتم لال ضیاؔ

گشت برپا ماتم مرگ ضیاؔ — چشم ہر کس را ببینم اشکبار

اے نشاطِ زندگی ماتم بکن — اے ہجوم آرزو شو سوگوار

مرگ ہم نالہ بریں مرگِ جواں — بلبل بہر باشورِ تحسین آشکار

عیشِ دُنیا محض یک دامِ فریب — حرفِ باطل ہستئ نخوت شعار
بزمِ شعر و شاعری ویران شد — رفت ازآں شاعرِ شیریں گزار
بازوئے پرویز بشکست الغیاث — زیں شود ہر صاحبِ دل دلفگار

اے رتن بنویس تاریخِ رحیل
کر درحلت شاعر نادر نگار
۱ ۹ ۵ ۹ عیسوی

قطعہ تاریخ فتح یابی برگوا

مرحبا درجہاں ہویدا شُد — جلوهٔ دل کش و نظر پرور
بارشِ نُور ایں چنیں بارد — ذرّه ذرّه بشد شہِ خاور
ہر فضا گشت روکش جنت — دشتِ پرخار شد گلِ احمر
بلبلِ نغمہ ریز می نازد — جلوه گر شد بہار جاں پرور
پرِ تگیزاں شکست خورده اند — کامراں گشت ہندِ خوش اختر

گو رتن بہر سال تاریخش
باد یدہ کنوں پیام ظفر
۱ ۳ ۸ ۱ ہجری

قطعہ تاریخ اشاعت کلام راجندر ناتھ رہبر پٹھانکوٹی موسوم بہ کلس

زترتیب کلام خویش رہبر — عیاں کرده کمالِ خویشتن را

ببیں ایں شوکتِ معجز بیانی کہ شیدا ساختہ ہر سحر فن را
زانوارِ کلامِ نور پرور فروزاں کرد شمعِ انجمن را
چہ گوئم کیفِ نغماتِ تغزّل کہ آید وجد مرغانِ چمن را
بنامِ رُوح افزائے کلس ہم ببینم در عجب اربابِ فن را
چہ دارد دسترس طبعِ رسا ہم بجستہ آورد دُرِّ عدن را
زباں شیریں بیاں شیریں ودلکش بگو احسنت ایں شیریں دہن را
تخیل را فلک پیما بگوئی بگو صد آفریں ذوقِ سخن را

رتن ہنویس ایں سالِ طباعت
بیا! ببیں!! گلشنِ شعروسخن را
۲ ۶ ۹ ۱ عیسوی

قطعہ تاریخ وفات حضرت نوح ناروی

وائے بومِ شومِ آوردہ خبر رفت در فردوس نوحؔ باکمال
حیف پُرغم گشت بزمِ شاعری تاج دارِ شاعراں کرد انتقال
آہ! آں جانِ فصاحت جاں بداد اُردوئے دہلی کنوں شد پارے مال
درگلستانِ ادب آمد خزاں بلبلِ شیریں نوا کرد ارتحال
کیست در بزمِ ادب مانندِ او خوش نوا۔خوش فکر۔خوش گو۔خوش خصال
طرفہ تر مضمون نادر تر بیاں دل نشیں انداز۔نازک تر خیال
گو حیاتش را زوال آمد وے ساختہ وے را کلامش لازوال
زیں خبر است دل گرفتہ ہر ادیب ہر عزیز وآشنا شوریدہ حال

صرفِ گریہ جوش و زارِ غم نصیب   محو نالہ ناطقِ شوریدہ حال

بہرِ تاریخِ وفاتش گو رتن

آہ! نوحِ شاعرِ شیریں مقال

۱ ۳ ۸ ۲ ہجری

قطعہ تاریخ وفات حضرت دل شاہ جہان پوری

ناگہاں آمد بگوشم ایں خبر   رفت از دُنیا دلِ شیریں نوا

آہ! مارا صرفِ غم کردہ برفت   اعتبار الملک در ملکِ فنا

بے طرح نالند شبیرؔ و شفیقؔ   والدِ شاں رفت در دستِ قضا

بر عزیزاں کوہِ غم بشکستہ است   بر زمیں اُفتاد دُنیائے سما

مضطر بگشتند اربابِ سخن   جملہ شاگرداں گرفتارِ بلا

فارسِ مضمارِ معنی جاں بداد   رونقِ بزمِ سخن اکنوں چرا؟

در غزل او آفریدہ طرزِ نو   از حقیقت کرد وے را آشنا

جان و ایمانِ بلاغت ہر خیال   عرش پیما بود ہر فکرِ رسا

بود ذاتش نازشِ انسانیت   او مسخّر کرد ہر انسان را

در حلاوت بود شعرش انگبیں   دل نشیں ہر لفظ مصرع دل ربا

سالِ تاریخِ وفاتش گو رتنؔ

کرد رحلت شاعرِ شکرؔ ادا

۱۹۵۹ عیسوی

قطعہ تاریخ اشاعتِ دیوانِ مہرؔ چاکسی موسوم بہ فردوس

حبّذا دیوانِ مہرؔ نغمہ گو — جلوہ آرا گشت در بزمِ سخن

نامش از فردوس شہرت یافتہ — گلشنِ فردوس شد دُنیائے فن

مہر را گو آفتابِ شاعری — طبعِ روشن را بگو بحرِ عدن

محفلِ شعر و ادب پُر نور شد — شد تجلّی ریز شمعِ انجمن

جا بجا حسنِ فصاحت جلوہ گر — گوئی ہر مصرع بلاغت پیرہن

مطلعِ انوار دیدم ہر خیال — گوئی ہر مضمون را لعلِ یمن

شاعری را ساحری کردہ شدہ — ایں قدر تاثیر باشد جلوہ زن

یافتم اندازِ نو در ہر بیاں — ترک کردہ شد مضامینِ کہن

نظم بینم مثلِ دریائے رواں — در غزل خوشبو دہد مشکِ ختن

حسنِ صوری را بگو طور آشنا — حسنِ معنی نازشِ فنِّ سخن

نغز گوئی۔ خوش بیانی کیف زا — بذلہ سنجی انجمن در انجمن

شعر مانندِ عروسِ پُر شباب — مصرع مصرع شاہدِ ایماں شکن

گو رتنؔ سالِ طباعت ایں چنیں

مرحبا بیں اوجِ فردوسِ سخن

۱ ۲ ۸ ۳ ہجری

قطعہ تاریخ وفات جناب عابد شاہ جہاں پوری

آہ! آمد مرگِ عابدؔ در سفر — شُد بغربت راہیِ ملکِ عدم
شمعِ بزمِ شاعری بے نور شُد — رفت زیں جا شاعرِ معجز رقم
جانشینِ دلؔ قریبِ دلؔ رسید — ہم نشینی گشت حاصل در ارم
اِنتقالش درسِ عبرت می دہد — گشت بے ہنگام نازل ایں ستم
بے گماں رنگِ کلامش بے عدیل — ایں چنیں استاد را ابر او کرم
صرفِ ماتم ہر عزیز و ہر حبیب — بزمِ گیتی را ببیں وقفِ الم

در وفورِ غم بگوید ایں رتنؔ
مُرد دردا عابدِ فطرت قلم
١٣٨٩ ہجری

قطعہ تاریخ وفات پنڈت ترلوک چند ایڈوکیٹ والد مغفور حضرت رہبرؔ پٹھانکوٹی

رفت از دارِ فنا ترلوک چند — آدمیت گشت پنہاں در کفن
خلق و رفقش بے نظیر و بے عدیل — بود ذاتش رونقِ ہر انجمن
او دلِ ہر کس مسخّر ساختہ — بر او شیدا بود غیر و خویشتن
ایشورؔ دت را ببیں صرفِ بکا — رہبرِؔ ماتم زدہ وقفِ محن

سالِ تاریخش رتنؔ گوید چنیں
مُرد مردِ نیک طینت خوش چلن
سمبت ٢٠٢٦ بکرم